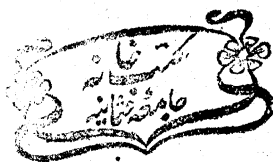


UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222013

UNIVERSAL
LIBRARY



ترجمہ

تاریخ ادبیات ایران

مصنفہ

علامہ روزگار پروفیسر ایتورہ بروں مرحوم

مترجمہ

سید سجاد حسین صاحب ایم۔ اے، مددگار پروفیسر اردو

(جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن)

—(۵)* (۵)—

سنہ ۱۹۳۲ ع

—§*§—

بہ اہتمام محمد صدیق حسن انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد دکن کے مطبع مہن چھپ کر شائع ہوا

جلد ۱۰۰۰

پہلی دفعہ

تھوٹا سہ ماہی ۲ روپے ۸ آنہ؛ فور سہ ماہی ۳ روپے

قواعد و ضوابط

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(۱) سر پرسٹ وہ ہوں گے جو پانچ ہزار روپے ایک مشٹ یا پانسو روپے سالانہ انجمن کو عطا فرمائیں —

(ان کو تمام مطبوعات انجمن بلا قہمت اعلیٰ قسم کی جلد کے ساتھ پیش کی جائیں گی)

(۲) معارف وہ ہوں گے جو ایک ہزار روپے ایک مشٹ یا سالانہ سو روپے عطا فرمائیں گے - (انجمن کی تمام مطبوعات ان کو بلا قہمت دی جائیں گی)

(۳) دکن مداسی وہ ہوں گے جو ڈھائی سو روپے تک ایک مشٹ عطا فرمائیں گے -

(ان کو تمام مطبوعات انجمن معجلہ نصف قہمت پر دی جائیں گی)

(۴) دکن معمولی انجمن کے مطبوعات کے مستقل خریدار ہوں گے جو

اس بات کی اجازت دیں گے کہ مطبوعات انجمن کی طبع ہوتے ہی بغیر دریافت کئے بذریعہ قہمت طلب پارسل ان کی خدمت میں بھیج دی جائیں - (ان صاحبوں کو تمام مطبوعات پچھس فی صدی قہمت کم کر کے دی جائیں گی)

مطبوعات میں انجمن کے رسالے بھی شامل ہیں

(۵) انجمن کی شاخیں یعنی اردو کتب خانے وہ ہیں جو

انجمن کو ایک مشٹ - واسو (روپہ) یا بارہ روپے سالانہ دیں

(انجمن ان کو اپنی مطبوعات نصف قہمت پر دے گی)

November 6. 1918.

MS. A. 9. 2. 1. 1. 1. 1.

FIRWOOD,

TRUMPINGTON ROAD,

CAMBRIDGE.

Dear Sir,

Please accept my most
sincere thanks for your kind
letter of September 16 last. I
need not say how great a pleasure
and encouragement it is to me
to find that my Literary History
of Persia is so much appreciated
in India. I am now engaged on
a third volume of it extending
from about A.D. 1260 - 1500, &
this is now being printed here at
the University Press, which I greatly
~~conf~~ prefer, as I am able to give
the original poems etc. in the

proper character.

As regards your request for my permission to translate the 2 published volumes of my Literary History into Urdu, I personally should be delighted that this should be done, but legally I am afraid that my publisher, Mr. Fisher Unwin, should be approached, as he has certain rights in the book, which is not therefore solely under my control. In the case of the new volume or volumes I am taking care to keep all rights in my own hand, so that no permission shall be required except

from myself. In the case of the two
published volumes, I am not sure
whether I alone have the power to
give the permission you seek,
though so far as I am concerned
I should be delighted to know
that my book was being made
available for Indian readers.

I enclose lists of my own pub-
-lications & of the "E. J. W. Gibb
Memorial" publications. & if
your Society has a reference
library it would give me great
pleasure to send them such of
these publications as they

might think useful to them, as a
gift.

I am,

Yours sincerely,

Edward F. Boorne.

November 13. 1918.

FIRWOOD,

TRUMPINGTON ROAD,

CAMBRIDGE

Dear Sir,

In continuation of my last
letter, written a few days ago,
I have the pleasure to inform
you that Mr Fisher Anderson,
the Publisher of my Literary
History of Persia, has most
readily consented to your
translating it into Urdu
and publishing it. I need
not say how glad I am
that he has raised no objection

to this, as I appreciate very
highly the honour you do me
in wishing to set my book
in an Eastern dress before
a larger public. In all that
I have written I have throughout
most of the East & especially
of Persia, and I feel so
strongly that there is more work
worth doing in Persian &
urgently needing to be done
than in almost any other
Eastern language that I

Review is my step calculated
to arouse in it wider interest.

You will probably need the
Persian ^{& Arabic} texts of ^{some at least of} the passages
translated in these volumes,
as some are taken from
rare books which may not
be accessible in India. In
this case I shall be glad
to do my best to supply them.

A third volume of the
book, covering the period from
Nizāgā' Khān to the rise of
the Sāfawī dynasty is being

printed here, and I have promised
advance proofs to my friend
Master Muhammad Shafi,
Government of India Research Student
here and a very fine scholar,
who knows all about your Society,
& is deeply interested in its
work.

Yours truly,

Yours very truly,

Edward G. Browne.

باب اول

۱	تمہید
۱	موضوع کتاب
۴	لفظ پوشین کے اصلی معنی
۵	دور ہٹا منشی کی زبان
۵	فارسی کتببات کا سلسلہ توڑتا ہوا ہے
۷	فارسی کی عہد بعہد ترقی
۸	فارسی قدیم
۹	فارسیء متوسط یا پہلوی
۱۰	فارسیء جدید
۱۱	ترک پہلوی کے اسباب
۱۵	جدید فارسی ادب کا آغاز
۱۵	فارسی نثر
۱۶	فارسی نظم

صفحہ

تفصیل ابواب

۲۱	بار بد مطرب ساسانی سنہ ۵۹۰ - ۶۲۷ ع
۲۹	زیادہ وسیع نظر
۳۰	دولت میدیا
۳۱	تاریخ میدیا کے مآخذ
۳۱	آسوری حوالہ
۳۱	یہودی حوالہ
۳۲	یونانی حوالہ ہرو دوتس - ٹی سیاز
۳۳	بروسس
۳۳	دیوکسینز
۳۴	اہل میدیا کی زبان
۳۶	آپرت کی رائے کہ اہل میدیا تورانی تھے
۳۸	دار مشتیتور کا اعتراض
۳۹	آوستا
۴۰	جرمنی تحقیق
۴۰	دار مشتیتور کی تلمقید
۴۴	ہورت اور دار مشتیتور کی تائید
۴۷	قدیم ایران کا مذہب زور استور
۵۰	پروفیسر جیکسن کے نتائج
۵۱	استد لالات بالا کہاں تک معقول ہیں
۵۲	اوستا میں لفظ مجوسی کا معنی خیز استعمال
۵۳	فرضی سہر تیز
۵۳	کتبہ دارا کا حوالہ

صفحہ	تفصیل ابواب
۵۶	مدعیان دیگر
۵۷	میدوی دور سے قبل کے تاریخی حالات ملتے ہیں
۵۸	میگس ملر کا قیاس
۶۲	آسوری اثرات
۶۳	خلاصہ کلام

باب دوم

	ایران قدیم کے کتببات اور مرقومات کا افکشاف ' ان کے
۶۵	معانی و مطالب کا تعین اور دیگر مسائل زبان
۶۵	یورپ اور علوم مشرقیہ
۶۶	بارہویں صدی
۶۷	تیرہویں صدی
۶۷	چودھویں صدی
۶۷	سولہویں صدی
۶۸	سترہویں صدی
۶۹	طامس ہائڈ
۷۲	ڈاکٹر ہئڈ کی قدیم فارسی زبانوں سے واقفیت
۷۴	آفکتیل دو پیرون ۱۷۵۴ - ۱۷۷۱ ع
۷۷	آفکتیل کی اَلوالعزمیاں
۷۹	آفکتیل کی تصنیف
۸۲	تصنیف آفکتیل کی نامقبولیت
۸۴	آفکتیل کی حمایت
۸۵	سرولیم جونس کے خط کے اقتباسات

صفحہ

تفصیل ابواب

- ۹۲ آنکتیل کو بدلہ مل گیا
- سر ولیم جونز کی خوش اعتقادی اُنکی تشکیک کے برابر
- ۹۵ برابر اور بے محل ہے
- سر ولیم جونز کا دساتیر اور دبستان کی بابت مبالغہ
- ۹۵ آمیز خیال
- ۹۷ قدیم تاریخ عجم پر جونز کے خیالات
- ۹۸ ولیم جونز کی غلطیاں
- ۱۰۰ سر ولیم جونز کی رائے کا اثر
- ۱۰۱ قے ساسی اور آنکتیل
- ۱۰۴ پہاوی کتبے
- ۱۰۴ سین پارتھ لے می
- ۱۰۵ قدیم فارسی کتبوں کی تحقیق - گروت فلت
- ۱۰۶ گروت فلت کے عام نتائج
- ۱۰۷ گروت فلت کا طریق تفحص
- ۱۰۹ تفحص کا ٹھہر
- ۱۱۱ تفحص کی قدر و قیمت
- ۱۱۲ رولنسن، برنوت اور لاسن کی مزید ترقی
- ۱۱۴ قدیم فارسی کی مزید تحقیق
- ۱۱۴ فارسی کے پیکانی حروت پر محقق آپرت کی رائے
- ۱۱۷ فارسی پر آسوری اثر
- ۱۱۷ پہاوی خط کی خصوصیات

صفحہ

تفصیل ابواب

۱۱۹	اوستیات کی مزید ترقی
۱۲۰	جنگ مسالک
۱۲۲	تارم شقیقہ اور اس کے تاریخی طریقہ پر کیلڈنر کی تحسین
۱۲۵	پہلوی کتبہات کا مزید حل
۱۲۵	نقش رستم کے ساسانی کتبے
۱۲۷	ساسانی سکے
۱۲۷	کتب و کتبہات کی پہلوی
۱۲۸	ملر کا مضمون
۱۳۵	ابن المقفع
۱۳۸	تعریف اصطلاحات
۱۳۸	میتھوی
۱۳۹	اوستائی
۱۳۹	ژند
۱۴۰	قدیم فارسی
۱۴۰	پہلوی
۱۴۳	ہزوارش
۱۴۴	پازند و پارسی
۱۴۵	جدید فارسی
۱۴۶	ایرانی بولیاں
۱۴۷	امیر پازواری اور بابا طاهر
۱۵۲	اہم بولیوں کی فہرست

باب سوم

(اسلامی دور سے قبل ایرانیوں کا علم و ادب اور
ان کی مختصر مگر افسانہ آمیز تاریخ جو شاہنامہ

۱۵۳ سے ماخوذ ہے -)

۱۵۳ عرض حال

(فصل اول)

۱۵۸ سلاطین ہخامنشی کی علمی یاد گاریں

(فصل دوم)

۱۶۶ اوستا

۱۶۶ گیلد نو کی پہلی رائے سنہ ۱۸۸۸

۱۶۷ دارم شتیتور کی بعد کی رائے ۱۸۹۳

۱۶۷ گیلد نو کی دوسری رائے (۱۸۹۶)

۱۶۹ سا سانی اوستا

۱۷۰ ایک عجیب نظیر

۱۷۱ موجودہ اوستا کے حصے

۱۷۲ یا سنا

۱۷۲ و سپیریڈ

۱۷۲ • ویندیہاد

۱۷۳ یشت

مشرق میں قدیم مذہبی عقاید و رسوم کی احیا کی ۱۷۳
ایک اور مثال

صفحہ

تفصیل ابواب

۱۷۵ خوردہ اوستا

۱۷۶ اوستا بحیثیت مجموعی

(فصل سوم)

۱۷۷ پہلوی ادب

۱۷۷ پہلوی افسانے سکون پر ۳۰۰ ق م سے ۶۹۵ م تک

۱۷۸ پہلوی کتبے

۱۷۹ پہلوی ادب

۱۸۰ پہلوی مسودات

۱۸۰ پہلوی ادب کی مقدار و نوعیت

۱۸۱ دین کرت (نویں صدی عیسوی)

۱۸۲ بن دہش (بارہویں صدی)

۱۸۲ داتستان دینیک (نویں صدی)

۱۸۲ شکند گھا نیک و یجبار

۱۸۳ منیوے خرد

۱۸۳ اودہ ویرات نامک

۱۸۴ ماقو گان گجستک ابالش

۱۸۴ اندرز خسروئے کوانان

۱۸۷ فارسی کا زرتشتی ادب

۱۸۸ ساسانی دور میں نظم کا وجود

(فصل چہارم)

۱۹۰

۱۹۰ ایران کا ” قومی افسانہ “

۱۹۱ شہشاہ ناسے کے مضامین

تفصیل ابواب

صفحہ

۱۹۲	پیشدادیاں
۱۹۲	جہشید
۱۹۵	اڑی دھاگ یا دھاگ
۱۹۷	منوچہر
۱۹۸	افراسیاب
۱۹۸	سیستانی داستان
۱۹۸	رستم
۱۹۹	اسفندیار
۱۹۹	بہمن آرتا زرخسبز لونگی سے نس
۲۰۰	خومانی
۲۰۰	دارا
۲۰۰	ساسان
۲۰۱	سکندر کا قصہ
۲۰۱	سکندر زر تشتی روایت میں
۲۰۲	سکندر شاہنامے میں
۲۰۳	سکندر نامے کا سکندر
۲۰۳	پارتھوی دور
۰۵	قومی افسانے کی تاریخ و قدامت
۶	یات کار زریراں
۰۸	شاہنامے کی پہلوی میں آخری نظر ثانی
۰۹	پہلوی شاہنامے کے عربی اور فارسی ترجمے

چوتھا باب

صفحہ	تفصیل ابواب
۲۱۱	دور ساسان (سذہ ۲۲۹ - ۶۵۲ م)
۲۱۳	ساسانی بادشاہوں کا ربانی وجود
۲۱۴	ساسانی شکوہ
۲۱۵	” آسمانی حق “ کا مسئلہ ایران میں
۲۱۵	بہرام چوبین کا قصہ
۲۱۷	بعد کے زمانے میں اس مسئلہ کا اثر
۲۱۸	سیاست شیعہ کی بنیاد
۲۲۰	شہر بانو فارسی تعزیوں میں
	ساسانیوں کے نسبت ان کی عیسائی رھایا اور
۲۲۴	معاصرین کی رائے
۲۲۶	مذہبی تعصب کی مثالیں
۲۲۷	فوشیروان ” عادل “ سذہ ۵۳۱ - ۵۷۸ م
۲۲۷	عیسائیوں کی نسبت فوشیروان کا خیال
۲۲۸	اس باب کا مبحث اور اس کا ذکھ
۲۲۹	(۱) ارد شیر کا افسانہ
۲۳۳	کارنامک
۲۳۷	شاہنامہ
۲۶۳	ارد شیر کا تاریخی وجود افسانوں سے گھرا ہوا ہے
۲۶۴	ایرانی روایات اور ایرانی تاریخ پر یعقوبی کا خیال
۲۶۵	شاہ پور اول

- ۲۶۶ شاپور کے کتبے
- ۲۶۶ حاجی آباد کا کتبہ
- ۲۶۸ حاجی آباد کے کتبے کا ترجمہ ایف ملر کے قلم سے
- ۲۷۰ مانی اور اُس کی تعلیم
- ۲۷۲ حالات اور تعلیم مانی کے ماخذ
- ۲۷۳ الیعقوبی کا بیان
- ۲۸۱ زندگی کا مفہوم
- ۲۸۷ مشرق میں مانویہ کی ترقی
- ۲۸۳ مانویوں کے عقائد
- ۲۸۸ مانی کی ایک کتاب کا اقتباس
- ۲۸۹ مانویوں کا نقل مکان
- ۲۹۱ مانویہ کے مختلف طبقے اور ان کے فرائض
- ۲۹۳ ارژنگ مانی کا افسانہ
- (۳) نوشیروان اور مزدک
- ۲۹۳ سیرت نوشیروان
- فلسفیان یونان یا افلاطونین جدید (نیوپلیٹونسٹ
- ۲۹۶ فلاسفرز)
- افلاطونیات جدید (نیوپلیٹونسٹ آئڈیاز کی ایران
- ۲۹۶ مبن اشاعت
- ۲۹۸ مزدک
- ۳۰۲ تعلیم مزدک
- ۳۰۳ مزدکیوں کا عروج و زوال
- ۳۰۴ مزدکیوں کا قبل سنہ ۵۲۸ - ۵۲۹ ع
- ۳۰۵ غیبی شہادت

صفحہ

تفصیل ابواب

- ۳۰۵ مزید حالات
- ۳۰۶ (۴) آل ساسان کا انعطاء و زوال
- ۳۰۶ ساسانیوں کی سلطنت کے لئے بد شگونی
- ۳۰۷ سطیح کا الہامی جواب
- ۳۰۹ چھٹی صدی میں عربوں کے سیاسی تعلقات
- ۳۱۰ ذوفراس اور نجران کے عیسائیوں پر مصیبت
- ۳۱۰ اصحاب اخذود
- ۳۱۰ حبشیوں کا یمن فتح کرنا
- ۳۱۴ اریاط کا قتل
- ۳۱۴ مکہ کے خلاف ابرہہ کی مہم
- ۳۱۴ ہمدانہ طلب اور ان کے اونٹ
- ۳۱۶ معبود ہاتھی
- ۳۱۶ ابا بیلین
- ۳۱۷ اس قصے کی تاریخی بنیاد
- ۳۱۸ سیف بن ذی یزن کی شاہ ایران سے استہداد
- ۳۱۹ کفایت شعارانہ شاہنشاہیت
- ۳۲۰ فوج کی تربیت
- ۳۲۱ وھرز کا تاریخی نشانہ
- ۳۲۱ یمن کا الحاق
- ۳۲۱ آل ساسان کی سریم الزوالی
- ۳۲۴ تباہی کے آثار
- ۳۲۵ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط خسرو پرویز کے نام

صفحہ

تفصیل ابواب

۳۲۶

تنبیہی واقعات (۱) خواب

۳۲۶

(۲) علامات

۳۲۷

(۳) جنگ ذوقار

باب پنجم

۳۲۸

اہل عرب کا حملہ

۳۲۸

عربوں کے عروج پر تیزی کی راے

۳۳۵

الفخری کا بیان

۳۳۸

عربوں کے خصائل

۳۴۰

زمانہ جاہلیت اور اسلام کا مقابلہ

۳۴۲

تابطہ شرأ کا قصیدہ

۳۴۸

الفخری اور ایران کی فتح

۳۴۹

عراق پر فوج کشی اور ایران کی تسخیر

۳۷۰

سلمان فارسی

۳۷۲

دیوانوں کا قیام و انتظام

باب ششم

۳۸۰

عہد بنو امیہ (سنہ ۶۶۱ ع تا سنہ ۷۴۹ ع)

۳۸۰

عہد خلافت سے کیا مراد ہے

۳۸۱

خلافت کے تین دور

۳۸۲

مغلوں کے حملے سے اسلام کو ذہنی نیز سیاسی تاریخ

میں انقلاب

۳۹۵

حضرت عثمان (رض) کا قتل سنہ ۶۵۶ ع

صفحہ

تفصیل ابواب

- ۳۹۷ حضرت علی (رض) کا انتخاب خلافت
- ۳۹۸ معاویہ کا علی کو خلیفہ ماننے سے انکار
- ۳۹۹ جنگ صفین
- ۴۰۰ معاویہ کے خلافت کا اعلان فروری سنہ ۶۵۸ ع
- ۴۰۰ علی (رض) کی حالت
- ۴۰۱ علی (رض) کی فوجوں کی ترکیب
- ۴۰۱ شیعہ علی (رض)
- ۴۰۲ خوارج
- ۴۰۶ جنگ نہروان
- ۴۰۸ مزید مصائب
- ۴۰۹ علی کا قتل ۲۵ جنوری سنہ ۶۶۱ ع
- ۴۰۹ حسن (رض) کی جانشینی اور خلع
- ۴۱۰ یزید اول سنہ ۶۸۰ سنہ ۶۸۳ ع
- ۴۱۲ یزید کی سیرت
- ۴۱۳ ساندہ کربلا ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ ع
- ۴۱۶ زبیر اور مختار کی بغاوتیں
- ۴۱۸ مختار کی بغاوت کی خصوصیات
- ۴۲۰ عبدالملک کی حکومت سنہ ۶۸۵ ع سنہ ۷۰۵ ع
- ۴۲۲ بنو امیہ کی حکومت کے متعلق تیزی کی رائے
- ۴۲۳ بنو امیہ کی پالیسی نے چار جماعتوں کو اُن کی طرف سے بد دل کر دیا
- ۴۲۳ (۱) دیندار مسلمان

صفحہ

تفصیل ابواب

۴۲۳

(۲) شیعہ

۴۲۴

(۳) خوارج

۴۲۵

معموم اقوام

۴۲۶

اموی ساطنت کے زوال کے اسباب

۴۲۷

معموم فسلوں کی حالت زار

۴۲۸

عہد ابن عبدالعزیز

۴۲۹

عہد ثنی کی سیرت اور اس کے عہد حکومت کے اثرات

۴۳۰

پہلی صدی ہجری کا اختتام اور عباسی قبلیخ کی ابتدا

۴۳۱

دینوری کی عبارت کی قتل

۴۳۲

ابوالعباس کی ولادت

۴۳۳

عباسی دعویٰ کی تائید ایرانیوں کی طرف سے

۴۳۴

مختار اور ابن الاشتر نے ایرانیوں کی جوہر شناسی کی

۴۳۵

ہاشمیہ

۴۳۶

امامیہ

۴۳۷

محمد بن علی کی وفات

۴۳۸

ابو مسلم

۴۳۹

نصر بن سیار نے بنو امیہ کو مستبد کیا

۴۴۰

عباسیوں نے سیاہ عالم بلند کیا ۹ - جون سنہ ۷۴۷ ع

۴۴۱

اقتباس از الفخری

۴۴۲

اکثر حامیان انقلاب کی امیدیں غلط ثابت ہوئیں

۴۴۳

ابو سلامہ اور ابو مسلم کو قتل کیا گیا

۴۴۴

ابو مسلم کا زبردست اثر

۴۴۵

خوم دینیہ

دیباچہ

اس کتاب کا ترجمہ عرصے سے کیا رکھا تھا لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ طبع سے پہلے کوئی صاحب نظر اسے بنظر اصلاح دیکھ لے۔ خصوصاً کتاب کا پہلا حصہ جس میں زبان کی تاریخ سے بحث ہے بہت کچھ اس کا محتاج تھا۔ میں نے پروفیسر محمد شفیع صاحب ایم۔ اے، وائس پرنسپل اورینٹل کالج لاہور سے درخواست کی۔ صاحب موصوف نے پروفیسر براؤن مرحوم کے ساتھ کام کیا ہے اور مسلم قابلیت کے شخص ہیں۔ انہوں نے از راہ عنایت میری درخواست کو قبول فرمایا اور نہایت احتیاط اور غور سے اس کی نظر ثانی فرمائی اور جا بجا بہت معقول اور مناسب اصلاحیں فرمائیں۔ لیکن چار باب سے زیادہ نہ دیکھ سکے، اس میں وقت بہت صرف ہوتا تھا اور ان کو اتنی فرصت نہ تھی۔ میں پروفیسر محمد شفیع صاحب کی اس توجہ اور

ہنایت کا تہ دل سے مہنون ہوں ۔ میں نے اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب سے رجوع کی لیکن کم فرصتی کی وجہ سے وہ اس درد سوری کو اپنے ذمے نہ لے سکے بلکہ یہ کہہ کے ٹال دیا کہ بجائے اصلاح کے فیما ترجمہ کرانا زیادہ بہتر ہوگا ۔ اصل بات یہ ہے کہ بقول پروفیسر محمد شفیع صاحب اس کتاب کے ترجمے کے لئے ذوق شعر کی ضرورت ہے ۔ نا چار باقی ابواب کے پروت میں نے خود دیکھے اور جہاں تک ممکن ہوا اس کی اصلاح میں کوشش کی —

نفس کتاب کے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں فارسی ادب کی تاریخ پر اس سے بہتر کسی زبان میں کوئی کتاب نہیں ۔ ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ بعض رایوں سے بعض صاحبوں کو اختلاف ہو یا اس میں کہیں کہیں غلطیاں بھی پائی جاتی ہوں ، لیکن اس سے کتاب کی وقعت و عظمت میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ادبی تاریخ و تقدید کی اعلیٰ پایہ کی کتابوں میں سے ہے ۔ اردو میں ایسی کتابوں کے ترجمے کی شدید ضرورت ہے ۔ کیونکہ فارسی اردو میں ایسی کتابوں کا وجود نہیں ۔ تذکرے البتہ ہیں سوان کو حالت عجیب ہے ۔ معلومات ناقص ، حالات بہت کم اور وہ بھی بے سند ، کلام پر رائے عجیب و غریب ۔ مدح پر آئے تو تعریف کے پل باندھ دئے ، قدم پر اترے

تو تسہ لگا نہ چھوڑا - نہ ان کی مدد مدد ہے اور نہ قدح قدح - باقی رہیں دوسری باتیں مثلاً زبان کی نشوونما ، خیالات کے انقلاب کے اسباب ، حکومت اور زمانے کا اثر ، اصول تنقید وغیرہ ، ان کی ہوا نک بھی نہیں لگی - ” تاریخ ادبیات ایران “ ہمارے لئے نہونے اور رہبری کا کام دے گی - اس سے ہمیں معلوم ہوگا کہ زبان کیونکر بنتی اور نشوونما پاتی ہے ، کیا کیا تغیر رونما ہوتے ہیں اور ان کے کیا اسباب ہوتے ہیں - ادب پر حکومت ، ماحول ، سوسائٹی اور دوسرے تاریخی حالات و انقلابات کا کیا اثر ہوتا ہے - ادیب کے کلام کی خصوصیتوں اور حسن و قبح کو کن اصول سے جانچا جاتا ہے علاوہ اس کے تحقیق زبان و لغت کے سیکڑوں نکات اس میں ایسے آگئے ہیں جو نہایت بصیرت افروز ہیں - غرض ایسی بیسیوں باتیں ہیں جو ہمیں سیکھنی ہیں اور وہ ہم ایسی ہی بلند پایہ تصانیف سے سیکھ سکتے ہیں -

پروفیسر براؤن سچے عالم تھے - ساری عمر ان کی علم کی تلاش اور تحقیق میں بسر ہوئی - یوں تو انہیں عام طور پر عالم اسلام سے ایک قسم کی الفت تھی اور عربی اور ترکی کے عالم تھے ، لیکن ایران اور ایرانیوں اور ان کی زبان سے ان کو عشق تھا - فارسی زبان کے وہ بڑے فاضل اور مہر تھے - انہوں نے ہر موقع

پر اہلی قلم سے ، تقریر سے ، تدبیر سے ، دولت سے
ایران کی حمایت کی اور بعض اوقات اہل ایران کے
حقوق کی تائید میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں ۔
ان کی تصانیف کا بہت بڑا حصہ ایران اور فارسی زبان
کے متعلق ہے اور تاریخ ادبیات ایران ان کی مہاتصنیف
ہے ۔ اس طرح انہوں نے ایران کی بے بہا خدمت کی ہے
جب جہاں کہیں وہ ایران یا ایرانیوں کا ذکر کرتے ہیں
تو ان کے ایک ایک لفظ سے محبت ٹپکتی ہے ۔

جن لوگوں کو پروفیسر مرحوم سے ملنے کا اتفاق ہوا
ہے وہ ان کے اخلاق ، فیاضی ، خوش بیانی اور علمی
انہماک اور شغف کے بیحد مداح ہیں ۔ مولوی غلام یزدانی صاحب
ایم ۔ اے ، ناظم محکمہ آثار قدیمہ حیدر آباد دکن نے
پروفیسر مرحوم سے اپنی ملاقات کا ذکر بغیر کسی مبالغے
کے بہت ہی خوبی اور سادگی سے بیان کیا ہے ۔ وہ
پڑھنے کے قابل ہے اور یہاں ہم اُسے انہیں کے الفاظ
میں نقل کرتے ہیں ۔

”ان کو عجیب شخصیت تھی ۔ دیکھنے میں تو ذرا
سے آدمی تھے اور کوز پشتی کا عیب بھی موجود تھا
لیکن جب بات کرتے تھے تو چہرے سے کہاں ذہانت
ٹپکتی تھی ۔ اور بذلہ سفحی کا یہ حال تھا کہ منہ
سے بھول جھڑکتے تھے ۔ طبیعت میں انتہا کا انکسار اور
حلم تھا ۔ اسی وجہ سے طالب علم اور آنے والے ان

کا بہت وقت ضایع کرتے تھے۔ ایشیائیوں کے لئے مہمانی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ میرے آنے کا حال معلوم ہوا تو ڈاکٹر بذل الرحمٰن سے جو اُس وقت کیہجبرج میں تھے۔ کہا کہ اُن کو سیدھا اسٹیشن سے میرے پاس لے آنا۔ دو دن تک مہمانی رہی، پر لطف باتیں کرتے تھے۔ ان دنوں بیوی کی علالت کی وجہ سے ڈرا طبیعت میں انتشار تھا اور اپنی صحت کی خرابی کو بھی محسوس کر رہے تھے۔ مسودوں کے بستے دکھائے اور کہا کہ خدا اس ذمہ داری کو پورا کرے۔ آنکھ میں چونکہ بے حد لحاظ تھا، اس لئے بعض اوقات چھپ چھپ کر کام کرتے تھے۔

ایران اور اہل ایران کے ساتھ حقیقی عشق تھا۔ اپنے ملک کی دکاۓ جب کبھی بدلی ہوئی دیکھتے تھے، فوراً ایران کی بھلائی کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس پر خلوص محبت اور شیفتگی کی وجہ سے سیاہی صہدہ دار بھی اُن کا ادب کرتے تھے۔ سروزلے ہیگ ایک قصہ سناتے تھے۔ وہ جب مشہد میں قونصل جنرل تھے، ایک شاعر کو ایرانی سلطنت نے غداری اور بغاوت کے جرم میں قید کر دیا۔ شاعر نے پروفیسر براؤن کو مرضی لکھی اور مدد چاہی۔ ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً سروزلے کو خط لکھا کہ جس طرح ممکن ہو شاعر کو چھڑا دو، یہ سمجھو کہ براؤن کا بیٹا قید ہو گیا ہے

اور دستگیری کا وقت ہے - سرولزلے کہتے تھے کہ شاعر کے جرم میں مطلق شبہ نہ تھا۔ لیکن براؤن کی محبت کو دیکھ کر مجھے شاعر کو بغیر رہا کرانے بن نہ پڑی - یہ محبت ہی تھی کہ اس فاضل نے ایران کی ادبیات کو اس خوبی سے سمجھا ہے - لیکن باوجود تبصرے کے کبھی کسی قسم کی لٹرانی اُن کی زبان سے نہیں سنی گئی - شبلی کی تالیف ”شعر العجم“ کے متعلق فرمانے لگے کہ ”یہ ایسے وقت لکھی گئی“ جب میں اپنی کتاب بہت کچھ لکھ چکا تھا - اور چونکہ یہ اردو میں لکھی گئی اس لئے اس کے مطالعے میں مجھے بے حد دقت پیش آئی - جب پروفیسر براؤن کے انکسار اور فضیلت کا مقابلہ ہندوستان کے علما کے مبلغ معلومات اور تعلی سے کیا جاتا ہے تو ان حضرات کے حال پر تاسف ہوتا ہے اور ان کی تنگ مائیگی پر غیر قوم والوں کے سامنے شرم آتی ہے -

غرض پروفیسر مرحوم بڑی خوبیوں کے ادنیٰ قہرے - ان کے اخلاق اُن کا علمی ذوق اور انہماک، اُن کی سادگی اور ان کا استقلال اور معنت یہ ایسی چیزیں ہیں جو نہایت قابل قدر ہیں -

انجمن نے جب ”تاریخ ادبیات ایران“ کے ترجمے کا تہیہ کیا تو میں نے ایک خط پروفیسر مرحوم کے نام لکھا اور ترجمے کی اجازت طلب کی - تو انہوں نے

میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ ذاتی طور پر بہت خوش ہوں کہ اس کا ترجمہ اردو میں ہو جائے لیکن اس میں مجھے شبہ ہے کہ قانونی طور پر میں اس کی اجازت دے سکتا ہوں یا نہیں ۔ اس معاملے کا تعلق میرے ناشر (پبلشر) سے ہے آپ ان سے مراسلت کیجئے ۔ اب ان کی عنایت اور شرافت کو ملاحظہ کیجئے کہ اس سے قبل کہ میں صاحب مطبع کو لکھ کر اجازت طلب کرتا اسی ہفتے ان کا دوسرا خط پہنچا کہ میں نے اس بارے میں مسٹر فشر ان ون ناشر ٹائیٹل ادبیات ایران سے گفتگو کی ، انہوں نے بخوشی اردو ترجمے کی منظوری دیدی ہے ۔ اس پر پروفیسر مرحوم نے مسرت کا اظہار کیا کہ اس بارے میں ناشر کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ۔ یہ مرحوم کی ذاتی کوشش کا نتیجہ تھا کہ ناشر نے بغیر کسی معاوضے کے ترجمے کی اجازت دیدی ۔ یہ دونوں خط بطور یادگار کے شایع کئے جاتے ہیں ۔ پہلے خط میں انہوں نے اپنی تصانیف نیز وہ کتابیں جو ان کی نگرانی میں طبع ہوئی ہیں ، ہدیتاً انجمن کو دیئے کے لئے لکھا ہے ۔ ان کی یہ عادت ہے کہ وہ اہل علم اور علمی انجمنوں کو اپنی یہ کتابیں مفت عنایت فرماتے تھے ۔ یورپ کا کوئی دوسرا عالم اس قسم کی فیاضی کا مرتکب نہیں ہو سکتا ۔ دوسرے خط میں انہوں نے پروفیسر محمد شفیع کا ذکر فرمایا ہے جو اس زمانے میں کیہبرج میں تھے ۔

باب اول

تمہیدی

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے، یہ تاریخ تو ہے لیکن اُن شاہی خاندانوں کی تاریخ نہیں ہے جنہوں نے ایران میں حکومت کی اور نہ اُن سلاطین کی جو ان خاندانوں میں پیدا ہوئے، بلکہ یہ تاریخ ہے اہل ایران کی اور کہالات علمی اس کا نقطۂ موضوع کتاب | خیال ہے، یا یوں کہئے کہ یہ کتاب ایک کوشش ہے ایرانیوں کی ذہنی خصوصیات کا نقشہ کھینچنے کی۔

ذہنی خصوصیات سے مراد ہے احساسات مذہبیہ، کیفیات دماغیہ اور جذبات لطیفہ، جو خود اہل ایران کی تصانیف میں اور اگر ان میں نہیں تو ان کی ہمسایہ اقوام کی کتابوں میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کتاب خالص فارسی ادب کی تاریخ نہیں ہے کیوں کہ ایک طرف تو اس کتاب کو اُن ادیبوں سے کوئی سروکار نہیں جنہوں نے اپنی تصنیفات میں گو فارسی زبان کو خیالات کا آئہ بنایا مگر خود ایرانی نژاد نہ تھے اور دوسری طرف اس میں اُن تصانیف سے بحث کی گئی ہے جو اگرچہ غیر زبان میں ہیں مگر ایرانیوں کی طبع زاد ہیں،

مثلاً اہل ہندوستان نے فارسی زبان میں کثرت سے کتابیں لکھیں لیکن اس بنا پر کہ وہ ایرانی دل و دماغ کا عکس نہیں ہم نے ان کو بالائے طاق رکھا ہے۔ اسی طرح مگر اس سے ذرا کم درجے پر ترکوں کے متعدد فرقوں نے اپنے خیالات کو فارسی کا لباس پہنایا مگر اُن کا فارسی علم و ادب بھی ہماری بحث سے خارج ہوگا۔ برخلاف اس کے اہل ایران اسلامی فتوحات کے آغاز یعنی کچھ اوپر بارہ سو برس سے اپنی مادری زبان کو تقریباً بھلائے بیٹھے ہیں اور اس کی جگہ عربی کو بعض علوم بالخصوص فلسفہ اور دینیات میں استعمال کر رہے ہیں۔ مزید برآں عربوں کے حملہ اولیں کے بعد کامل دوسری تک فاتحین کی عربی زبان ایرانیوں کی علمی زبان بنی رہی: البتہ وہ فرقہ جو ہنوز زرتشت کے قدیم اور قومی مذہب کا پابند تھا عربی سے اپنا دامن بچا تا رہا۔ ان دو صدیوں میں وقتاً فوقتاً جو ادب کہ بزبان عربی وجود میں آیا اس کو قلم انداز کرنا گویا ایرانی دماغ کی نہایت اہم جلوہ گری سے نظر بچا نا اور ایران کی فہیم و طباع قوم کے ذہنی کارناموں کا غلط اندازہ کرنا ہے —

لفظ پرشین (ایرانی) جس مفہوم کے ساتھ ہماری زبان، یونانی، شامی، اور اہل عرب وغیرہ کی زبان پر رہا وہ اس کے اصلی مفہوم سے کہیں وسیع ہے، 'پرشینز' (اہل ایران)

اپنے آپ کو ایرانی اور اپنے ملک کو ایران* کہتے ہیں۔ خطۂ پارسہ جو یونانیوں میں (پرسس) اور اس وقت فارس کہلاتا ہے ایران کے متعدد صوبوں میں سے صرف ایک صوبے کا نام ہے لیکن رفتہ رفتہ اس صوبے کا ایرانی نام فارس خود ملک اور اہل ملک

* ایران ”اے دان“ جو اِستامہوں بشکل ”اے دیانہ“ ملتا ہے اے دی انز (”اری یا“ ”اے دیا“ اِستامہ میں اور سنسکرت میں ”آریا“) کا ملک ہے اور اس کا مفہوم لفظ ”پر شہا“ کے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے۔ پرشیا معنوں کے لحاظ سے لفظ ”ایران“ کے صرف موجودہ معنوں کے برابر ہے۔ قدیم معنی کے اعتبار سے ایران میں ہن بکتریا (بلخ) سغدیانہ (سغد) اور خوارزم بھی شامل تھا اور کرد و افغان قومیں ایرانی کہلاتی تھیں۔

† عربی زبان میں پ کی آواز بالکل مفقود ہے اور پ کا کام ف سے لیا جاتا ہے۔ چنانچہ فارس، اصفہان وغیرہ پارس اور اسپہان سے معرب کر لئے گئے ہیں۔ اسم صفت ”فارسی“ (یا پارسی) سے ایران کی سرکاری زبان مراد ہے (ساتھ میں یہ ایران کے ایک بڑے حصے کی اسی طرح مادری اور قومی زبان ہے جس طرح انگریزی برطانیہ اور آئرلینڈ کے باشندوں کی ہے) اور اس لحاظ سے ”فارسی“ لفظ ”ایرانی“ کے مساوی ہے۔ لیکن اگر صفت ”فارسی“ شخص کے ساتھ استعمال کی جائے تو اس کے معنی صوبہ فارس کا باشندہ ہوں گے۔ ہندوستان میں پارسی اس شخص کو کہتے ہیں جو ایران کے قدیم یا زرتشت مذہب کا پیرو ہو اور اس نئے مفہوم کے ساتھ یہ لفظ ہندوستان سے ایران واپس پہنچا۔ بعض یورپین مصنف فارس کو فارستان کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ ترکیب غلط ہے کیوں کہ استان (جگہ، مقام) صرف کسی قوم کے نام کے ساتھ بڑھایا جاتا ہے جس سے اس قوم کے ملک کا نام نکل آتا ہے مثلاً افغان سے افغانستان بلوچ سے بلوچستان۔ قوم کی جگہ ملک یا صوبے کے ساتھ استان کا اجتماع بے معنی ہے۔

لفظ پرشین کے
اصلی معنی

پر جن کو ہم پرشین کہتے ہیں اطلاق پانے
لگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس صوبے کی خاک
سے دو مشہور خاندان پیدا ہوئے، ایک تو
چھٹی صدی قبل مسیح میں جس کا نام ہخامنشی (اے کی
می نی آن) تھا، اور دوسرا (ساسانی) حضرت عیسیٰ کے تین سو
برس بعد۔

یہ دونوں خاندان برے زبردست تھے۔ مہالک یورپ
میں ان کے نام کی دھوم اور ان کے اسلحہ کی دھاک تھی۔
ایران میں ایک صوبے کا نام پورے ملک اور اہل ملک کا
نام اسی طرح ہو گیا جس طرح انگلستان میں فرقہ اینگل کے
نام پر جس کی تعداد سیکسن لوگوں سے کم تھی، ملک کا نام
انگلینڈ رکھا گیا اور وہ تھام معافی وجود میں آگئے جن پر
لفظ انگلش دلالت کرتا ہے۔ تھام معلوم ہے کہ اینگل، سیکسن
اور جوت، تین فرقوں کی آمیزش سے انگلستان میں ایک
قوم بنی یعنی انگریز اور صوبجات نارتھم بریا، سرسیا اور
وے سیکس کی تین زبانوں سے مل کر ایک زبان پیدا ہوئی
یعنی انگریزی۔ بس اسی طرح ایران میں بھی اضلاع پارٹھیا،
میدیا اور فارس کے باشندے جب رفتہ رفتہ آپس میں شیرو
شکر ہوئے تو ایرانی پیدا ہوئے اور جب ان تینوں کی ملتی
جلتی بولیاں باہم پیوست ہوئیں تو فارسی زبان عالم ظہور

* اسٹریبو ۵۱، ۷۲۳۔ اسٹریبو ایک مشہور یونانی مورخ
سیاح اور جغرافیہ نویس تھا۔ سنہ ۵۴ ق م میں پیدا ہوا اور
سنہ ۲۴ ع میں فوت ہوا۔

میں آئی۔ چنانچہ جس زمانہ میں استریبو * ہوا ہے تو ملک کی زبان تقریباً ایک ہو چکی تھی —

اس حساب سے جدید فارسی یعنی فارس کی زبان اس زبان کی اولاد ہے جسے دارا اور سائی رس بولتے تھے اور جس میں ان بادشاہوں کے حکم سے بے ہی ستون (موجودہ بے ستون) اور نقش رستم کی چٹانوں استخر کے شاہی ایوانات کی دیواروں اور ستونوں پر اعلانات کندہ کئے گئے تھے۔

دور ہخامنشی
✓ کی زبان

ہخامنشی مسند آراؤن کے یہ کتبے (جنہوں نے سنہ ۵۵۰ ق م سے سنہ ۳۳۰ ق م تک حکومت کی اور جن کے تاحدار دارائے آخر کو سکندر اعظم نے شکست دیکر سلطنت ایران کو تہ و بالا کیا) تعداد میں اس قدر کافی اور پڑھنے میں اس قدر صاف ہیں کہ ہم باسانی پتہ لگا سکتے ہیں کہ ایران کی زبان آج سے چوبیس سو برس پہلے کیا تھی —

فارسی زبان کے کتبوں کا سلسلہ چونکہ نہایت ہی قدیم زمانے سے شروع ہوتا ہے اس لئے بد قسمتی سے وہ مسلسل نہیں

ہے۔ ہخامنشی عہد سے اس وقت تک کے کتبات کو اٹھا کر دیکھیں تو ان کا سلسلہ توڑتا ہوا ہے

موقعی وہ ہیں جبکہ بیرونی حملوں نے ایرانی تاج کے جواہر نوچ کر پھینک دیئے اور ایرانیوں کو حاکم سے محکوم بنا دیا۔ پہلا مقام جہاں کتبوں کا سلسلہ شکستہ ہے سکندر اعظم کی یورش سے شروع ہوتا ہے اور پارٹھیوں

(ملزک طوائف) کے زوال پر ، جس کا باعث خاندان ساسان تھا ختم ہوتا ہے ۔ توڑتے ہوئے سروں کے درمیان تقریباً پانسو پچاس برس کا فرق ہے یعنی تین سو تیس قم سے لیکر در سو چھبیس عیسوی تک ۔ دوسرا مقام جہاں یہ سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا ہے عربوں کا حملہ اور مسلمانوں کی فتح ایران ہے جس نے ساسانی خاندان کو نیست و نابود اور دین زرتشت کو پا مال کر دیا ۔ گو کہ ایران میں عربوں کا قیام کم زمانہ تک رہا مگر انہوں نے خود اہل ایران ، ان کے خیالات ، اور ان کی زبان پر جس قدر گہرا اور پائدار اثر ڈالا وہ یونانی اثر سے کہیں زیادہ ہے ۔ چنانچہ فولدیکمی کا قول ہے کہ

”یونان کا اثر ایرانی معاشرت کی صرف سطح پر

نوٹ نہ رہا ، بر خلاف اس کے اسلام کا کلمہ توحید اور

عربوں کے طور طریقے ایران کی رگ و پے میں اتر گئے “

دیگر واقعات بالخصوص خسرو پروزیز کے عہد میں سنہ

۶۰۲ - سنہ ۶۱۰ ع ! جنگ ذوقار اگرچہ ایران میں فتوحات

عرب کا پیش خمیہ تھی مگر دراصل یہ فتوحات (سنہ ۶۳۵ -

۶۳۶ ع میں) بویب اور قادسیہ کے معر کون سے شروع ہوتی

ہیں اور ساسانی خاندان کے آخری تاجدار یزد گرد سوم

کی وفات کے ساتھ ، جو ۶۵۱ یا ۶۵۲ سنہ عیسوی میں واقع

ہوئی ، تکمیل کو پہنچتی ہیں ۔ یہ کہ دور عربی ایران پر

دب تک چھایا رہا صحیح صحیح تو نہیں بتایا جا سکتا ، ہاں

ایک طرح سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ سنہ ۱۲۵۸ ع تک سانس

لیتارہا جب کہ چنگیز خان کے پوتے ہلاکو کی سرکردگی میں مغلوں نے بغداد کو تاراج اور خلافت عباسیہ کے آخری سربراہ آرا مستعصم بالغہ کو قتل کیا۔ لیکن عربوں کی حقیقی طاقت سنہ ۱۲۵۸ع سے کہیں پہلے ایرانی اور تورک باجگزار اُسرائ کے ہاتھوں میں جاچکی تھی۔ خلیفہ برائے نام رہ گیا تھا، اس کی حکومت اور وہ بھی صرف مذہبی لحاظ سے ذوالحجہ بغداد تک محدود تھی۔ اُسرائ اُمروں کو اس کو ایک قیامی یا ہستیء معدوم سمجھتے تھے لیکن ضرورتاً کبھی کبھی منت سماجت سے اس کو منہ لیا کرتے تھے۔ الغرض ادھر تو ایران کے صوبے خلیفہ کے ہاتھ سے نکلے اور مقامی اُسرائ کے خاندانوں نے علم خود مختاری اٹھایا اور ادھر فارسی زبان نے عربی زبان کی حکومت کا جوا اُتار کر پھینک دیا۔ ان خاندانوں میں بعض اوقات سب سے پہلا خاندان طاہریہ ۸۲۰ع / شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن صحیح طور پر دیکھا جائے تو سب سے پہلے سنہ ۸۶۷ع میں خاندان صفاریہ نے اپنے آپ کو آزاد کیا، اس کے بعد سنہ ۸۰۳ع میں سامانیہ نے؛ پھر سنہ ۹۳۲ع میں بویہ اور سب کے بعد فرمانروایان غزنویہ اور سلجوقید نے جن کے عہد میں مطلق العنانی اور آزادی کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی۔ واتعات بالا کے لحاظ سے فارسی زبان کو تین دوروں میں جو ایک دوسرے سے صاف طور پر علیحدہ ہیں، تقسیم کر سکتے ہیں، وہ دور یہ ہیں:—

فارسی کی	(۱) دور ہخامنشی (سنہ ۵۵۰-۳۳۰ ق م)۔ اس دور
عہد	کے صرف پیکانی کتبے باقی ہیں جن پر احکامات
بعہد ترقی	و اعلانات سلطانی کندہ ہیں۔ یہ کتبے اگرچہ

طویل عبارت ہیں مگر رسم الخط اور طرز بیان میں یکساں اور ۴۰۰ الفاظ پر مشتمل ہیں *۔ خالص ان کتبوں کی زبان فارسی قدیم | بالعموم فارسی قدیم کہلاتی ہے †

(۲) در ساسانی (سنہ ۲۲۶-۶۵۲ ع) اس عہد کی زبان کا پتہ دو طریق پر لگایا گیا ہے، ایک تو کتبوں سے جو آثار قدیمہ اور یاد گاروں پر کندہ ہیں، 'نہغوں سے' مہر کے نگینوں سے، جواہرات اور سکوں سے۔ دوسرے ان مرقومات سے جو حجم میں کم و بیش عہد عتیق ‡ کے برابر ہوں گے۔ یہ مرقومات

* دیکھو دارمشتھٹر کی کتاب "ایرانی علوم" جلد اول صفحہ ۷۔

† ان کتبات کی بہترین ایڈیشن دوہوں - ایک کو 'کاسوچ' نے (سینٹ پیٹرزبرگ سنہ ۱۸۷۲ ع) اور دوسرے کو 'اشپیگل' نے (لیپ زگ سنہ ۱۸۶۲ ع میں) شایع کیا ہے۔ اول الذکر میں متن دو طرح پر دیا گیا ہے، اصلی ایرانی میخی حروف میں بھی اور رومن میں بھی اور ترجمہ لاطینی زبان میں ہے۔ آخر الذکر میں کتبوں کو صرف جرمن حروف میں نقل کر دیا ہے اور ان کا ترجمہ بھی جرمن میں ہے۔

‡ دیکھو ویسٹ کی کتاب "پہلوی ادب اور اس کی مقدار" پہلوی زبان اور اس کا زمانہ۔ صفحہ ۴۰۲، اسی مصنف کی دوسری تصنیف ادبیات پہلوی کا صاف اور مستند حال گائیڈ اور کہن کی تصنیف "اساس لسانیات ایران" جلد دوم صفحہ ۷۵ سے ۱۲۹ تک میں ملے گا۔ ویسٹ نے پہلوی ادب کے تین حصے کئے ہیں۔ پہلا حصہ اوستا کے بعض اجزاء کے ترجمہ پر مشتمل ہے جس کے (۱۴۱۰۰۰) الفاظ ہیں۔ دوسرا مباحثات مذہبیہ پر جس کی تعداد الفاظ ۴۶۶۰۰۰ ہے اور تیسرا غیر مذہبی موضوعات پر جس کے الفاظ (۴۱۰۰۰) ہیں۔ ۱۴ الفاظ کی میزان تقریباً (۶۲۸۰۰۰) ہوتی ہے۔

فارسیء متوسط قریب قریب خالصاً زرتشتی ہیں، مبحث ان کا
یا پہلوی مذهب اور آداب عبادت ہے، ان کی زبان کو

فارسیء جدید کی فقط ایک انتہا درجہ قدیم صورت سمجھنا
چاہئے، بشرطیکہ ادھر جدید فارسی کو عربی الفاظ و تراکیب
سے خالی کر دیا جائے، ادھر ہزواریش یا زوارش نام کے عجیب
و غریب رسم الخط سے الگ کر لیا جائے۔ اس کو پہلوی یا بعض
وقت فارسیء متوسط کے نام سے پکارتے ہیں۔ غور سے دیکھیں
تو لفظ پہلوی بہ نسبت زبان کے طرز کتابت پر زیادہ چسپان
ہوتا ہے، لیکن رواج عام کی تقلید میں ان کتابوں کی زبان
کو ہم بھی لفظ پہلوی کو ساسانی دور کی سرکاری زبان کے
معنوں میں استعمال کریں گے۔ یہ پہلوی خط عربوں کی فتح
ایران کے بعد ایک صدی سے زیادہ تک ابتدائی خلفا نیز
طبرستان کے خود مختار حاکموں (سپاہیت یا اسپہبد) کے
سکوں میں رائج رہا، پھر کم از کم اور ایک صدی تک ایران کے
زرتشتی اسی زبان میں کتابیں لکھتے رہے، لیکن آخری تصنیف
جو اس زبان میں ہوئی اس کاسن نویں صدی عیسوی سے آگے نہیں

* ویسٹ کا خیال ہے کہ دتن کرت، بلذہش اور آردہ وراف
نامک نویں صدی عیسوی میں تالیف ہوئی تھیں (کتاب مذکور
صفحہ ۴۳۳-۴۳۶ اور اوستا کے تراجم میں جتنے مفسرین کا
ذکر آیا ہے اس کی رائے میں محال تھا کہ ان میں سے غالباً ایک
نے بھی چھٹی صدی عیسوی کے بعد کچھ لکھا ہو لیکن
”ابحاث ایرانہ“ جلد دوم صفحہ ۶۹ میں پروفیسر دارمشتہتر
کہتا ہے کہ بہمن یشت کی تدوین سنہ ۹۹۰ء اور سنہ ۱۳۵۰ء
(باقی بر صفحہ آئندہ)

بڑھتا۔ بہر کیف عملاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلوی کو متروک ہوئے ایک ہزار سال کا زمانہ گزرا ہے۔

فارسی جدید (۳) دور اسلامی (از سنہ ۹۰۰ ع تا ایندم)۔ جس وقت ہم فارسیء جدید کا نام لیتے ہیں تو اس

سے ہماری مراد وہ فارسی ہوتی ہے جو عربوں کی فتح ایران اور اکثر ایرانیوں کے قبول اسلام کے بعد ملک میں دو بارہ رائج ہوئی۔ آخری زمانے کی پہلوی اور ابتدائی زمانے کی جدید فارسی میں عربی الفاظ کے علاوہ جو آخرالذکر میں پائے جاتے ہیں، اگر کوئی فرق ہے تو صرف خط کا ہے اور ایران میں اس دور انقلاب یعنی نویں صدی عیسوی میں تبدیل خط کا باعث مذہب ہوا۔ مشرق میں آج تک یہ عجیب دستور چلا آتا ہے کہ مذہب کے ساتھ زبان کو اتنا وابستہ نہیں سمجھتے جتنا کہ حروف یا طرز تحریر کو۔ شام کے عیسائیوں کو دیکھو کہ زبان تو اُن کی عربی ہے لیکن اپنی تحریروں کو لکھتے ہیں سریانی حروف میں اور اسی کو اچھا سمجھتے ہیں۔ یہ خط ”کرشونی“ کہلاتا ہے اور اس میں جو تصنیفات ہوئی ہیں اُن کی تعداد کثیر ہے۔ یہی حال ترکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹)

کے اندر اندر ہوئی۔ گنجستک ابالش ایک دلچسپ کتاب ہے، اس کو اے بارتھلمیسی نے سنہ ۱۸۸۷ع میں بمقام ’پیرس ترجمہ اور مرتب کیا۔ اس کتاب میں ایک پارسی دستور اور ابالش ملحد کا مناظرہ درج ہے، جو خلیفہ مامون کے (سنہ ۸۱۳ سے سنہ ۸۳۳ع) روبرو ہوا تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بظاہر یہ کتاب نویں صدی عیسوی سے قبل کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔

بولنے والے یونانیوں اور آرمینیوں کا ہے کہ اُن کی مادری زبان تو ترکی ہے لیکن جب وہ ترکی لکھتے ہیں تو یونانی اور آرمینی حروف میں - اسی طرح ایران کے یہودی جن کی فارسی تصنیفات کثرت سے ہیں لیکن تحریرات میں عبرانی حروف سے کام لیتے ہیں - برخلاف ان کے، اسپین کے وہ مور جو عربی کو صفحہٴ ذہن سے بالکل مٹا چکے تھے ہسپانوی زبان کے رسالوں کو عربی حروف میں لکھتے تھے*۔ مگر ایشیائی نگاہ میں پہلوی خط کو تعلیم زرتشت سے جو تعلق تھا وہ اس سے کہیں زیادہ تھا جو عربی حروف اور دین اسلام کے درمیان قایم کر لیا گیا تھا۔ اور جب کوئی زرتشتی داخل اسلام ہوتا ترک پہلوی کے اسباب | تو وہ عموماً پہلوی خط کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیتا۔ نہ صرف اس سبب سے کہ پہلوی

رسم الخط حد درجہ مشکل و مبہم تھا بلکہ اس سے کفر کی بو آتی تھی۔ اس کے سوا جس زمانے میں پہلوی حروف تحریر میں استعمال ہوتے تھے تو غالباً عام لوگ نوشت و خواند کے زیور سے محروم تھے۔ لکھنا پڑھنا صرف مذہبی مگویت†، دستور‡ (مقتدایان مذہب) اور پیشہ ور دپیرون یعنی کاتبوں کے قبضے میں تھا۔ دستورِ زمانہ سے بچ کر پہلوی کے تین

* کہتے ہیں کہ الہختر از پہار کی وادیوں میں جو کسان آباد ہیں، وہ آج تک اپنے عشقہ خطوط میں ایک قسم کا بگڑا ہوا عربی خط استعمال کرتے ہیں۔

† مغ ‡ و دستور

افسانے یا تاریخی ناول جو ہمیں ہم تک پہنچے ہیں *۔ ان میں سے ایک کا نام کارنامک ارتھ شیرپاؤگان ہے یعنی اردشیر ابن پاپک کے کارناموں کی کتاب ہے جو ساسانی خاندان کا بانی تھا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اردشیر اعلیٰ تعلیم کے قابل ہوا تو اُس نے کتابت شہسواری اور دیگر کمالات میں وہ ملکہ حاصل کیا کہ فارس کے طول و عرض میں اُس کے نام کی شہرت ہو گئی۔ فاضل طبری† کی

* دیگر تالیفات میں ایک تو ”کتاب زیر“ ہے اور دوسری ”قصہ خسرو کوادان اور اس کا خواص“۔ اول الذکر کو گانگر نے ”روئداد جلسہ شعبہ فلسفہ لسانیہ و تاریخیہ“ بابت ۱۸۹۰ء میں ترجمہ کیا ہے اور نویلڈکی نے اُس پر ”جمیعة المشقیہ (جرمنہ)“ جلد ۲۶ صفحہ ۱۳۶ - ۱۳۵ (۱۸۹۲) میں تنقید کی ہے نیز دیکھو ”وائٹاک رائٹل اکاڈمی کی روئداد جلسہ شعبہ فلسفہ تاریخیہ“ جلد ۱۲۶ صفحہ ۱ - ۱۲ میں نویلڈکی کا مضمون —

+ پروفیسر نویلڈکی اسٹراسبرگ کی نے جرمنی زبان میں اس کا ترجمہ کر کے پروفیسر بین فے کے خطاب ڈاکٹر کے پچاسویں سال کی تکمیل کے موقع پر اس کو ”مضامین علم السنہ ہندو جرمنی“ جلد چہارم کے علاوہ ایک مستقل رسالہ (گٹن جین ۱۸۷۹) کی شکل میں بھی شائع کیا ہے، ہمارا حوالہ اسی رسالہ (صفحہ ۳۸، ۳۹ اور حاشیہ نمبر ۳ صفحہ اول الذکر) سے متعلق ہے۔ پہلوی کا متن اصل اور رومن حروف میں مع ترجمہ گجراتی مرتبہ کیقباد آذرباد نوشہرواں ۱۸۹۹ میں بمقام بمبئی طبع ہوا ہے —

† دیکھو انسائیکلو پیڈیا کی نہم ایڈیشن اس میں طبری (اصل نام ابو جعفر محمد بن جریر متوطن آمل علاقہ طبرستان، سن ولادت عیسوی ۸۳۹ء سن وفات عیسوی ۹۲۳ء) پر ایک تفہیم مضمون موجود ہے۔ طبری کی ایک ضخیم اور افسوس تاریخ کو لیدن کے پروفیسر (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

تاریخ میں بھی ارد شیر کے بیٹے اور جانشین شاپور کا حال پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ”در پهلوی“ میں کتابت کا سیکھنا کس قدر مشکل تھا۔ طبری لکھتا ہے ”جب شاپور اُس مقام پر پہنچا جہاں وہ شہر ”جندے ساپور“ کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا تو اُس کو ”بیل“ نامی اک پیر مرد ملا۔ شاپور نے اُس سے پوچھا: ”کیا میں اس مقام پر شہر آباد کر سکتا ہوں؟“ پیر مرد نے کہا: ”اگر میں اس بڑھاپے میں لکھنا سیکھ سکتا ہوں تو تجھ کو بھی اجازت ہے کہ یہاں شہر آباد کر لے۔“ اس کا مطلب جیسا کہ نولدکی نے بیان کیا ہے یہ تھا کہ بڑھاپے میں کتابت کا سیکھنا اور اس جگہ نئے شہر کی بنیاد ڈالنا دروز باتیں ناممکن ہیں (گو کہ بالآخر اُس بدھے کا خیال غلط نکلا)۔ مختصر یہ کہ پهلوی خط اس قدر مشکل تھا کہ ایک فرانسیسی کی مشہور تعریف نطق ”کہ گویائی اخفاے خیالات کا ایک فن ہے“ اُس پر خوب منطبق ہوتی ہے۔ حقیقتاً اُس میں کوئی خاص بات نہ تھی بلکہ وہ زبان کا ایک عجیب

(بقیہ حاشہ صفحہ ۱۲)

دے خریہ اور دیگر ممتاز ماہران عربی نے چھپوا کر ایک مہتمم بالشان کام کو انجام دیا ہے۔ علوم مشرقیہ کا یہ ایک تازہ اور زبردست کارنامہ ہے۔ تاریخ طبری کے اوس حصے کو جسمیں دور ساسانی سے بحث کی گئی ہے۔ پروفیسر نہیادی نے جرمنی زبان میں ترجمہ کر کے سنہ ۱۸۷۹ء میں بمقام لیڈن شائع کرا دیا ہے۔ ترجمے کے ساتھ مترجم نے نہایت قیمتی مقدمہ بھی لکھا ہے۔ مشکل مقامات کی تشریح بھی دی ہے اور ضمیمہ بھی۔ اس ترجمے کا نام ”تاریخ اہل ایران و عرب بعد حکومت سلاطین ساسانیہ“ ہے۔ اس کے صفحہ ۴۱ میں شاپور کا قصد تفصیل کے ساتھ درج ہے۔

گورکھ دھندا تھا۔ اگر اس کو حمایت مذہب۔ دستور قدیم اور کت ملائی استبداد سے محروم کر دیا جاتا تو اُس کے قرام میں اتنا ثقت نہ تھا کہ عربی کے سہل القراءت اور آسان حروف کا مقابلہ کر کے اپنا وجود قائم رکھ سکتا۔ خصوصاً جب کہ ایک مسلمان کو عربی حروف سے واقف ہونا لازمی تھا۔ بایں ہمہ یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ پہلوی زبان کی خصوصیت جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ صرف رسم الخط کی خصوصیت تھی۔ ورنہ نویں صدی عیسوی میں اگر ایک پارسی دستور کسی پہلوی کتاب کو باراز بلند اپنے ہم عصر مسلم ایرانی کو پڑھکر سناتا تو وہ اُس کو تھام و کھال سمجھ لیتا۔ یا اگر دستور کے پڑھتے پڑھتے مسلمان اُس کو عربی حروف میں لکھتا جاتا تو اس کی قدیم ترین صورت ہوتی، البتہ عربی الفاظ اس میں نہ ہوتے۔ فی الحقیقت جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے، ساسانی دور سے لیکر اب تک فارسی زبان میں اس درجہ معمولی تغیرات ہوئے ہیں کہ اگر آج کل کسی تعلیم یافتہ ایرانی کو دفعۃً چودہ یا پندرہ صدی پیچھے لے جانا ممکن ہوتا تو غالباً وہ بہت کچھ سمجھ لیتا کہ اُس کے اہل وطن کیا باتیں کر رہے ہیں۔ بخلاف اس کے فارسی قدیم اور پہلوی میں عظیم الشان فرق ہے۔ اردشیر جو ساسانی عہد کا اول بادشاہ تھا، اور اپنے کمالات کے باعث ”فارس کے طول و عرض میں بڑی شہرت رکھتا تھا“ اُلٹے پاؤں سفر کر کے چھ صدی پیچھے ہٹتا اور ہخامنشی درباروں میں جاگھستا تو اس کی سمجھ میں ایک حرف نہ آتا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔

ادبیات جدید کی تاریخ آغازِ پردہٴ حجاب میں ہے، اُس کا
 نہ کوئی دن معین کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی سن۔ غالباً
 جدید فارسی | نو مسلم ایرانیوں میں عربی حروف کا رواج تو
 ادب کا آغ. ز | فتوحاتِ عرب کے بعد ہی، یعنی آٹھویں صدی

میں ہو گیا تھا۔ اس کی ابتدا اس طرح سے ہوئی ہوگی کہ
 نو مسلم ایرانی اپنی یادداشتیں عربی حروف میں ٹانک لیا
 کرتے ہوں گے۔ اُس کے بعد شعائرِ اسلام پر چھوٹے موٹے رسالے مرتب
 کئے گئے ہوں گے۔ متقدمینِ ادبائے عرب کے صفحات میں جا بجا
 فارسی نثر | فارسی اقوال اور مختصر بیانات ملتے ہیں، جن سے
 کم از کم یہ ثابت ہوتا ہے کہ ساسانیوں کے آخری

اور مسلمانوں کے شروع زمانے کی قطعاً وہی فارسی ہے جو ادبیات
 جدید کے ابتدائی مرقومات میں نظر آتی ہے۔ کتابوں کے سب
 سے قدیم نمونے جو اب تک معدوم ہو سکے ہیں، یہ ہیں:—

(۱) [فارسی ترجمہ تاریخ طبری] اس کو وزیر بلعی نے سنہ
 ۹۹۳ ع میں اپنے فرماں روا منصور اول سامانی کے لئے عربی سے
 فارسی میں ترجمہ کیا تھا —

(۲) [کتاب الا بنیہ عن حقائق الادویہ] از ابو منصور مرفق
 بن علی ہر دی۔ یہ کتاب بھی مربیٰ علوم منصور اول کے واسطے
 لکھی گئی تھی۔ اس کا ایک نایاب قلمی نسخہ جو سنہ ۱۰۵۵ عیسوی
 میں لکھا گیا تھا اور رائڈا میں موجود ہے، سنہ ۱۸۵۹ ع میں
 زیلگ مان نے اس کو فہایت خوبصورت طور پر چھپوایا ہے۔

(۳) [تفسیر القرآن جامد دوم *] یہ کتاب بھی تقریباً اُسی زمانے کی تصنیف ہے۔ کیمرج یونیورسٹی لائبریری میں اُس کا نسخہ موجود ہے (نمبر ایم ایم ۱۵۴)۔ اہل نظر نے عام طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ عربی کی مانند فارسی میں بھی نظم کا ظہور نثر سے پہلے ہوا۔ ایک روایت جس کو متعدد عجیبی تذکرہ نویسوں مثلاً درات شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے فارسی نظم | یہ کہتی ہے کہ بہرام گور ساسانی (۴۲۰-۳۸۰ع) اور اُس کی معشوقہ دل آرام + درنوں نے مل کر فارسی کا پہلا شعر ایجاد کیا۔ ایک دوسری روایت سے جو بارہویں صدی کے اہل قلم ابو طاہر خاتونی کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے، پہلا شعر یہ ثابت ہوتا ہے جو خسرو پرویز (۵۹۰-۶۲۸ع) کی محبہ ربہ شیرین کے مسئلہ قصر شیرین کی دیواروں پر کندہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ دسویں صدی میں عضدالدولہ بویہ کے عہد میں بھی وہ صاف صاف پڑھا جاسکتا تھا +۔ ایک اور روایت ہے کہ فارسی نظم کی پہلی تصنیف وامق و عذرا کی دل آویز

* دیکھو ہمارا مضمون ”فارسی میں ایک پرانی تفسیر“ یہ سنہ ۱۸۹۴ع ۵ جولائی کے جرنل رائل ایشیہ تک سوسائٹی صفحہ ۱۷۴-۱۷۵ میں ملے گا۔ نیز کیمرج یونیورسٹی کی فہرست مخطوطات صفحہ ۱۳ سے ۳۷ تک جو راقم نے مرتب کی ہے۔

+ دیکھو دولت شاہ مرتبہ راقم صفحہ ۲۸-۲۹ فیز بلاک مبن کی کتاب موسومہ ”ایرانیوں کا علم عروض صفحہ ۲ اور دارمشتہتر کی ”فارسی نظم کی ابتدا“ کا صفحہ اول۔

+ کاظمیہ سکی کامرتبہ دیوان منوچہری (سنہ ۱۸۸۶ع مطبوعہ دیرس) کے صفحہ ۷ اور تذکرہ دولت شاہ صفحہ ۲۹۔

داستان ہے۔ دانشہندان عجم نے فرشیروان (۵۳۱-۵۷۵ ع) کے لئے اُس کو لکھا اور اُس کے نام سے۔ جنہوں نے لکھا۔ جب یہ کتاب امیر عبد اللہ بن طاہر، المتوفی سنہ ۸۴۴ ع کے سامنے پیش کی گئی تو امیر نے حکم دیا کہ اُسے تلف کر دیا جائے اور کہا ایک سچے مسلمان کے لئے قرآن و حدیث کافی ہیں، یہ تصنیف کسی آتش پرست کی ہے اور ہمارے نزدیک مردِ ردیہ*۔ یہ بحث یہاں بھی ختم نہیں ہوتی، دہلیت شاہ ایک اور قصہ بیان کرتا ہے کہ سلسلۂ صقارہ (سنہ ۸۶۸ - سنہ ۸۷۸) نے ہانی و معتزک ابن لیث صقار کا ایک کہسن بچھہ تھا، وہ ایک دن جدوز بازی میں مصروف تھا کہ جوش مسرت میں کچھہ کلمات اُس کے منہ سے نکلے جو موزوں تھے۔ بعض اسی کے فارسی شاعری کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ معتمد عرفی (۱۲۱۰-۱۲۳۵ ع) ان تمام روایتوں کو غلط ٹھہراتا ہے اور اپنی کتب تذکرۃ الشعراء†

* کاظمیہ سکی صفحہ ۷۰۶ اور دولت شاہ صفحہ ۳۰۰ - شایع کردہ کاظمیہ۔ مکی۔

† ملاحظہ ہو شدائرن کے ”تصاوید منوچہری“ مطبوعۂ پریس سنہ ۱۸۸۶ صفحہ ۷-۸ اور دولت شاہ مطبوعۂ راقم صفحہ ۳۰-۳۱۔

‡ یعنی ”لباب الالباب“ جو ایک بالکل نیا باب کتاب ہے؛ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے اُس کے صرف دو نسخے ملتے ہیں، جن میں ایک (اسپرنگر ۳۱۸) فہرست پیش نمبر ۶۳۷) کتب خانۂ برلن میں موجود ہے اور دوسرا لاقۃ کرافورڈ اور ہل کھرس کے قبضے میں تھا، ان دونوں صاحبوں کی فیاضی سے دوسرا نسخہ جو ڈرے بہا ہے ہمارے پاس آگیا ہے اور ہم اس فکر میں ہیں کہ اُسے ”تاریختی معین فارسی“ کے سلسلے میں شائع کریں۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

میں جو باعتبار قدامت سب سے پہلا تذکرہ ہے لکھتا ہے:
 کہ عباس مرّوزی کا قصیدہ فارسی کی سب سے پہلی نظم ہے۔
 یہ قصیدہ مامون رشید کی شان میں کہا گیا تھا جب کہ وہ
 سنہ ۹۰۹ ع میں مرو میں داخل ہوا تھا۔ بلکہ عوفی اس
 نظم کی چند ابیات بھی نقل کرتا ہے۔ گو کہ بعض
 مسلم اثبوت * اہل فن عوفی کے قول کو ایک تاریخی واقعے
 پر مبنی سمجھتے ہیں، مگر بعض لوگ اس پر شبہ کی نگاہ ڈالتے
 ہیں اور ہمارے نزدیک اُن کا شبہ بجا ہے۔ بلاخوت اب
 جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ خراسان میں فارسی
 ادب بالخصوص فارسی نظم کو دسویں صدی کے نصف اول
 اور خاص کر سامانی شہزادے نصر دوم (۹۱۳ - ۹۴۲ ع) کے
 عہد حکومت میں بہت کچھ فروغ ہو چکا تھا۔ یہ مدت
 تقریباً ایک ہزار سال پر پھیلتی ہے۔ اس عرصے میں فارسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷)

یہ نسخہ پہلے جون باردالوٹ کی ملکیت تھا، اُس سے
 نے تھ نی ال بلونڈ نے مستعار لیکر کتاب کے عنوانات اور حد
 موضوع کو جنرل رائل ایشیائٹک سوسائٹی (۱۸۴۶) جلد نہم
 صفحہ ۱۱۱ - ۱۲۶ میں بیان کیا، نیز دیکھو ”فہرست کتابخانہائے
 شاہ اودہ“ مرتبہ اسپرنگر صفحہ ۱ - ۶ —

* مثلاً دیکھو ڈاکٹر ایچے کا مضمون ”رود کی کے پیشرو اور
 معاصر“ (جو مجلد تحقیقات شرقیہ سنہ ۱۸۷۳ میں شائع ہوا تھا)
 نیز دیکھو مضمون ”ادبیات جدید فارسی“ جو کتاب ”فارسی
 زبان کی اصلیت“ گائیگرو کہن جلد دوم صفحہ ۲۱۸ میں
 شامل ہے —

† تیسٹا کازی موسکی کا دیوان ”منو چہدی“ صفحہ ۸ - ۹ —

زبان پر تبدیلی کا رنگ اس قدر ہلکا چڑھا کہ آج رودکی کا کلام ایک ایرانی کے لئے ایسا ہی آسان ہے، جیسا کہ شکسپیئر کا ایک انگریز کے لئے۔ باقی شعر کی ابتدا پر متعینان ادب نے جو کچھ خیال آفرینی کی ہے وہ تنقید پر ایک افسانہ بن کر رہ جاتی ہے اور بے وقعتی میں اُس کا مرتبہ وہی ہے جو طبری (متوفی سنہ ۹۲۳ ع) اور مسعودی (متوفی سنہ ۹۵۷ ع) جیسے محتاط مورخین کے اس خیال کا کہ دنیا کی سب سے پہلی نظم جناب آدمؑ کا مرتبہ ہے جو انہوں نے ہابیل کے قتل پر بزبان سریانی موزوں کیا تھا۔ ان حضرات نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس مرتبہ کا منظوم * ترجمہ بھی دے دالا ہے: —

تغیرت البلاد و من علیہا
و و جہ الارض مغیر قبیح
تغیر گل ذی طعم و لون
و قل بشاشة الوجه الہلیح
فوا اسفی علی ہابیل ابنی
قتیل قد تضمنہ الضریح
وجا ورنہ عدو لیس ینسی
لعین لا یہوت فلتسویح

* دیکھئے تاریخ طبی جلد اول صفحہ ۱۲۶ - مروج الذهب
مسعودی (مرتبہ بارلی ایر قے سی نارد) جلد اول صفحہ ۶۵ -
۶۷ قصص الانبیاء علی (مطبوعہ قاہرہ سنہ ۱۳۰۶ ھ) صفحہ
۲۹ - ۳۰ اور دولت شاہ (مرتبہ براؤن) صفحہ ۲۰

”دنیا اور دنیا کی سب چیزیں بدل گئیں
 زمین کی سطح پر خاک اُرتی ہے اور اُسپر
 افسردگی چھاؤنگی چیزوں کا مزہ اور رنگ پھیکا
 پڑ گیا اور اس خوبصورت چہرے کی خرابیاں
 ست گئیں۔ پیارے بیٹے ہابیل کی مورت پر
 افسوس رہ رہ رہا، قتل ہوا اور زمین کا
 پیوند ہرٹیا۔ وہ ناہنجار درگاہ ازدی سے
 مردود اور ہمارا پڑوسی ہے نہ تو ہمیں اسے
 بھول سکتے ہیں نہ وہ مرقا ہے نہ ہم کو
 چین آئے۔“

جب ابلیس نے یہ سنا تو تڑپ کر جواب دیا:—

تَذَخَّ عَنْ الْبَلَاءِ وَ سَاكُنِيهَا
 فَنفَى الْفَرْدَوْسَ ضَاقَ بَكَ الْفَسِيحُ
 وَ كُنْتَ زُرْجَكِ الْحَوَاءِ فِيهَا
 وَ آدَمَ مِنْ أَذَى الدُّنْيَا مَرِيحُ
 فَمَا زَالَتْ مَكَائِدَتِي وَ مَكْرِي
 لِي أَنْ فَاتَكَ أَنْتَ مِنْ الرِّبِيْعِ
 فَلَوْلَا رَحْمَةُ الرَّحْمَنِ أَضَعُ
 بِكَ مِنْ جَنَّاتِ الْخُلْدِ رِيحُ
 (مسعدی، دولت شاہ)

”دنیا اور اہل دنیا سے درر بہاگ، میں نے
 تاجہ کر مہشت سے نکالا، جہاں تو اور تیری
 بیوی حوا آرام سے مقیم تھے، تیرا دل بھک
 گیا تھا۔ تو نے دنیا کے آلام کی پردا نہ کی
 اور میرے دام میں آگیا۔ میں نے تجھ سے
 وہ گوہر نایاب چھین لیا جس پر تجھ کو
 ناز تھا۔ خدا کی رحمت نے تم کو بچا لیا

ورنہ باغ خلد کی بجائے تم باد بدست ہوتے“

مقالات بالا سے قطع نظر کر کے ہم ایک اور روایت کی طرف آتے ہیں۔ عجب فہمیں کہ فارسی نظم کی ابتدا پر اس سے کچھ روشنی پڑے، یہ روایت بار بد ترانہ گوکی بابت اور اس بار بد مطرب | لائق ہے کہ اُس پر متانت کے ساتھ غور کیا جائے۔
ساسانی
سنہ ۵۹۰ء
۶۲۷ء

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساسانی عہد میں فارسی نظم وجود میں آچکی تھی۔ روایت بار/بدی کو ہم دو سبب سے اہم سمجھتے ہیں، ایک تو یہ کہ اُس کا ذکر معتبر قدما* نے پے درپے کیا ہے اور دوسرے یہ کہ بار بد کا نام

- * عربی تصانیف میں بہلبد کا قدیم ترین حوالہ راقم نے خالد بن فیاض (قریب ۷۱۸ ع) کی ایک نظم میں دیکھا ہے، جسے ہمدانی، یا قوت اور قزوینی نے نقل کیا ہے اور جنرل رائٹل ایشیاٹک سوسائٹی بابت جنوری ۱۸۹۹ ع صفحہ ۵۹ - ۶۰ میں ترجمہ ہوا ہے، اُس کا کم و بیش حال ذیل کے ارباب قلم نے لکھا ہے:-
- (۱) ابن قتیبہ (المتوفی ۸۸۹ ع) عیون الاخبار (نسخہ موجودہ ایشیاٹک میوزیم سینٹ پیٹرس برگ نمبر ۶۹۱) -
- (۲) جاحظ (متوفی ۸۶۹ ع) کتاب الحیوان (نسخہ موجودہ کمبریج ڈبل کیو ۲۲۳) -
- (۳) ہمدانی (صاحب کتاب البلدان) (قریب ۹۰۳ ع) مرتبہ دخویہ (صفحہ ۱۵۸ و ۱۵۹) -
- (۴) جو غالباً بیہقی ہے مصنف کتاب المعاسن والاضداد (قریب ۹۲۵ ع) (مرتبہ فان فلوتن صفحہ ۳۶۳-۳۶۴) طبع مصر سنہ ۱۳۲۳، صفحہ ۲۳۶) -
- (۵) ابن عبد ربہ (متوفی ۹۳۰ ع) جلد اول صفحہ ۱۹۲ یا دوسرے ادیشن کا ص ۱۸۸
- باقی بر صفحہ آئندہ

عربی اور فارسی میں جس فرق کے ساتھ لکھا ہوا ملتا ہے ، اُس کی توجیہ اِس کے سوا مشکل سے ہو سکتی ہے کہ اِسی فام کی عربی اور فارسی دونوں صورتیں پہلوی صورت سے منقول ہیں۔ زوایت یوں ہے کہ خسرو پرویز ساسانی (سنہ ۵۹۰ - سنہ ۶۲۷ ع) کے ارباب کمال میں اک مطرب تھا ، جس کو ایرانی بار بد اور عرب بہلبد ، بلہبد یا فہلبد لکھتے ہیں۔ عربی کی پہلی اور تیسری صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسی کی اصل صورت پہلپت پیدا ہو گئی۔ بہلبد اور بار بد کو عربی میں لکھیں تو دونوں لفظ الگ معلوم ہوتے ہیں ، لیکن پہلوی خط میں لکھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱)

(۶) ابو فرج اصفہانی (متوفی ۹۵۷ ع) کتاب الاغانی - طبع ہانی جلد ۵ صفحہ ۵۴) -

(۷) یاقوت (متوفی ۱۲۲۹ ع) جلد سوم صفحہ ۲۵۰ وغیرہ -

(۸) قزوینی (متوفی ۱۲۸۳ ع) آثار البلاد (صفحات ۱۵۳-۱۵۵ - ۲۳۰-۲۳۱-۲۹۵-۲۹۷) -

فارسی لکھنے والے اہل قلم میں ان صاحبوں نے بہلبد کا ذکر کیا ہے :-

(۹) شریف مجلدی (تاریخ مشتبہ ، مذکور چہار مقالہ نظامی عروضی ، سمرقندی -

(۱۰) فردوسی (المتوفی قریب ۴۱۵ ھ) شاہنامہ -

(۱۱) نظامی گنجوی (المتوفی قریب ۱۲۰۳ ع) خسرو و شیریں -

(۱۲) نظامی عروضی سمرقندی (متوفی قریب ۱۱۶۰ ع) -

(۱۳) محمد عوفی (قریب ۱۲۲۸ ع) -

(۱۴) حمدانیہ المستوفی قزوینی (قریب ۱۳۴۰ ع) تاریخ گزیدہ -

اُس کے بعد والے نوٹ میں ہم نے جس مضمون کا نام درج کیا ہے اُس میں حوالہ جات بالا میں سے اکثر مفقود ہیں۔ ان کی طرف ہماری توجہ بیرن فان روزن (سہلت پیٹرز برگ) نے مبذول کی ، جس کے لئے ہم صاحب موصوف کے مضمون ہیں -

تو دونوں کی صورت میں کوئی فرق نہ رہے گا، کیوں کہ پہلوی میں اول تو (الف) اور (۵) ان دونوں کی آوازوں کے لئے ایک ہی حروف ہے اور دوسرے (ر) اور (ل) کے لئے بھی دو مختلف حروف نہیں ہیں۔ پہلوی حروف تہجی نے ان دو آوازوں میں کوئی امتیاز نہیں رکھا، اس لئے (بار بد) کو پہلوی میں 'بار بد' بھی پڑہ سکتے ہیں اور (بہلبد) بھی۔ پس فارسی بار بد اور عربی بہلبد کا باہمی فرق (یعنی باربد میں جہاں (ا-ر) ہے وہاں بہلبد میں 'ل' ہے) ایک زبردست ثبوت ہے کہ فارسی اور عربی کی دونوں صورتوں کا اصل ماخذ پہلوی لفظ ہے، جو فارسی و عربی میں دو مختلف ہیئتیں اختیار کر لیتا ہے۔ اب یہ کھدینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ عربی اور فارسی میں بار بد کی بابت جتنی روایتیں درج ہیں، وہ ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں ہیں، بلکہ وہ ہم کو پیچھے دھکیل کر کسی ایسی پُرانی کتاب کی طرف لے جاتی ہیں جو یا تو خود پہلوی میں، یا زمانہ تصنیف کے لحاظ سے دور پہلوی کی تصنیف ہوگی۔ اس بار بد (سہولت کے لئے ہم نے اس نام کی موجودہ فارسی صورت اختیار کر لی ہے مگر جہاں عربی کا حوالہ آئیگا وہاں عربی صورت درج کر دیں گے) اور رودکی میں جیسا کہ ہم کسی اور مقام پر دکھا چکے ہیں، اس قدر مشابہت * پائی جاتی ہے

* ہزار مضمون جو سنہ ۱۸۹۹ء میں رائل ایشیائیٹک سوسائٹی کے جنوری نمبر میں چھپا تھا اس کو صفحہ ۳۷-۶۹ میں دیکھو۔ یہ مضمون ذیل کے عنوانات پر تھا۔ "دولت شاہ کے ماخذ" "ایران کی تاریخ ادبیات کے لئے کیا کما سواد موجود ہے۔" "اوز" باربد "رودکی پر ایک نظر"۔

کہ خیال کو حیرت ہوتی ہے - رودکی دسویں صدی ہجری کے آغاز میں گزرا ہے اور تخت سامانیہ سے وابستہ تھا - طبقہ قدیم کے ایک شاعر شریف مہملدی گر گانی نے بھی ان دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے : —

ازاں چندین نعیم جاودانی
کہ ماند از آل ساسان و آل سامان
ثناے رودکی ماند است و مدحش
نوائے باربد ماند است و داستان

”خاندان ساسان اور آل سامان نے جس قدر یاد گاریں چھوڑیں، اُن میں سے آج کے دن کچھ بھی باقی نہ رہا، مگر رودکی کے قصیدے اور باربد کے ترانے اور افسانے۔“

رودکی کے حالات زندگی، متعدد تذکروں میں ملتے ہیں اور ہر ایک تذکرے میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ رودکی کا ممتاز ترین کارنامہ وہ ترانہ ہے، جس کو اُس نے امیر نصربن احمد سامانی کے سامنے برجستہ موزوں کیا اور وہیں گا کر سنایا۔ اس کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ امیر نصر چار سال سے ہرات اور اُس کے گرد و فواح میں پڑا ہوا شادابی ملک کے مزے لوٹ رہا تھا اور اپنے وطن بخارا کو واپس جانے کا نام تک نہ لیتا تھا۔ رودکی سے سپاہ نے انعام کے وعدے پر فرمائش کی کہ وہ بادشاہ کو چلنے پر ابھارے۔ اشعار کی سادگی اور عدم حسن و ترصیح پر ہر ایک نقاد سخن کی نظر پڑی ہے۔ بعض تو (جیسے نظامی، عروضی، سہر قندی)

ان کو قابل ستائش کہتے ہیں اور بعض لائق مذمت اور حیرت کرتے ہیں کہ اس قدر سادے اور پھیکے الفاظ نے امیر پر کس طرح جادو کر دیا۔ فی الحقیقت یہ ترانہ ایک سادہ گیت ہے؛ اُس کو اُس نظم سے کوئی نسبت نہیں، جس کا انداز بیان تصنع آمیز ہوتا تھا اور اسلامی علوم کے انحطاط کے زمانے میں جس کو دولت شاہ نے دیکھا تھا، سرمایہ کمال سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ دولت شاہ ناراض ہوتا ہے کہ ”اگر سلاطین اور اُمراء کے دربار میں رودکی کے انداز پر کوئی نظم سنائے تو چاروں طرف سے نفرین کی بوچھاڑ ہو جائے۔“ اس میں شک نہیں کہ سادگیء سخن میں رودکی نے اپنی خوش الحانی اور کمال موسیقی سے بڑی کرمی پھونکدی ہوگی۔ نظم یہ ہے :-

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی	یاک یار مہر بان آید ہمی
ریگ آموی و درشتیہائی او	پائے مارا پرینیاں آید ہمی
آب جیہیں باشگر فیہائے او	خنگ شہ راتاعنان آید ہمی
اے بخارا شاد باش و شادزی	شاہ نذرت شاد مان آید ہمی
شاہ ماہ ست و بخارا آسمان	ماہ سوے آسمان آید ہمی
شاہ سروسست و بخارا بوستان	سرو سوئے بوستان آید ہمی

نظامی عروضی جو اس روایت پر سب سے قدیم سلب ہے

بیان کرتا ہے کہ ”جب رود کی آخری شعر پر پہنچا تو امیر سامان کا تخیل بھڑک اُٹھا، وہ تخت سے فوراً اُتر پڑا، پھرے والے کا گھوڑا لیا اور گھوڑے کو اس زور سے بخارا کی جانب دوڑایا کہ خدام دو فرسنگ (یعنی بروقت) تک اُس کے موڑے

ہاتھ میں لئے دوڑتے رہے۔ برونہ پر اسیر موڑے پہنکر پھر چلا اور بغارا پہنچکر دم لیا۔ رودگی کو سپاہ نے بجائے پانچ ہزار معہودہ کے دس ہزار دینار انعام میں دیے۔“ —

یہ روایت بتاتی ہے کہ رودگی نہ صرف شاعر تھا بلکہ حاضر گو، بر بطنواز اور نراساز بھی تھا۔ ایران میں اس قماش کے قوال آج تک موجود ہیں جو شاعری بھی کرتے ہیں اور گاتے بجاتے بھی ہیں۔ کوئی بزم عیش ایسی نہیں ہوتی جہاں ان کی ”تصانیف“ یعنی واقعات حاضرہ کے مخصوص ترانوں سے کان معظوظ نہ ہوتے ہوں۔ رودگی، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، ایام سامانی کے اُس بار بد یا بہلبد سے بھی مشابہ ہے جس کی شخصیت پردہٴ قدامت میں دھندلی سی نظر آتی ہے۔ بار بد اُن اصحاب عشرہ میں تھا جو خسرو پرویز کے دربار سے متعلق اور بخیال اہل عجم اپنے اپنے فن میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ اس کا اصل کمال یہ تھا کہ جب پرویز سے کوئی بات کہنی ہوتی، جس کو خشمِ سلطانی کے خوف سے زبان پر لاتے ہوئے درباریوں کی روح کانپتی تھی تو بار بد اُس کو بڑے حسن کے ساتھ گیت کے پردے میں بادشاہ کو سنا جاتا۔ چنانچہ روایت ہے کہ پرویز کا ایک گھوڑا تھا شبذیز نام، حسین و ذہین، بادشاہ کو اُس سے محبت نہ تھی، عشق تھا اور اُس نے عہد کیا تھا کہ جو شخص مجھے اُس کی موت کی خبر سنائیکا اُس کا سر قلم کر دوں گا۔ اتفاق سے گھوڑا مر گیا میر اسپ بہابد کے پاس آیا اور اُس سے بعد التجا کہا کہ وہ اسی خبر کو بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دے۔ بادشاہ نے راک

میں مرگ شہدیز کے اشاروں کو دیا تو وہ تار گیا اور اُس نے بدحواس ہو کر کہا:- ”تجھ پر غضب ہو“ شہدیز مر گیا۔“ مطرب نے جواب دیا ”یہ کلمات حضور کے ہیں۔“ اس ترکیب سے بہلبد نے اپنی آت بیگی کی جان بچائی اور بادشاہ کے عہد کو توڑ دیا۔ اس قصے کو خالد بن فیاض نے جو عرب تھا ارر خسرو پرویز کے سو برس بعد ہوا ہے، ایک نظم میں اس طرح باندھا ہے :-

والہلک کسریٰ شہنشاہ تقنصہ
 سہم بریش جناح الموت • مقطوب
 اذ کان لذتہ شہدیز یرکبہ
 وغنچ شیرین والدیباچ والطیب
 بالذار الی یمیناً شد ماغلظت
 ان من بدافنعی الشہدیز مصلوب
 حتی اذا اصبح الشہدیز منجدلاً
 وکان ما مثله فی الناس مرکوب
 فاحت علیہ من الاوتار اربعة
 بالفا رسیۃ نوحاً فیہ تطریب
 ورفم الہر بد • الاوتار فالتہبت
 من سحر واحتہ الیسری شآبیب
 فقال مات، فقالوا انت فہت بہ
 فأصبح الحنث عنہ وھو مجذوب
 لو لا لبہبد والاوتار تندبہ
 لم یستطع نعی شہدیز المرازیب

اخذی الزمان علیہم فاجروہم بہم

فما تری منهم الا الالاعیب

(آثار البلاد ۲۳۱ رو معجم البلدان زیر شہداز)

”اور شہنشاہ خسرو بھی موت کی زد سے نہ بچ سکا جب کہ وہ شہرین کی زاهد فریدیوں میں سرشار، خوشبوؤں کی مہک سے مست تھا، اپنی خوابگاہ اطلس کے بچھو نے پر لہٹا ہوا شدیدیز کا جو اُس کے لئے باعث ناز تھا، موجب شرف تھا، خواب دیکھ رہا تھا تو موت کے ترکش سے ایک تھور جدا ہوا اور اس کے آگے یہ وہی گھوڑا تھا کہ پرویز نے اپنے معبود آتش کو سامنے رکھ کر عہد استوار کیا تھا کہ جو اس کی موت کی خبر مجھ کو سنائیکا اُس کا مرکب صلیب ہوگی، اور وہ موت کے پہلو میں تڑپ تڑپ کر دم توڑیگا۔ ایک دن صبح کو اجل نے یکبارگی شدیدیز کو آگھیرا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آدم سے تا ایڈم نہ ایسا گھوڑا پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔“

شہدیز کی موت پر چار تاروں نے فارسی میں بے تاب کرنے والا نوحہ بلند کیا مطرب (باربد) نے تاروں کو متروم کیا، اور اُس کے دائیں ہاتھ کے جادو سے غم کی آگ بھڑک اُٹھی، بادشاہ اس کے اشاروں کو سمجھ گیا اور چیخ کے بولا ”کیا میرا شہدیز مر گیا؟“۔ حاضرین نے جواب دیا، ”یہ جہاں پناہ کا قول ہے۔“

اس عہد کے اور بھی شاعران مطرب کا پتہ چلتا ہے، مگر

اُن کا حال ان کے نام سے آگے نہیں بڑھتا۔ آفرین، خسروانی، مازو استغانی،

* اجرہد = تیز چلے - + عقد انفرید طبع ج ۱ صفحہ ۱۵۳ پر

یوسف المغنی استاد باربد کا ذکر آیا ہے۔ + بیہقی کتاب

المحاسن مرتبہ (فلوٹن) صفحہ ۳۶۳۔

اور مشہور بربط نواز سکیسہ • - یہ لوگ باربد سے بھی زیادہ مفقود الحال ہیں، حتیٰ کہ اُن کے ترانوں کی آواز بازگشت بھی ہم تک نہیں پہنچتی۔ تاہم یہ کہنا سراسر ستم ہوگا کہ ساسانی درباروں اور کیانی ایوانوں میں راگنیوں نے دلوں کو نہیں لپھایا تھا جب کہ ہم کو معلوم ہے کہ اُن کی ہلکی ہلکی آواز اسلامی دور میں بھی سنائی دی۔ مزید بریں اگرچہ فارسی حال کی شاعری کا تھامتر قالب عربی اجزا سے تیار ہوا لیکن بعض اصناف شعر خصوصاً رباعی اور مثنوی یک قلم ایرانی ہیں۔ نظم افسانہ کی بابت تار مشتیتر کا خیال ہے کہ وہ ہخامنشی دور میں تھی، مگر ہم اس مسئلے کو بے حد مشتبہ سمجھکر اپنی بحث سے ساقط کئے دیتے ہیں۔

زیادہ وسیع نظر | فارسی زبان اور حکومت ایران کو اب تک تو ہم محدود نظر سے دیکھ رہے تھے۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس نظر کو وسیع کریں تاکہ ایران کی پوری قوم اور اُن کے علمی دہانے ہماری بحث میں آجائیں۔ مگر فیرونکی روزگار سے یہ میدان پہلے سے بھی زیادہ سنگلاخ اور مسائل بہ نسبت سابق کے زیادہ پیچیدہ ہیں، لہذا اُن کا حال بھی ناقابل اعتبار اور قیاسی ہوگا۔

تاجداران ایران کے سب سے قدیم خاندان ہخامنشی نے جس کے بیان سے ہم نے اپنی تاریخ کا آغاز کیا ہے، اہل میدیا

* خسرو و شیریں ”نظامی گنجوی“
+ فارسی نظم کی ابتدا، صفحہ ۲ از تار مشتیتر مطبوعہ بیدرس
سنہ ۱۸۸۷ عیسوی —

دولت میدیا کے زوال پر عروج پکڑا، جو شوکت و صوابت میں ہخامنشیوں سے کسی طرح کم نہ تھے اور

یورپ میں نہایت قدیم زمانے سے ایرانیوں کے ساتھ ملائے جاتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ خیال کے لحاظ سے اہل میدیا اہل ایران ہیں، لیکن جنوب ایران کے نہیں، بلکہ غربی ایران کے، جن کا مرکز اور پایہ تخت اہمتانہ (جو قدیم فارسی کتببات میں ”ہگ متانہ“ آیا ہے اور آج کل ”ہمدان“ کہلاتا ہے) تھا نہ کہ پرسی دوس (ساسانی استخر) جو شیراز کے قریب فارس کا مشہور شہر ہے۔ میدیا کی حدود اربعہ تھیک تھیک تو نہیں بتائی جاسکتی، ہاں بظاہر دیکھیں تو وہ شمال میں آذر بائجان (اترو پتینی) کے پہاڑوں سے شروع ہو کر جنوب کی طرف خزستان (سرسیانہ) میں ختم ہوتی اور مشرق میں کوہ زگرس (جبل طاق) سے چل کر موجودہ طهران، اصفہان کی سڑک سے آملتی تھی۔ اس کا شمال مشرقی حصہ ایک جانب کو اس طرح نکلا ہوا تھا کہ اس میں مازندران کا پورا ملک یا اس کا ایک حصہ آگیا تھا۔ بالفاظ دیگر اس میں کردستان، اورستان، شمالی خزستان، مغربی عراق عجم اور جنوبی آذر بائجان داخل تھا۔ اس عظیم الشان ملک کے کورستانی علاقے سے دولت میدیا کا آفتاب طلوع ہوا تھا۔ لیکن جس سرزمین کو میدیا کہتے تھے۔ وہاں یہ نام لفظ ”پرشیا“ کے مثل آج ناپید ہے۔ تاہم تے لے گارتہ اور اولس ہاوزن کی تحقیق کے مطابق مسلمانوں کے زمانے تک بھی ماہ (قدیم ایرانی مادہ) کی شکل میں زبانوں پر جاری رہا اور شہروں کے ناموں کے ساتھ

بھی استعمال ہوا۔ مثلاً ماہ کوفہ، ماہ بصرہ، ماہ نہاوند۔

تاریخ میتیا کے ماخذ | شوسی بخت سے ایرانیوں کے برعکس
اہل میتیا نے اپنے کارناموں کا کوئی

قلمبند سرمایہ نہ چھوڑا۔ اس لئے اُن کی بابت جو کچھ بتی
لکھا جائے گا اُس کا دار و مدار دوسری قریب کی تاریخ پر
ہوگا، بالخصوص آسوری، یہودی اور یونانیوں کی تاریخ پر
جن کو اس قوم کا علم بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ۔

آسوری حوالہ | تلگت پلاس (قریب سنہ ۱۱۰۰ ق م) کے ایک
کتبے میں درج ہے کہ میتیا کا پایہ تخت

ہمدان (امدانہ) ایک محکوم شہر تھا۔ اس کا ذکر حضرت
عیسیٰ سے نوسو سال پیشتر کے ایک اور کتبے میں بھی آیا
ہے، سلھاسر سرجوں (سنہ ۷۳۱ - سنہ ۷۱۳ ق م) بتی
ایک مقام پر فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ میں نے دور و دراز
میتیا میں اپنا سکھ بٹھا دیا تھا۔ سرجوں کا جا نشین
سندرب اور اُس کے علاوہ الیسر ہمدان (سنہ ۶۸۰ - سنہ
۶۶۹ ق م) بھی میتیا کا ذکر کرتا ہے۔

یہودی حوالہ | ۲ سلاطین ۱۷ - ۶ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا
ہے کہ شوسیع (سنہ ۷۲۲ ق م) کے فہم

* مگر ۱۷۰۰ عیسوی میں ماہ اور فارسی مادہ کا ایک لفظ
ہونا ثابت ہوچکا تھا۔ اس تحقیقات کا شرف و ہلال کے شاگرد
اور کیمبرج کے مشہور عالم ڈاکٹر ہائڈ کو حاصل ہوا، جو بعد میں
اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عبرانی معلم لاطین پروفیسر عربی اور
ہولین لائبریری کا منتظم ہو گیا تھا۔ دیکھو ”تاریخ مذہب“ مرتبہ
(۱۷۶ ص ۲۲۳)

† ایشیائی ایران قدیم کے حالات ج دوم ص ۱۲۶۔

سن جلوس میں تاجدار آسوری نے شہر سہروں پر قبضہ کیا اور بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے اپنے ملک میں لے گیا۔ وہاں پہنچکر اُن کو دریائے جوزان کے کنارے خلع اور خابور میں اور میدیا کے شہروں میں بسایا۔ اس واقعے کا اعادہ سلاطین کے باب ۱۸ آیت ۱۱ میں + بھی کیا گیا ہے —

یونانی حوالہ ہرو دوتس۔ تی سیاز	یوفان کے تین مشہور تاریخ نگاروں میں جو اس دور کے خاص ماخذ ہیں، سب سے پہلے ہرو دوتس کا ذکر کرنا چاہئے، کیونکہ اول تو پیکانی کتبوں سے اُس کی صحت نگاری کی شہادت ملتی ہے، دوسرے اس وقت صرت اُسی کی تاریخ پیری موجود ہے۔ ہرو دوتس کے بعد تی سیاز کا نمبر ہے، جو پانچویں صدی قبل مسیح میں موجود اور اردے شیرنی من کا حکیم تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ میری معلومات کا ماخذ ایران کی خاص سرکاری تحریریں ہیں۔ اس بیان سے کم از کم یہ سراغ لگ جاتا ہے کہ ایرانی دربار میں اس قسم کی تاریخی مرقومات موجود تھیں، جن کا حوالہ کتاب آستر باب ۶ آیت ۱ میں بھی آیا ہے کہ بادشاہ آخسویوس کی فیند اجات ہوڈئی تھی اور اُس نے شاہی تاریخ ناسوں کو منگواکر (باب ۲ آیت ۲۳) بگتانا اور قرش کی سازش کا حال اپنے روبرو قلمبند کرایا۔ سازش آخسویوس کے قتل کے لئے کی گئی تھی، لیکن اسے مردکی نے طشت ازبام کر دیا تھا۔ تی سیاز کی

تاریخ پر یہ الزام لگائے جاتے ہیں کہ وہ ایرانی فوشتوں کو اچھی طرح سمجھتا نہ تھا یا وہ سمجھتا تھا لیکن اُس نے دیدہ و دانستہ اُن کو بدل دیا یا یہ کہ وہ خود معرفت اور غلط تھے۔ (تحریف و غلط بیانی کی نظیریں موجودہ زمانے میں بھی پائی جاتی ہیں اس لئے وہ قرین قیاس ہوسکتی ہے) ان میں سے خواہ کوئی خیال صحیح ہو اور کوئی غلط لیکن اس کی تاریخ کی نسبت عام بے اعتباری پھیلی ہوئی ہے اور وہ ہے بھی تکررے تکررے جو مورخین متاخر مثلاً فوتی اُس (۸۲۰-۸۹۱ع) کی کتاب میں ملتے ہیں۔

بروسس | تیسرا بروسس ہے جو ایک کلدانی کاہن تھا۔ اس نے سکندر اور اُس کے قریبی جانشینوں کا زمانہ دیکھا تھا۔ شام کے فرمانروا انطیاخس کے ایہاء سے اُس نے اپنے ملک کے حالات یونانی زبان میں ترجمہ کیے تھے۔ مگر اُس کا ترجمہ بھی پارہ پارہ ہو گیا۔ جو کچھ بچا اُس کو حضرت عیسیٰؑ کے ایک صدی پہلے کے تاریخ نگاروں ”پولی ہستور“ اور ”اپولودورس“ نے اپنے ہاں نقل کیا اور اُن سے ”یوسس بی اُس“ اور ”یسس کی لس“ تک پہنچا۔

دیوکسیز | ہرو توتس کے بیان کے مطابق سب سے پہلی قوم جس نے ۵۲۰ برس محکوم رہنے کے بعد آسوری تاج سے آزادی حاصل کی وہ اہل میدیا تھے۔ یہ واقعہ سنہ ۷۰۰ ق م کا ہے۔ اِس کے ایک یا دو سال بعد ”دیوکسیز“ نے جو ”ہرو توتس“ کی ترتیب کے مطابق اول کے چار میں پہلا بادشاہ ہے، میدوی تاج سر پر رکھا۔ سنہ ۷۱۵ ق م کے ایک آسوری بیان میں ہے کہ

”ایک شخص دیوکو (= دیوکسیز) اسپر کر لیا گیا تھا اور سنہ ۷۱۳ ق م میں آسور کے بادشاہ سرگن نے دیوکسیز کی مملکت پر تسلط کیا۔“ سنہ ۷۳۶ ق م فر اور قیز (فر اور تیش) قدیم کتبیات عجم میں) جانشین تخت ہوا۔ اُس نے اپنے ماں میدیا کو قبضے میں کیا اور سلطنت کو اتنی وسعت دی کہ اہل فارس پر بھی چھا گیا۔ اس کے بعد سنہ ۶۲۵ ق م میں سیاگرزیز (ہوخستر) تخت کا وارث ہوا۔ اُس نے شاہ بابل کے ساتھ ملکر سنہ ۶۰۷ ق م میں نہنوا کو تاراج کیا اور لیدیا پر بھی حملہ کر دیا، مگر دوران جنگ میں دفعۃً اُس سال ۲۸ مئی کو کامل سورج گرہن واقع ہوا اور محاربین نے یہ سمجھ کر کہ گرہن خدا کی علامت ناراضگی ہے سنہ ۵۸۹ ق م میں بام صلح کر لی۔ غالباً اسی سال سیاگرزیز دنیا سے رخصت اور اُس کے بعد اِس کا بیٹا ایستیاہیز تخت آرا ہوا جسے سنہ ۵۵۰ ق م میں ہخامنشی سائی رس نے بے تاج و تخت کر دیا اور عنان سلطنت اہل میدیا یعنی مغربی ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل کر جنوبی ایرانیوں یعنی اہل فارس کے قبضے میں آ گئی لیکن یہاں فتوحات میدوی سے ہمیں چنداں بحث نہیں، ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اُن کی زبان کیا تھی اور اُن کا مذہب کیا تھا؟ کیونکہ ہمارے موجودہ زاویۂ نظر سے یہی مسائل اصل مسائل ہیں۔ اس بارے میں

اہل میدیا کی زبان | جس رائے نے آج کل زیادہ زور پکڑ کر کھا ہے، وہ یہ ہے کہ اس ملک کے باشندے ایرانیوں میں سے تھے اور اُن کی زبان بھی ایک ایرانی زبان تھی جو فارسی قدیم سے بہت ملتی جلتی تھی۔ راقم لہر و ت کو بھی اِس سے ایک گروہ اتفاق

ہے۔ فریڈلے بھی یہی کہتا ہے اور دلالت میدیا سے بحث کرتے کرتے جب وہ اپنی تقریر کو ختم کرتا ہے تو یہ کہہ کہہ کر کہتا ہے:-
 ”جب میدان کے گرد و نواح کو اچھی طرح دیکھا جائیگا یا زمین کو کھود کر اُس کے دفینوں کی پڑتال کی جائیگی تو شاید اس قدیم زمانے کے قیمتی آثار ہاتھ لگ جائیں اور اگر کہیں سلاطین میدیا کے سکے نکل آئے تو کیا بات ہے۔ میرا ذہن گواہی دیتا ہے کہ اُن سکوں کی زبان اور خط دونوں شاہان فارس کی زبان اور خط کے مانند ہوں گے۔“

دارمشتیتر جسکی رائے پر مفصل تنقید ہم آئندہ کریں گے وہ نویلڈ کے بیان پر بھی قناعت نہیں کرتا بلکہ اس سے چند قدم آگے بڑھ کر اعلان کرتا ہے کہ (اوستا) کی زبان جو عام طور سے ژند کہلاتی ہے ”میدیا کی زبان یا میدری زبان“ ہے، اپنے خیال کا ثبوت پیش کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ :-

* تاریخ فارسی پر مصنفین (لیپ زگ ۱۸۸۷) صفحہ ۱۲-
 + دیکھو ”ایرانی علوم“ از دارمشتیتر جلد اول صفحہ ۱۳ و ۱۴
 ایم ڈے ہاراسیو (”زبان اوستا..... ۱۸۸۲..... اور مطالعہ مذہب اوستا مزدین کا مقدمہ ۱۸۸۱ صفحہ ۲۵ وغیرہ“) بھی اس رائے کا مؤید ہے اور لکھتا ہے: ”ہمارا خیال ہے“ ہم نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ اوستا میدیا سے منسوب ہونی چاہئے اور اُس کی زبان مجوسوں سے، لیکن چونکہ یہ اسر ہنوز مسلمہ نہیں اس لئے پارسیوں کی طرح ہمیں بھی چاہئے کہ (اوستا کی زبان کے لئے) لفظ ”اوستائی“ جو ہر ایک غلطی سے پاک ہے برابر استعمال کرتے رہیں۔ اسی طرح ”قدیم باختری“ کے مقابلے میں ”ژند“ قابل ترجیح ہے، کیونکہ یہ لفظ عام طور پر سبوج ہے اور اس کے استعمال میں تعصب و نفرت کی گنجائش نہیں —

”پارسی روایات اور خود آوستا کے بیا ذات، جنکی تائید خارجی شہادتوں سے بھی ہوتی ہے، دین زرتشت کے مرکز اور اُس کے نمو و ترقی کا مقام میدیا میں یا تو (آذر بائیجان) یا (رے) بتاتے ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے (آذر بائیجان) کو مرکز قرار دینا صحت سے قریب تر ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے دین زرتشت اُٹھا تھا اور مغرب سے مشرق کی جانب پھیلا۔ بہر کیف اس مذہب کی اصل میدوی ہے اور (آوستا) (سودان) میدیا کی تصنیف ہے..... نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خارجی شہادت یعنی سرقومات قدیم اور داخلی شہادت یعنی کتب ژندی اور روایات ملکی کی رو سے آوستا محوسیون کی تصنیف ہے اور ژند میدیائے قدیم کی زبان ہے، لہذا اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ ژندی زبان کا نام ژندر کہنا غلط ہے، اس کی جگہ ”میدوی زبان“ ہونا چاہیے۔ تو ہمارا یہ دعویٰ صحیح سمجھنا چاہیے۔“

آپرت کی رائے کہ اہل | ایک اور رائے جس کا ذکر کئے بغیر
میدیا تو رانی تھے — آگے بڑھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا
محقق (آپرت) کی ہے۔ جو اُسکی کتاب موسومہ ”اہل میدیا
و زبان میدیا“ میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ یہاں تک
تو مسلم ہے کہ ہخامنشی دور کے کتبے تین زبانوں میں لکھے
ہوے ہیں جن میں پہلی زبان فارسی قدیم ہے اور تیسری

آسوری، رہی دوسری جو اپنی اصل نسل میں نہایت مشتبه
 ہے اُس کی بابت آپرت کا خیال ہے وہ ”میدوی“ ہے اور اُس
 کو کسی آریائی زبان سے مطلق علاقہ نہیں، بلکہ وہ تورانی ہے۔
 اس افو کہے اور بالکل متضاد خیال کے ثبوت میں وہ دلائل بھی
 عمیق و عجیب پیش کرتا ہے۔ خود نام میدیا (مادہ) کی
 تشریح وہ ایک سہیری لفظ (مدہ) سے کرتا ہے، جس کے معنی
 (ملک) ہیں، اور سلاطین میدیا کے جو نام تہی سیاز نے اپنی
 تاریخ میں لکھے ہیں، وہ اس کے نزدیک ”آریا شدہ“ تورانی
 اسماء (جنہیں ہرو توتس نے لکھا ہے اور جو قدیم کتبات میں
 ملتے ہیں) کے آریہ مترادفات ہیں۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ تاریخ
 ہرو توتس میں پہلے میدوی بادشاہ کا نام دو جدا جدا لفظوں
 (دیہ) (= دوسرا) اگو (= قانون) سے مرکب ہے جس کی آریائی
 یافارسی صورت غالباً (داتیکہ) تھی اور معنی ”سہالک کو دوبارہ
 متحد کرنے والا“۔ اس مرکب لفظ کا مراد فارسی یا آریائی جو
 تہی سیاز نے استعمال کیا ہے، وہ آرتائیوس ہے جس سے فارسی
 کے (آرتایو) (ارتہ سے مشتق ہے) بمعنی ”قانون“ اور (آیو
 بمعنی دوبارہ متحد کرنا) کی طرف اشارہ نکلتا ہے، میدیا کی
 چھ قوموں کے ناموں کو جنہیں ہرو توتس نے اپنی تاریخ میں
 (کتاب اول باب ۱۰۱) درج کیا ہے آپرت تسلیم کرتا ہے کہ آریائی
 ہیں، مگر اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ ان میں سے کم از کم دو یعنی ہوسائی
 اور سترک سان تیس اصل تورانی قوموں کے آریائی ترجمے ہیں،

جنہیں سے ایک کے معنی ”سلک کے اصل باشندے“ اور دوسرے کے ”ساکنانِ خیمہ“ ہوتے ہیں - افسوس ہے کہ ایسی قابلیت کے آدمی بہت کم ہیں، جو ایم آپرٹ کی تحقیقات کا از سرنو تفحص کر کے تفصیل میں اُس کے استدلالات پر مجتہدانہ رائے قائم کوسکیں، لیکن آپرٹ کی کتاب مذکورالصدر پر تبصرہ کرتے ہوئے اُس کے عام استدلالات و نظریات پر تار مشتیتر نے اپنے خلاصہ اعتراضات کے آخر میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ہمیں اتفاق ہے * :-

”لہذا اس سروجہ خیال کے ترک
 کرنے کی ہمارے پاس کوئی وجہ
 نہیں کہ میدیا کی زبان آرائی زبان
 تھی - یہ خیال ایسا ہے کہ اس کی
 تائید بلا واسطہ استرابو کے بیان
 سے ہوتی ہے اور بلا واسطہ
 ہرودوتس کے بیان سے - علاوہ ازیں
 ایک اور نہایت قوی ثبوت یہ ہے
 کہ ژند اوستا کا مقام تصنیف
 اور ژند کی پیدائش گاہ اہل
 میدیا کا ملک ہے“ -

تار مشتیتر کا
 اعتراض

* دیکھو ”ابحاثِ ایرانیہ“ جلد دوم صفحہ ۱۳ اول

اول یہ اعتراضات دیوہو کھر تیک سنہ ۱۸۸۰ء جون ۲۱ میں

شایع ہوئے تھے -

بہر کیف جب تک کوئی جدید خیال کا منافی پیدا نہ ہو، ہم کو اسی مسلک پر قائم رہنا چاہئے کہ اہل میدیا ایران کے باشندے تھے اور ان کی زبان ایرانی تھی جو فارسی قدیم سے انتہا درجہ مشابہت رکھتی تھی -

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ہخامنشی خاندان کے برعکس شاہان میدیا نے اپنے کارناموں کا تحریری حال نہیں چھوڑا ہے، اُن کی زبان کی بابت بعض محققین مثلاً نویلڈ کے کا یقین ہے کہ گو

مزید تفحص ایک نیا ایک دن اُس کے نمونے تھونڈ نکالیا لیکن اس وقت ایک بھی موجود نہیں۔

اوستا

بعض محققین مثلاً آپرٹ کو اطمینان ہے کہ اُس کے نمونے موجود ہیں اور وہ درجہ دوم کے پیکانی کتبوں پر ثبت ہیں - ایک اور جماعت جس کا رکن رکن تارمشتیتر ہے ان دونوں بیانات سے اختلاف کر کے بتاتا ہے کہ یہ نمونے کثرت کے ساتھ

زرتشت کی قدیم آسمانی کتاب ژند اوستا میں پائے جاتے

ہیں۔ ان سے میدیا کی نہ صرف زبان بلکہ اُس کے علم ادب کا

صحیح صحیح حال معلوم ہوتا ہے - یہ امر کہ اوستا کی زبان

ایرانی ہے اور فارسی قدیم سے اُس کا رشتہ مان یا بیٹی کا

نہیں بلکہ دونوں آپس میں دو بہنیں ہیں، یہاں تک

ثابت ہو چکا ہے کہ اب شبہ کی گنجائش باقی نہیں - لیکن یہ

کہ وہ کس حصہ ملک کی زبان ہے ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہنوز

متنازعہ فیہ چلا آتا ہے - کیونکہ ایک طرف تو جیسا کہ اوپر

اچکا ہے تارمشتیتر اوستا کی زبان کو میدیا کے ساتھ مخصوص

کر رہا ہے، اور دوسری طرف محققان جرمنی کہتے ہیں کہ وہ باختر

کی زبان ہے بلکہ جرمنی میں عموماً اُس کا دوسرا نام ”قدیم باختری“ اور ”مشرقی ایرانی“ رکھ لیا گیا ہے۔
 ڈارمشتیٹر نے ان محققوں کی تردید کی ہے، لیکن تردید سے
 قبل وہ اپنے صحت اور مختصر انداز میں ان کے دلائل کا خلاصہ
 کرتا ہے، جو ذیل میں درج ہے: *

(۱) ژند پرشیا کی زبان نہیں ہے —

جرمنی
 تحقیق

(۲) باختر ہی وہ مقام ہے، جہاں بھوجب

روایات زرتشت نے اپنے مذہب کی

پہلی مہتم بالشان فتح حاصل کی،

یعنی شاہ گشتاسپ کو زرتشتی کیا۔

(۳) اوستا میں صرف اُن مقامات کا ذکر آیا

ہے، جو مشرقی ایران میں واقع ہیں۔

ڈارمشتیٹر | دلیل اول صحیح تو ہے مگر منفی ہے،

مثبت نہیں۔ مافاکہ اس کے بھوجب پرشیا

(یعنی صوبہ فارس) الگ ہو جاتا ہے، لیکن

باقی ایران تو کہیں نہیں گیا۔

دوسری دلیل کہ، باختر میں گشتاسپ نے

دین زرتشت قبول کیا، تھیک ہے، لیکن

اس سے بعز اس کے اور کیا ثابت ہوتا ہے،

کہ وہاں زرتشتیوں نے برے پیمانے پر

جد و جہد کی۔ ایران و توران میں جنگا

جغرافی حیثیت سے قدرتی معائنہ باختر ہے، میدان کارزار گرم ہوا۔ تورانی بت پرست تھے اور ایرانی امت زرتشت۔ جبکہ بت پرستوں اور اہرمزد کے پیروں میں خوفِ ریزبان ہو رہی ہوں تو ضرور تھا کہ حامیان ملت زرتشت کے ذہنوں میں باختر کی یاد موجود ہوتی اور اُن کی برکتوں کو لے کر باختر پہنچتے جہاں اہرمزد کے پوجنے والے دیو پرستوں کے مقابلے میں جانبازیاں دکھا رہے تھے۔ پس یہ قصے کہ سرزمین باختر میں زرتشت کا کلمہ اس سرے سے اُس سرے تک پھیل گیا اور وہیں گشتاسپ بھی اُس کا شکار ہوا، غالباً اُس کامیابی کی تاریخی کڑیاں ہیں جو زرتشت کو مشرق میں ہوئی۔ ان قصوں میں کوئی نشان ایسا نہیں ملتا جو باختر کو زرتشت کا جنم بھوم اور اُس کے مذہب کا گہوارہ ثابت کر دے۔ پارسیوں کی روایتیں متحدہ طور پر پکارتی ہیں کہ ہمارے پیغمبر اور اُس کے آئین کا مولد و منشا مشرق اور باختر نہ تھا بلکہ مغرب اور آذر بایجان تھا اور نہ صرف پارسیوں کی روایت ہی بلکہ خود اوستا بھی تسلیم کرتی ہے۔

کیونکہ تیسرا خیال کہ اوستا میں جو مقامات درج ہیں وہ صرف مشرق میں واقع ہیں غلط ہے، مشرقی کے علاوہ شمالی اور مغربی بلاد کا بھی اُس میں ذکر ہے۔ ”ویندیداد“ کا پہلا باب دیکھو اُس میں ایران کے اول حصوں کے نام آئے ہیں جن سے مصنفین ”ویندیداد“ واقف تھے۔ پہلا نام ’ایران ویج‘ ہے جس کے کناروں سے دائیۃ جی تکراتی تھی (باب اول-۳) اور ایران ویج آذربائجان کی سرحد پر ہے، اور دائیۃ وہی ندی ہے جس کا دوسرا نام ’ارکسیز‘ * (قزل ارباق) ہے اسی طرح اوستا شمالی ایران سے بھی واقف ہے کیونکہ اُس میں ’وہے گے‘ جو یونانیوں کی زبان پر ’راگائے‘ بنا اور آج کل رے کہلاتا ہے خطۂ میدیا میں بیان کیا گیا ہے —

* یہ رائے عام طور پر مسلم نہیں مثلاً گائیگر ایرانیانہ ویجہ یا ایران ویج کو سلسلہ پامہر میں بتاتا ہے، گائیگر کے مطابق ویندیداد کے پہلے باب میں جو کچھ معلومات فلمبند ہیں اُس کے لحاظ سے اوستا کا انتہائی مغربی علاقہ دھرکانہ (ہرکھنہ موجودہ گرگان یا جرجان) تھرتا ہے اور رنگہ (راگے) رے نزد طهران موجودہ پایۂ تخت (اور ’ورثہ‘) (چوگوشہ) کو گائیگر مشرقی حصہ ماژندران میں بتاتا ہے —

تارمشتیتر نے اس ثبوت میں کہ اوستا کی زبان وہی ہے جو میدیا کی زبان تھی لسانیات کی ایک شہادت بھی پیش کی ہے کہ فارسیء حال کا لفظ ”سگ“ (کتا) دلالت کرتا ہے کہ فارسیء قدیم میں اس کی صورت ”سکہ“ ہوگی (گو قدیم زبان کی مرقومات میں اس لفظ کا کہیں نشان نہیں ملتا)۔ مگر اُس مواد کی جس پر ہماری معلومات زبان قدیم کا دار و مدار ہے، مقدار ہی کیا ہے۔ بخلاف اس کے ہروتوتس کہتا ہے (اول - ۱۱) کہ میدیا کی زبان میں کتے کا نام ”سپاکا“ تھا جو زیادہ تر اوستا کے لفظ ”سپن“ (سنسکرت ”سون“ یونانی کیوآن) سے ملتا ہے اور تعجب کی بات ہے کہ یہی لفظ بصورت ”سپہ“ بعض ایرانی مثلاً ”قوہرود“ (نزد کاشان اور فطنز کی بولیوں میں اب تک موجود ہے)۔ جرنل ایشیاتک میں کلیہاں ہوار کے متعدد دلچسپ مضامین نکلے۔ ان کا موضوع ایرانی بولیاں تھا مثلاً یزد و سیوند کی بولی اور اُس عجیب و خاص کتاب کی زبان جس کا نام

* مذکورالصدر کتاب تارمشتیتر صفحہ ۱۳۔

† دیکھو ہماری کتاب ”ایرانیوں میں ایک سال“ صفحہ ۱۸۹

اور پولک کی کتاب ”پرشہن“ جلد اول صفحہ ۲۶۵۔

‡ جرنل ایشیاتک بابت سنہ ۱۸۸۵ جلد ششم صفحہ ۵۰۲۔

۵۴۵ ”رباعیات بابا طاہر“ ایضاً بابت ۱۸۸۸ع جلد یازدہم صفحہ

۲۹۸ - ۳۰۲ نوت ”یزد کی دری“ ایضاً بابت ۱۸۸۹ جلد چہاردم

صفحہ ۲۳۸ - ۲۷۰ ”اسلامی پہلوی“ ایضاً بابت ۱۸۹۳ جلد اول

۲۴۱ - ۲۶۵ ”سیوند کی بولی“۔

جادوان کبیر ہے اور جو پندرھویں
صدی کے بدعت طراز فرقہ صروفی •
کا صحیفہ ہے ، ان مضامین میں ہوار

ہورت اور تار مشتیتتر
کی تائید

نے خاص جدت دکھائی ہے اور تار مشتیتتر کی رائے کو بری
تقویت بخشی ہے ۔ اس نے تہام تر کوشش اس امر کے ثابت کرنے
پر صرت کردی ہے کہ متعدد زبانیں جو اس وقت ایران کے دور
اور کوہستانی اضلاع بالخصوص مغرب یعنی میدیا میں بولی جاتی
ہیں وہ نسلًا اوستا کی اولاد ہیں ، اور وہ ان کا نام ، جدید
میدوی ، یا ، اسلامی پہلوی ، + تجویز کرتا ہے ۔ اُس کی بحث
یہ ہے کہ دیگر اختلافات سے قطع نظر اوستا کی زبان میں جس
فعل کے معنی ، کرنا ، بنانا ہیں اُس کے ساتھ مادہ ، کر ، ہر
صیغے میں لگا رہتا ہے ؛ حالانکہ فارسی قدیم میں (جدید میں
بھی) اس فعل کے مضارع اور امر کے صیغوں میں گُن آتا ہے ۔
دوسرے جس مادے کے معنی بولنا ، کہنا ہیں وہ اوستا میں
'اوج' ، 'وج' ہے اور فارسی قدیم میں 'گوب' ہے ۔ اچھا اب فارسی
جدید میں (جسے ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ وہ براہ راست
فارسی قدیم کی نسل سے ہے) کردن (صیغہ امرکن) کرنا کے لئے

* رائل ایشیاتک سوسائٹی جرنل بابٹ ۱۸۹۸ نمبر جنوری
صفحہ ۶۱ تا ۹۴ میں ہمارا مضمون ”ادبیات و اصول فرقہ صروفی“۔
† فی الحقیقت یہ زبانیں عموماً آج کل کیا چودھویں صدی کے
ایرانہوں میں بھی پہلوی کے لقب سے مشہور تھیں ۔ مثلاً حمداللہ
مستوفی قزوینی نے بھی انکو پہلوی لکھا ہے ۔ مقابلہ کرو پولک کے
مقام مذکور سے —

آتا ہے اور گفتن (صیغہ امر گو، گوے) کہنا کے لئے۔ بر خلاف اس کے اول زبانوں میں جن کا مجموعی نام ہوار نے 'جدید میدوی' رکھا ہے مادہ 'کر' ہر ایک صیغہ میں باقی رہتا ہے (چنانچہ اس کا مضارع بجائے 'کنم' کے 'کرم' آتا ہے علیٰ ہذا) اور بولی یا بولنا کے لئے جو الفاظ مستعمل ہیں وہ مادہ 'واج یا اس ہی قسم کے لفظ سے مشتق ہیں جو اوستا کے 'اوج وچ' کے مطابق ہے۔ یہ معیار جس کے ذریعہ ہوار کسی ایک زیر بحث بولی کو میدوی یا پرشین (ایرانی) قرار دیتا ہے، اس دقیق خیال کے رو سے گویا اوستا کی زبان ایران میں آج تک موجود ہے اور اس کی قائم مقام وہ متعدد بولیاں ہیں جن میں بابا طاہر کی رباعیات (شروع گیارہویں صدی) اور جاویدان کبیر (پندرہویں صدی) لکھی گئی ہے اور جو فی زمانہ قوہرود اور سیوند کے علاقوں اور یزد و کرمان کے زرتشتیوں میں بولی جاتی ہیں۔ یہ نکتہ بھی بیان کے قابل ہے کہ بریزین * کی تحقیق کے مطابق 'تاش' بولی میں 'من' کے لئے 'از' آتا ہے جو بظاہر اوستا کے 'ازم' (فارسی قدیم میں 'ادم') کا بقیہ ہے۔ جو زبانیں کہ اس وقت تک ایران کے مختلف اطراف و جوانب میں رائج ہیں ان کا کہا حقہ حال (باوجودیکہ ژکووسکی +

* " ایرانی بولہوں کی تحقیقات " (قازان ' ۱۸۵۳

صفحہ ۳۱ وغیرہ) —

+ " سواد (کا شان، وانی شون، قوہرود، کش اور ظہیر کی

بولیاں) سوینٹ پیٹرز برگ ۱۸۸۸ —

نے کہاں حائفشانی سے بیش بہا سواں جمع کیا اور جزوی طور پر اس کو شائع بھی کرا دیا ہے) ابھی تک پس پردہ ہے ، تاہم امید کرسکتے ہیں کہ اہل فن کی تدقیق و کاوش اس مسئلہ پر ضرور روشنی دالیگی ۔ تارمشتیتر اپنی ایک دوسری کتاب (” مشہور افغانی گیت “ صفحات مقدمہ ۴۲-۴۵) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ زبان اوستا کی باقی ماندہ شاخوں میں سے افغانستان کی زبان پشتو یا پختو خاص شاخ ہے ، مگر بظاہر یہ قیاس اس کے پہلے قیاس کی تکذیب کرتا ہے جس کو وہ اپنی تصنیف ” ابھات ایروانیہ “ میں قائم کر چکا ہے ، گویہ بھی مہکن ہے کہ دونوں قیاسات بجائے خلاف ہونے کے ایک دوسرے کے مؤید ہوں ، پھر ہم کو یہ کہنا پڑے گا کہ —

(۱) زر تشت میدوی قوم کے مجوسی (مگوش) تھے اور وہ اپنی تعلیمات کو شمال مغرب بعید یعنی آذربائیجان سے شمال مشرق بعید یعنی باختر لے گئے جہاں انہوں نے سب سے اول شاہ گشتاسپ کو رام کیا —

(۲) آذربائیجان اور باختر بلکہ پورے شمالی ایران میں جتنی زبانیں بولی جاتی تھیں وہ ایک دوسرے سے انتہا درجہ مشابہ تھیں اور جیسا کہ تے ہارلے نے اشارہ کیا ہے —

(۳) اوستا میں گاتھا کی بولی باختر کی بولی کا نہونہ ہے اور ویندیہاد میں عام اوستائی زبان آذربائیجان کی بول چال کی یادگار ہے ، تاہم یہ باتیں سب خیالی تھیں اور مرتبے میں ایک خوشنہا قیاس سے زیادہ نہیں —

میدوی زبان کی کرید میں جن شکوک
 نے ہم کو الجھنوں میں ڈالا اسی قسم
 کے شکوک میدوی مذہب کی تحقیق

قدیم ایران کا مذہب
 اور زوراستر

میں پاؤں کے چھالے بنے ہوئے ہیں اور قطع مسافت میں قدم
 قدم پر گرائے دیتے ہیں حتیٰ کہ آج تک یہ بتی نہ معلوم ہوسکا
 کہ دور ہندھا منشی کے لوگ جو میدویوں کے جانشین ہوئے تھے
 زرتشت کے بتائے ہوئے طریق پر خدا کا نام لیتے تھے یا ان کا
 قبلہ کوئی اور تھا۔ خود زرتشت کی نسبت کہ وہ کون تھے،
 کہاں سے آئے تھے اور ان کا زمانہ کیا تھا رائے کے خلاف رائے موجود
 ہے۔ بعض کو ان کے تاریخی وجود ہی سے انکار ہے، بعض کو ان کی
 شخصیت اور وجود گاتھا میں صاف نظر آتا ہے اور وہ یقین کرتے
 ہیں کہ گاتھا کے احکام میں خود ان کے الفاظ نہیں تو کم از کم
 ان کے قریبی جانشینوں کے الفاظ ضرور موجود ہیں۔ ایک گروہ
 اس کے زمانے کو زمانہ وید بتاتا اور ۱۸ سو سے ۲ ہزار بلکہ ۶ ہزار قبل
 مسیح پیچھے لے جاتا ہے اور دوسرا گروہ مسیح سے سات سو برس
 قبل کا زمانہ معین کرتا ہے، بعض ان کی جائے پیدائش جیسا کہ
 اوپر بیان ہوچکا ہے باخترا قرار دیتے ہیں اور بعض آذر بائجان۔
 یہی حال ان کے نام پر مٹنے والوں کی روحانی کتاب اوستا کا ہے
 جس کے کم از کم ایک حصے کو تار مشقیر نے اپنے ”ترجمہ
 جدید“ [”سرمایہ تاریخ“ گیمے میوزم جلد ۲۱-۲۴ پیرس ۱۸۹۲-۱۸۹۳]
 میں بڑی کد و کاوش کے بعد قدیم الایام سے کھینچ کر مسیحی صدیوں
 میں لا ڈالا ہے۔ کچھ خیالات ہی کا یہ حال نہیں کہ ان میں
 آراء کی گونا گوں موجیں اٹھتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں،

تعصب نے اور بھی غضب دھا دیا ہے ۔ بلکہ ہالیوی کا (جو اپنے تبصرہ عالم میں فرد اور سیاحت عالم میں مرد ثابت ہو چکے ہیں) قول ہے جو اس نے راقم الحروف سے ایک گفتگو میں بیان کیا کہ نسلی مناقشوں اور قومی عداوتوں نے سائنس کی خاموش مہلکت پر یورش کر دی ہے۔ میں اور وہ ساتھ تھے اور دونوں تار مشتیٹر کی کتاب بالا پر جو اوس ہی زمانہ میں چھپکر شائع ہوئی تھی بحث کر رہے تھے کہ میں نے بصد استعجاب کہا تار مشتیٹر نے ستم کیا ہے کہ وہ اوستا کو اس قدر قریب زمانہ کا بتاتا ہے۔ کیا وہ ان کاملین فن کے پاس جو اس کو نہایت ہی قدیم عہد کی تصنیف سمجھتے ہیں اوستا کی قدامت پر کوئی دلیل نہیں۔ ”دلیلین تو کافی ہیں“ ہالیوی نے جواب دیا ”کیا ان کی نفرت جو اُن کو ساسی قوموں کے ساتھ ہے کچھ کم دلیل ہے اور کیا ان کی نخوت جو ان کو اپنے آریں نسل ہونے پر ہے کچھ بڑی وجہ ہے۔ یہ ان کی نفرت نہیں تو کیا ہے کہ وہ آریں قوم کے مقابلے میں یہودیوں کی نہ تو قدامت کو گوارا کرتے ہیں اور نہ ان کی بوتری و افضلیت کو۔۔۔ وہ حضرت موسیٰ (۴) کو گھٹا کر زرتشت کو بڑھانا چاہتے ہیں اور جہاں وہ ایک ہاتھ سے توریت کو زمیں پر پھینکنے کی کوشش کر رہے ہیں وہاں دوسرے ہاتھ سے اوستا کو آسمان کی طرف اُٹھا رہے ہیں“۔ نہایت افسوس کا مقام ہے، اگر یہ سچ ہے تو گویا وہی مذہب نسلی تعصب جو ہزارہا جراثیم کا ذمہ دار رہ چکا ہے علوم کے پاک مطلع کو بھی ناپاک کرنے لگا ہے، جہاں نفسانیت کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے۔

خیر زرتشت اور اُن کے قوانین الہامی پر گونا گوں

خیالات کا طومار بندھا ہوا ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ ہمارا مقصود نظر دور اسلاسی کی علمی اور ذہنی ترقیاں ہیں اور یہ میدان اس درجہ وسیع اور ہنوز غیر مستحقی ہے کہ ایک نہایت اولوالعزم اور نہایت محنتی شخص کی تسکین ہوس کے لئے کافی ہے۔ نیز یہ دور بہ نسبت قدیم کے اس لحاظ سے قابل ترجیح بھی ہے کہ اس کے حالات معلوم ہیں۔ اس کی تاریخیں ایسی نہیں کہ ان میں صدیوں کا اختلاف ہو اور نہ اس کے مناظر ایسے کہ ابھی باختر میں تھے کہ دفعتاً آذر بائجان میں نظر آنے لگے۔ تاہم بے انتہا واجب التعظیم ہیں وہ لوگ جو قدیم ویرانوں میں سرگردانی کر رہے ہیں کہ اپنی جانکاہ محنتوں اور بے نظیر ذہانتوں سے افسانوں سے تاریخ اور انتشار و ابترا سے نظام پیدا کر رہے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ان محققین میں سے ایک آدمہ کو انتخاب کر کے اپنا رہنما بنائیں تاکہ وہ ہم کو قدیم عہد اور اُس داستانِ پاستان کا حال سنااتا رہے جس کے معلوم کرنے کو ہمارا جی تو بہت چاہتا ہے لیکن جو ہمارے دائرۂ مقصد سے خارج ہے۔ رہنماؤں میں سب سے زیادہ معقول اور سب سے زیادہ ہوشیار ”اے۔ وی۔ ویلز جیکسن“ پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی ہے۔ جیکسن وہ فضل و تجربہ رکھتا ہے جو جرمنوں کا خاصہ ہے، وہ صفائی استدلال جو فرانسیسی علوم کی ادائے دلربا ہے اور وہ انصاف پسندی و قوت فیصلہ جو اینگلو سیکسن قوم کا مایۂ فاز ہے۔ اس کے بلند پایہ مضامین امریکن اوری اینٹل سوسائٹی کی روئداد اور امریکہ کے رسالۂ انسانیات وغیرہ

میں شائع ہوئے ہیں جن میں اس نے متذکرہ بالا مشکل مسائل اور ملت زرتشت کی تاریخ و عقائد سے بڑی کامیاب بحث کی ہے اور بالآخر اس نے ایک فاضلانہ اور قابل دید کتاب موسوم ”قدیم ایران کا پیغمبر زوراستر“ (مطبوعہ نیویارک سنہ ۱۸۹۹ع) میں اپنے خیالات کا خلاصہ لکھ دیا ہے اور اہم نتائج جو اُس نے استخراج کئے ہیں یہ ہیں:—

پروفیسر جیکسن کے (۱) زرتشت واقعی تاریخی انسان
نتائج اور فرقہ مجوسی میں سے

میدوی قوم کے ایک فرد تھے—

(۲) اُن کا زمانہ حضرت مسیح سے تقریباً
سارے چھ سو سال پہلے کا تھا یعنی
اُس وقت میدیا کی سلطنت قائم تھی
اور ہنحامنشی خاندان کا وجود
نہ ہوا تھا۔ ستتر برس کی عمر کو
پہونچ کر تقریباً سنہ ۵۸۳ ق م میں
وفات پائی—

(۳) اُن کا وطن تو مغربی ایران (آذر بائجان
یا میدیا) تھا لیکن پہلی اور عظیم الشان
کامیابی ان کو باختر (بلخ) میں ہوئی
جہاں انہوں نے شاہ وشٹاسپہ (گشتاسپ)
کو اپنے حلقہ میں داخل کیا—

(۴) ’گاتھا‘ جو مسلم طور پر اوستا کا
سب سے پرانا حصہ ہے اُن کی بلخی

تعلیم و تلقین کی اہم باتوں پر شامل ہے۔
 (۵) باختصر سے اُن کا مذہب بہ سرعت تھام
 سارے ایران میں پھیل گیا اور بعد کے
 ہنہا منشی اورنگ نشینوں کے عہد
 میں خطہ فارس میں بڑا زور پکڑ گیا
 تھا۔ لیکن ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ اُس
 کا قدم فارس میں کب آیا اور وہاں کے
 مالکان تاج و تخت اور رعایا کو اپنا
 کلمہ گو کب بنایا —

ہر چند کہ یہ استدلالات ہر ایک محقق کے نزدیک مسلم
 نہیں مگر راقم کی رائے میں شہادت زیادہ تر ان ہی کی
 جانب مائل ہے، بالخصوص فتوحات اسلامی کے بعد ہی جو روایات
 کہ ملک میں پھیلی ہوئی تھیں اور جن کا ماخذ دور ساسان کی
 روایات تھا ان استدلالات کی حاسی اور مصدق ہیں۔

استدلالات بالا کہانتک	اس مقام پر اتنا لکھ دینے میں کوئی
معقول ہیں	ہرج نہیں معلوم ہوتا کہ جس اسکول

سے جیکسن کا تعلق ہے چونکہ وہ اس امر کا عادی نہیں کہ
 قطع و برید کے بعد واقعات کو بیان کرے اس لئے بہ گمان ظاہر
 یہ غالب نہیں کہ اس اسکول کے حاسی زوراستر کے زمانے کو
 غایت درجہ قریب کا زمانہ تجویز کریں۔ رہا یہ پہلو کہ اُن کا
 مذہب میتیا ذہی خاک سے پیدا ہوا اس کی بابت گائیگر کو
 تار مشدیتور اور جیکسن سے اتفاق رائے ہے کہ اگرچہ اوستا کی
 زبان شمال و مشرق ایران یعنی باختصر کی زبان ہے لیکن جیسا

کہ ہر ایک پارسی روایت سے ثابت ہے باختہر میں اُس کے اصول و عقاید میتدیا سے آئے اور اُن کے لانے والے آتہروں یا (آذربان) آتش پرست پجاری تھے جو بلا اختلات شہال و مشرق کے صحرا نورڈ مبلغان مذہب بیان کئے جاتے ہیں مگر جن کا وطن رے اور میتدیا کہا جاتا ہے ۔ اس مسئلے کے سلسلے میں تارمشتیتر * ایک پر لطف نکتہ کی طرت متوجہ کرتا ہے کہ لفظ 'موغو' اوستامیں لفظ مجوسی کو دیکھو (جس سے مجوسی سے نکلا ہے) کہ کا معنی خیز استعمال | ید اوستا (مسلما ۴۴-۲۵) میں صرف

ایک مقام پر آیا ہے اور وہ بھی مرکب یعنی 'موغوطیش' کی صورت میں جس کے معنی "مجوسیوں سے نفرت کرنے والا یا ان کا ستانے والا" ہے ۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایران خاص کے باشندے ان لوگوں کے خون کے پیاسے اس لئے نہ تھے کہ وہ آتہروں یعنی تعلیم زرتشت کے منادی کرنے والے تھے بلکہ اُن سے اس لئے خار کھائے ہوئے تھے کہ وہ میتدوی قوم کے مجوسی تھے جن کی حکومت کے کھندروں پر اہل فارس کی حکومت قائم ہوئی اور جن کے علم بغاوت نے ابتدائی ہنحامنشی دور میں اہل فارس کا فاک میں دم کر دیا تھا خصوصاً مجوسی (مغوش) گوماتہ کے انحرات نے جو اپنے آپ کو سائرس کا بیٹا بردیہ (سہرڈیز) مشہور کر کے تغت ایران کا دعویدار بن بیٹھا تھا اور جس کو خود دارا نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا ؛ یہ واقعہ

* دیکھو مشرق کی کتب مقدسہ میں اوستا کا ترجمہ جلد اول صفحات مقدمہ ۵۱ - ۵۲ ، (اؤکسفورڈ ۱۸۸۰ء)

دارا بادشاہ نے بے ستون پر کندہ کرایا جس
فرضی سمورتیز کے الفاظ یہ ہیں:—

”کہتا ہے بادشاہ دارا کہ اس کے بعد ایک

شخص ہوا، مجوسی گو ساتھ فاسی، وہ ”پیسی

آواں سے“ اُٹھا جو وہاں کے ایک پہاڑ سے ہے

جو آرکدرس کہلاتا ہے۔ ویخنہ کا

کتبہ دارا کا حوالہ

تب وہ اُٹھا۔ اُس نے لوگوں کو بھکانا شروع

کیا کہ میں، بردیہ ہوں سائرس (کورو)

کا بیٹا اور ’کم بی سیز‘ (کمبوجیہ) کا بھائی۔

اُس پر لوگوں نے ’کم بی سیز‘ کے خلاف

بغاوت کی، فارس اور میتیا، اور ہر ایک صوبے

کے باشندے اُس کے پاس جمع ہو گئے۔ اُس نے

تخت چھین لیا: یہ ماہ گرم پدا کا نواں دن

تھا جب کہ اُس نے تخت چھینا، اُس پر

کم بی سیز نے خود کشی کر کے اپنا کام تمام

کر لیا—

کہتا ہے بادشاہ دارا کہ یہ تخت جو

گوماتہ نے کم بی سیز سے لے لیا تھا یہ

تخت قدیم سے ہمارے خاندان میں چلا آتا

تھا۔ پس گوماتہ مجوسی نے کم بی سیز

سے فارس، اور میتیا اور دیگر صوبے لے لئے۔

ان کو اُس نے غصہ کر لیا اور بادشاہ

بن بیتھا —

کہتا ہے بادشاہ دارا کہ نہ تو فارس
میں نہ میدیا اور نہ ہمارے خاندان میں
کوئی ایسا شخص تھا جو گوماتہ مجوسی سے
تخت کو بہ زور شمشیر واپس لے سکتا :
لوگ اُس سے دترتے تھے کیوں کہ اُس نے بہت
سے لوگوں کو جو اُس کو پہلے سے جانتے تھے
قتل کر دیا تھا ، قتل کا سبب یہ تھا کہ کہیں
وہ اُس کو پہچان نہ لیں کہ وہ سائرس کا
بیتا بردیا نہیں ہے ۔ اس گوماتہ مجوسی کی
نسبت کوئی شخص ایک حرت منہ سے نہیں نکال
سکتا تھا یہاں تک کہ میں کھڑا ہوا ۔ پھر
میں نے 'اھرمزد' سے استعانت چاہی ۔ اھرمزد
نے میری مدد کی : باگہ یاوش ، مہینہ کی
دسویں دن میں نے چند آدمیوں کو لے کر گوماتہ
مجوسی اور اُس کی جان نثاروں کو تہ تیغ
کر دیا ۔ میدیا میں ایک قلعہ ہے
سیکھتووش نام ، نسایہ کے اضلاع میں : یہیں
میں نے اُس کو قتل کیا : میں نے بادشاہت کو
اُس سے واپس لے لیا اور اھرمزد کے فضل سے
میں بادشاہ بن گیا : اھرمزد نے مجھے کو
بادشاہت عطا کی —

کہتا ہے بادشاہ دارا جو سلطنت کہ

ہمارے خاندان سے نکل گئی تھی اُس کو میں
 نے واپس لے لیا، اس کو اُس کی جگہ قائم کیا
 اور جیسی تھی ویسا ہی کر دیا: عبادت گاہیں
 جن کو گوماتہ معجوسی نے تاراج کیا تھا
 انہیں میں نے لوگوں کو دوبارہ سپرد کیا،
 بازار، مویشیوں کے کُلے اور مکانات جو گوماتہ
 معجوسی نے چھین لئے تھے وہ قبائل وار
 اُن کے مالکوں کو واپس پہنچائے۔ میں نے
 باشندوں کو اُن کے سابق وطنوں میں آباد کیا،
 یعنی فارس میتدیا اور دیگر صوبوں میں۔ اسی
 طرح میں نے ہر شے کو جو غصب کر لی گئی
 تھی، اُس کی جگہ پر پہلی حالت میں
 پہنچایا۔ اہرمزد کے فضل سے میں نے یہ
 کام انجام دیا، میں اس وقت تک جدوجہد
 کرتا رہا جب تک کہ میں نے اپنی قوم کو
 اس کی گزشتہ عظمت پر نہ پہنچا دیا۔
 پس اہرمزد کے فضل سے میں نے قوم کو اُس
 کی سابق حالت پر پہنچایا جب کہ گوماتہ
 معجوسی نے ابھی اس کو ہڑپ نہ کیا تھا۔
 کہتا ہے بادشاہ دارا یہ ہے جو کچھ کہ میں
 نے کیا جب کہ میں بادشاہ ہوا —

اہل میتدیا اور ایرانیوں کی پولیٹیکل خصومت کی صرف
 یہی مثال نہیں نو (۹) مدعیان تخت میں سے جن کو دارا نے ۱۹

لڑائیوں میں شکست دیکر اسیر کیا گوما تہ مجوسی پہلا مدعی

مہ عیان دیگر | تھا مگر اکیلا یہی نہ تھا ۔ فراور تیش نے بھی
اہل میتدیا کو جنگ و سرکشی پر ابھارا مگر

وے میں پکڑا گیا اور قطع اعضا کے بعد ہمدان میں جو میتدیا
کا قدیم پایۂ تخت تھا صلیب پر چڑھا دیا گیا ، فراور تیش کا
دعویٰ تھا کہ میں ہوو خشتہ [جسکو ہرو توئس نے سیا کر بس
اور میتدیا کا تیسرا فرما روا لکھا ہے] کی نسل سے ہوں ، اسی
طرح چتر تخبہ نے سگربتہ میں سرکشی کا جھنڈا بلند کیا مگر
گرفتار ہوا اور اربیل [اربیرہ] میں صلیب پر جان دی ۔ ہم اس
سے انکار نہیں کرتے کہ سپہ سالاران افواج میتدیا نے دارا کے
میدان لڑے اور نہک حلالی کا ثبوت دیا ، قاہم یہ ماننا پڑتا ہے
کہ اس زمانے میں اہالیان میتدیا و ایران کے درمیان کچھ ایسی
ہی پر خاش تھی جو ایدورہ بادشاہوں کے عہد حکومت میں
انگریزوں اور اسکاٹ لینڈ کے باشندوں کے مابین تھی ۔ گو
قومیت اور زبان کے اعتبار سے یہ دونوں ایک تھے اور غالباً
مذہب بھی ایک تھا لیکن دلوں کا سیاسی بیر اوس زمانے
میں تاریخی انقلاب کا باعث اعظم ہوا ، اور تار مشیت کی
رائے کے مطابق جنوب ایران کے ایرانی جہاں اہل میتدیا کو
بحیثیت پجاریوں کے ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے
بلکہ مذہبی رسوم کو تہیک طور پر ادا کرنے میں اُن کا وجود
ناگزیر سمجھتے تھے و ہاں اُن کے خلاف نفرت و خصومت بھی
اسی قدر شدید رکھتے تھے —

بیان کر چکے ہیں کہ ہمارا اصل موضوع
ایران میں اسلامی دور کی علمی اور ذہنی
ترقیات یا بالفاظ دیگر علم و ادب کی

میتھری دور سے قبل کے
تاریخی حالات ملتے ہیں

وہ تاریخ ہے جو گزشتہ ایک ہزار سال پر مشتمل ہے اور اس سے
قبل کے صرف وہ حوالجات جو تصریح موضوع کے لئے ضروری
ہوں۔ لہذا جن ازمئے سابقہ پر ہم یہاں بحث کر رہے ہیں
ان کی تفصیل دور از محل ہوگی۔ اس باب میں ہم کو دولت
میتھری کے آغاز [سنہ ۷۰۰ ق م] تک جانا پڑا ہے جہاں سے یہ کہہ سکتے
ہیں کہ ایران کا تاریخی دور شروع ہوتا ہے لیکن اس کا امکان
ہے کہ قدامت کی تاریکیوں میں اس سے بھی پہلے زمانے کے حالات
معلوم کئے جاسکیں۔ جیسا کہ اسپر گل نے اپنی نایاب کتاب
”ایران قدیم کے حالات“ [سہ جلد مطبوعہ لیپزگ سنہ ۱۸۷۱-
۱۸۷۸ ع] میں کئے ہیں۔ اس متنازعہ فیہ مسئلہ کو ایک طرف
تالیں کہ آریں ایک اصلی قوم تھی اور وہ اپنے عام مرکز سے
بکھر کر ادھر ادھر پھیل گئی، اور پھر دیکھیں تو کم از کم
اتنا وثوق کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں ایرانی
اور ہندی دونوں ایک متحدہ قوم تھے اور پنجاب کے کسی حصے
میں آباد تھے۔ ان کی علیحدگی اور انتشار کے اسباب پر
میکس ملر* نے جو قیاس کمال جدت کے ساتھ پیش کیا تھا وہ
ہمارے خیال میں عام طور پر مسترد کر دیا گیا ہے لیکن یہ
قیاس اس درجہ دلکش ہے کہ یہاں اس کو قلم انداز کرنا ستم ہے۔

* دیکھو منتخب مضامین از میکس ملر، جلد دوم

صفحہ ۱۳۲-۱۳۴ لندن (۱۸۸۱ ع)

مختصراً میکس ملر کا قیاس وید اور
میکس ملر کا قیاس | اوستا کی چند مذہبی اصطلاحات پر

دار و مدار رکھتا ہے۔ یہ اصطلاحیں اگرچہ اشتقاق کے لحاظ سے ایک ہیں لیکن معانی کے لحاظ سے ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سنسکرت میں لفظ ”دیو“ (منور) کے معنی دیتا ہے اور ”دیوان ذکر“ یا ”ہستیان منور“ ہندوؤں کے دیوتا ہیں۔ برخلاف اس کے اوستا میں ”دیوا“ فارسیء جدید میں ’دیو‘ کے معنی شیاطین کے آئے ہیں، چنانچہ جب ایک پارسی اقرار ایہاں کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ”میں دیووں کی پرستش ترک کرتا ہوں“؛ وہ ان دیووں یا ہندو دیوتاؤں کو خیرباد کہتا ہے اور ہرمزد کا بندہ بن جاتا ہے۔ فن اصوات کی تحقیق یہ ہے کہ فارسی کی ’ہ‘ سنسکرت کا ’س‘ ہے، (مثلاً ایرانی جس کو ہند کہتے تھے وہ سنسکرت کا سندھ ہے اور یہی حصہ ملک تھا جس سے قدرتی طور پر ایرانی خوب واقف تھے) پس اوستا کا ”اھورہ“ سنسکرت کا ”اسورہ“ ہے جس کے سنسکرتی معنی ارواح خبیثہ ہیں۔ صرت ان دو چھوٹے چھوٹے لفظوں سے میکس ملر نے زرتشت کی ایک زندہ تصویر کھڑی کر دی کہ وہ مصلح تھا، پیغمبر تھا اور جب کہ ہنوز ایرانی اور ہندو دو حصوں میں تقسیم ہو کر منتشر نہ ہوئے تھے تو وہ مبعوث ہو چکا تھا، نیز اس نے کثرت و اشیا پرستی کی مبتذل حالت کے خلاف، جس نے رفتہ رفتہ قدیم و پاکیزہ تر خیالات کی جگہ لے لی تھی، صدا بلند کی۔ غرض مخالفت میں آکر زوراستر نے ہندو دیوتاؤں کو جنہیں وہ ستانا چاہتا تھا،

اپنے نظام مذہب کا شیاطین بنا دالا اور بالآخر کسی قدیم سن (ہجرت) میں ”سخت گردن پرستاران دیواں“ سے جدا ہوا اور اپنے متبعین جان نثار کو ہمراہ لے کر مغربی اضلاع میں آنکلا جن کا نام ہم نے ایوان رکھ لیا ہے اور یہیں برد و باش اختیار کر لی۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اس قیاس کا بہت کچھ انحصار اس خیال پر ہے کہ زوراستر کا وطن باختر میں ہے اور یہ خیال وہ ہے جو ویندیداد کے فروگرد اول پر قائم کیا گیا تھا اور عرصہ راز تک خاص کر جرمنی میں مسلط رہا۔

اوستا کی تالیف و ترتیب کے متعلق بعض حالات ہم کسی اور مقام پر بیان کریں گے۔ اس موقع پر یہ بیان کرنا کافی ہوگا کہ ”ویندیداد“ اوستا کا وہ حصہ ہے جس میں احکام شریعت اور مذہبی روایات درج ہیں، یہ حصہ توریت کے پہلے پانچ حصوں کے مثل اور ۲۲ فروگرد یا بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلا باب اہرمزد کی مخلوقات اور انرامینیو (اہرمز - شیطان) کی مخالف مخلوقات سے بحث کرتا ہے اور مندرجہ ذیل ۱۶ ممالک کا حال بتلاتا ہے جن کو اہرمزد نے پیدا کیا ہے:-

(۱) ”ایرینیہ ویجو“ نزد با برکت دریائے دائیتا“ (اس کا تھیک پتہ نہیں چلتا کہ کہاں ہے تاہم اس حصے کو دور ساسان کا دریائے ارک زیز یعنی موجودہ آذر بائجان شناخت کیا جاتا ہے)۔

(۲) ”سغدہ“ (سغدیانہ، سغد)۔

(۳) ”مورو“ (مرجیانہ، مرو)۔

(۴) ”باخدی“ (باختر، بلخ)۔

(۵) ”نسایہ“ (پارتھیہ کا دارالحکومت یعنی موجودہ نسا واقع خراسان جو سرخس سے ۲ اور مرو سے ۵ دن کی مسافت ہے)۔

(۶) ”ہرویو“ (ہرات)۔

(۷) ”وے کرتیہ“ (پہلوی شرح میں اس نام کو کابل شناخت کیا گیا ہے)۔

(۸) ”اروا“ (کہتے ہیں کہ طوس کا نام تھا)۔

(۹) ”ویہرکانہ“ (موجودہ گرگان یا جرجان)۔

(۱۰) ”ہوہ واٹتی“ (اراخوتوس) اور

(۱۱) ”ہے تومنٹ“ (دونوں دریاے ہیلہند کے قرب و جوار

میں ہیں)۔

(۱۲) ”رگہ“ (’رے‘ موجودہ پایہ تخت طہران کے قریب)

(۱۳) ”چخڑہ“ (غالباً ابن خردادبہ * کا شرح یا جرج ہو‘

بخارا سے چار فرسنگ پر ہے)۔

(۱۴) ”چوگوشہ ورینہ“ (غالباً البرز کے گرد و نواح سے

مراد ہے)۔

(۱۵) ”ہیت ہیندو“ یا ہفت دریا (پنجاب)۔

(۱۶) ”وہ حصہ جو دریائے رنہہ کی طغیانوں کے نزدیک

ہے اور جہاں کے باشندے بے سردار کے زندگی بسر

کرتے ہیں“۔

کائیگر اور دیگر محققین خیال کرتے ہیں کہ یہ نہرست مقامات قدیم ایرانیوں کا سفر نامہ ہے گویا جب وہ ابتداءً ہند - ایرانی گروہ سے، جن کا وطن پامیر کا علاقہ تھا، جدا ہوئے اور ایران میں داخل ہوئے تو انہوں نے اُن اُن مقامات میں نقل مکان کیا - تارکان وطن کی پہلی جماعت مغرب کی جانب سغد، سرو، بلخ، نسا اور ہرات میں پھیل گئی؛ دوسری جماعت نے جنوب اور جنوب مغرب میں پنجاب، کابل اور اضلاع ہلمند کا رخ کیا جو ذرا دلیر تھے وہ مغرب کی طرف بڑھتے چلے اور 'جرجان' و 'رے' میں آباد ہو گئے۔ لیکن یہ ترتیب مقامات چوں کہ اپنے ساتھ جغرافیائی ثبوت نہیں رکھتی اس لئے نوق کے لائق نہیں ہے۔ بظاہر اس کا امکان ہے کہ یہ نہرست مقامات ایرانیوں کے ملکی فتوحات نامہ کی بجائے مذہبی اشاعت نامہ ہو اور اگر 'ایریافہ و یجو' زیادہ یقینی طور پر 'آذربایجان' کا قدیم نام ثابت ہو جائے تو ہمارے اس خیال کو نہایت تقویت پہنچ جائے گی اور جس نظریہ کو ہم قرین قیاس کہہ چکے ہیں اُس کے ص سے بھی کوئی حجت باقی نہیں رہے گی، یعنی یہ کہ ^۱اظ کر کے اعلم و فضل و توجہ ظاہر اصلی جنم بیوم شمال مغرب بعید ہے اور اس کو ختم کرنا خاص کر ارسطو سے پہلا مقام شمال مشرق بعید - تاریخ شاہ ہے کہ تارک اسی کے ذریعے مذہب کو اپنے وطنوں میں کامیابیاں لاتا ہے پھر دھرا دبانوس ہوا - عربی ثبوت کی ضرورت ہے (اندوایرین) دور -

زرتشتی مذہب کے لئی دور -

آسوری اثرات | ہند - ایرانی اور قدیم ایرانی دوروں کے بعد
ایران پر اثر تالنے والا ایک اور زمانہ ہے جسکو

محقق اشپیگل * نے کہاں دقیقہ سنجی سے دریافت کیا ہے اور اس پر بحث بھی کی ہے ، یہ آسوری دور ہے اور اشپیگل اس کا آغاز ایک ہزار برس قبل مسیح بتاتا ہے ۔ آنکھوں کو اس زمانے کا اثر ہنکا منشی دور کے کتبات و کندات میں صاف نظر آتا ہے بلکہ اشپیگل کی تحقیق کے مطابق ایران کے متعدد آئین مذہب ، روایات اور افسانوں میں بھی پایا جاتا ہے اور اس کو آریں کی بجائے سامی قرار دینا صحت سے زیادہ قریب ہے۔ عجیب بات ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں سامی اثر ایران پر بغایت چھایا ہوا ملتا ہے ، اواخر ساسان اور دور اسلام میں عربوں کا اثر تھا ، اوائل ساسان اور اواخر پارتھیہ میں آرامی اور اس سے قدیم تو ازمہ میں آسوریوں کا ۔ یہ اس درجہ روشن ہے کہ اس کے تسلیم کرانے کے لئے زیادہ اصرار کی ضرورت نہیں ؛ اس کے باوجود لسانی و نسلی تعلقات کو ادبیات و مذہب ^۴ات کے مقابلہ میں زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے !

غلہ نظر ہے جو خالص لسانی تحقیقات سے پیدا

۲ فارسی زبان کے مطالعہ میں کونا کون

۱۔ انگلستان میں عبرانی کی تعلیم کم ہے

کی وسیع تعلیم سے کوئی نسبت نہیں

۱۱۔ اسکاٹ لینڈ کے ایک

۴۴ تا ۴۸۵ ” ایرانی

پہلا موقعہ۔“

”کووے فین گر“ (پابند عہد) ”یا انگلستان کے ایک پیوری ٹن“ (پابند شرع) کے محرکات و طرز عمل کو سمجھنے کے لئے انجیل کی معلومات اسی قدر ضروری ہے جس قدر کہ یونانیوں کے ادبیات قدیم (کلا سکس) کی واقیفت - ایران کی نسبت بھی جہاں علم و ادب اور آئین و مذہب کے لحاظ سے ساسی اثرات نے برے پیمانے پر تسلط جمایا یہ قول زیادہ صیح طور پر صادق آتا ہے۔ اگر خیالات و ادبیات عجم کے مطالعہ کی غرض سے ضروری سامان فراہم کرتے وقت ہمارے سامنے یہ سوال پیش کیا جائے کہ اس کام کی استعداد کے لئے ساسی اور آریں زبانوں میں تم کس زبان پر کا تبصر زیادہ پسند کرو گے تو ہم فوراً صرف اس خیال کی بنا پر جو ابھی بیان ہو چکا ہے السنۃ ساسی کو بلا تامل ترجیح دیں گے۔ کیونکہ پہلوی کی تحقیق کے واسطے آریں زبانوں کا علم لازمی ہے اور ایران کے مابعد اسلامی خیال و ادب کا نتیجہ خیز تفحص عربی کتابوں کو چاہئے بغیر ناممکن ہے۔

بغلات اس کے ان دونوں اغراض کے لئے سنسکرت کا جاننا عملاً بے سود ہے بلکہ اوستا کی شرح و وضاحت میں بھی اس سے بھی کو روک تھام کے اور پہلوی روایات کا پورا لحاظ کر کے اعلم و فضل کرنا چاہئے۔

اس تمہیدی باب کو ختم کر دیا خاص کر ارسطو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاں اسی کے ذریعے ان مختلف دوروں کو بشکل عنوانات پھر دہرا دہاںوس ہوا۔ عربی

(۱) ہند - ایرانی (اندوایرین) دور—

(۲) قدیم ابتدائی دور—

- (۳) آسوری اثرات کا دور (ایک ہزار قبل مسیح یا اس سے بھی پہلے کا، دیکھو صفحہ بالا ۲۰) —
- (۴) میدوی دور (سنہ ۷۰۰ قبل مسیح) —
- (۵) قدیم ایرانی (ہنکا منشی) دور (سنہ ۵۵۰ ق م) —
- (۶) وقفہ یعنی سکندر کے حملے سے ساسانی عروج تک کا زمانہ (سنہ ۳۳۰ قبل مسیح سے ۲۲۶ عیسوی تک) —
- (۷) ساسانی دور (۲۲۶ - ۶۵۲ ع) —
- (۸) اسلامی دور یعنی ساسانیوں کے زوال سے آج تک —
- ان میں سے آخری دور ہمارا خاص مطمح نظر ہے اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اس دور میں سے اور بہت سی اہم شاخیں نکلتی ہیں، مگر اس پر قلم اُٹھا نے سے پہلے ادبیات فارسی قدیم، اس کا افکشاف اور چند دیگر مسائل متعلقہ کی بحث آئندہ باب میں ختم کر دینی ضروری ہے۔



باب دوم

ایران قدیم کے کتبہات اور مرقومات کا افکشاف،
 اُن کے معانی و مطالب کا تعین
 اور دیگر مسائل زبان



یورپ اور عام	اس باب میں مختصر طور پر ہنہا منشی
مشرقیہ	کتبوں کی ”فارسیء قدیم“ ”زبان اوستا“

اور ”دور ساسانیہ کی پہلوی“ سے بحث کی جائے گی لیکن
 یاد رکھنا چاہئے کہ یورپ میں ان تینوں زبانوں کے معات
 حل کرنے سے بہت پہلے جدید یا ما بعد اسلامی فارسی کو دلچسپی
 اور مطالعے کا موضوع بنا لیا گیا تھا؛ یہ صورت قدرتی اقتضا
 اور عملی ضرورت پر مبنی تھی مگر فارسی جدید سے بھی
 پہلے عربی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا اور ارباب علم و فضل
 اس زبان کے لئے فارسی سے کہیں زیادہ اشتیاق و توجہ ظاہر
 کرتے تھے، سبب یہ تھا کہ اس میں اہل یونان خاص کر ارسطو
 کا فلسفہ محفوظ تھا اور مغربی یورپ اول اول اسی کے ذریعے
 سے یونانی علم و حکمت سے پورے طور پر مانوس ہوا۔ عربی

سے یورپ کی زبانوں میں جو تراجم ہوئے وہ بارہویں صدی کے شروع میں سب سے پہلے اُن سرور اور یہودی لوگوں نے کئے تھے جنہوں نے دین مسیح اختیار کر لیا تھا۔ ان کے بعد ترجمہ کا کام

بارہویں صدی

خود اہل یورپ نے سنبھالا، سب سے پہلا مترجم جرارت قرمونی (ولادت سنہ ۱۱۱۴ع) تھا۔ دوسرا البرتس میگنس (ولادت سنہ ۱۱۹۳ع) جو عربی لباس پہن کر پیرس میں فارابی، ابن سینا اور الغزالی کی تصنیفات کی مدد سے ارسطو کی تعلیم پر لیکچر دیا کرتا تھا۔ تیسرا میکائیل اسکات، اس کی عربی تعلیم غالباً سنہ ۱۲۱۷ع میں بہ مقام طلیطلہ ہوئی تھی۔

* قدیم مستشرقین کے متعلق دلچسپ اور مبسوط معلومات جن کتابوں میں ملتی ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) ”گئے لیا اورینٹ تے لس“ مصنفہ پال کاوسے (اپہرا)

ہیمبرگ سنہ ۱۷۰۹، صفحات ۱-۲۷۲

(۲) ”تاریخی حالات“ یہ حالات نہایت عمدہ ہیں

گستاو وگا نے اپنی مفید کتاب ”مستشرقین یورپ“

۱۲ تا ۱۹ویں صدی“ (پہرس ۱۸۶۸ع) میں ان کو

شامل کیا ہے، ہم نے کتاب مذکور سے اس حصے میں

بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔

(۳) موسیو یورداں کا رسالہ جس میں مسائل ذیل کی

ناقدانہ تحقیق کی گئی ہے۔ کتب ارسطو کے تراجم

لاطینی کا زمانہ کیا تھا اور مترجمین کون تھے اور

کون کون سی یونانی اور عربی شروح جو نصاریٰ کے

علماء متکلمین کے درمیان متداول تھیں۔

تیرھویں صدی میں راجر بیکن اور ریمنڈ لیل نے اہل یورپ

کو سمجھایا کہ فلسفے اور سائنس کے لئے

مشرقی زبانوں کا سیکھنا نہایت ضروری

تیرھویں صدی

ہے۔ سنہ ۳۱۱-۱۳۱۲ ع میں پوپ کلیمنٹ پنجم نے یہ فرمان

فاقد کیا کہ عبرانی، کلدانی* اور عربی کی تعلیم کے لئے

روما، پیرس، بولون، آکسفورڈ اور سلینکا میں انتظام اور

پروفیسروں کا تقرر کیا جائے، لیکن تیرہ

چودھویں صدی

برس نہ گزر نے پائے تھے کہ سنہ ۱۳۲۵ ع

میں کلیسا نے اس پر شدید نگرانی شروع کر دی کہ مبادا

مسیحی اعتقادات کو صدمہ پہنچے۔ ان پانچ تعلیم گاہوں

میں ہر جگہ دو دو پروفیسروں کی منظوری تھی جن کی

تفصواریں حکومت یا کلیسا کے ذمے تھیں اور جن کا کام یہ تھا

کہ وہ ان زبانوں کی مشہور و بہترین تصنیفات کا لاطینی

زبان میں صحیح ترجمہ کریں اور اپنے شاگردوں کو اغراض

اشاعت عیسویت کے لئے ان کا بولنا سکھائیں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستحسن

تجاویز ابتداءً کامیاب نہ ہوئیں اور

سولہویں صدی

تعلیم عربی میں کوئی معتد بہ ترقی نہ ہو سکی جب تک کہ

فرانسس پنجم نے سنہ ۱۵۳۰ ع میں ”کالج دے فرانسیس“ کے نام سے

ایک درسگاہ قائم نہ کی۔ ہر چند کہ آرمے گنڈ مون پی لیسے†

* آرامی۔

† مصنف لکھتا ہے : جہاں تک مجھے معلوم ہے فرانسیسوں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

نے سنہ ۱۲۷۴ ع میں مصنفات بو علی سینا اور ابن رشد کے بعض اجزا کا ترجمہ لاطینی میں کیا تھا مگر ایم توگا کی یہ رائے ہے کہ ولیم پوسٹل* پہلا فرانسیسی تھا جو ”مستشرق“ کے معزز لقب کا مستحق ہے اور بظاہر یہی وہ شخص ہے جس نے پہلے پہل عربی ٹائپ ایجاد کیا۔ سنہ ۱۵۸۷ ع میں ہنری سوم نے کالج دے فرانس میں عربی پروفیسر کی اسامی قائم کی۔ اس کے چند سال بعد سیویر دے بریو فرانسیسی سفیر ہو کر قسطنطنیہ گیا۔ سیویر کو علوم مشرقیہ کا خاص ذوق تھا، اس نے مشرق میں عہدہ ٹائپ بنوائے اور انہیں پیوس لے گیا، جب وہ مرا تو ٹائپ کا یہ تھام سامان جس میں عربی، سریانی، فارسی، ارمنی اور حبشی ٹائپ شامل تھا سیویر کے عربی، ترکی، فارسی اور شامی مخطوطات سمیت لوی سیزدہم نے پادریوں کی مالی امداد سے خرید لیا اور شاہی مطبع کے حوالے کر دیا —

لیکن فنون مشرقیہ کی تکمیل سترھویں
سترھویں صدی | صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے اور
اُس وقت سے اب تک ترقی مسلسل و مستقل چلی جاتی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷)

میں آرمے گلدس پہلا شخص ہے جس نے السلۃ مشرقیہ کی تعلیم حاصل کی۔ طبیب تھا اور فلپ ابن سیلٹ لونی کے عہد ۱۲۰۰ میں ہوا ہے۔

* ۹۵ یا ۹۶ برس کی عمر پا کر سنہ ۱۵۸۱ ع میں فوت ہوا، دیکھو گھلیہ اورینٹ ٹے لس صفحہ ۵۹ تا ۶۹۔

مثلاً اس صدی میں سوطاس ایڈمز اور آرچ بشپ لات کی کوششوں سے تعلیم عربی کی دو اسمیاں ایک تو کیمبرج (۱۶۳۲ع) اور دوسری اکسفورڈ (۱۶۳۶ع) میں قائم ہوئی۔ اکسفورڈ میں علامہ پاکاک کا تقرر کیا گیا اور کیمبرج میں علامہ ابراہیم رھیلاک کا جس کے متعلق عربی اور انگلو سیکسن کی تعلیم کے علاوہ یونیورسٹی لائبریریوں کی خدمت بھی تھی۔ رھیلاک کے شاگردوں میں مشہور علامہ طامس ہائڈ تھا جو

طامس ہائڈ

بعد میں بمقام اکسفورڈ عبرانی و عربی کا پروفیسر ہوا۔ ہائڈ کی تالیف ”قدیم اہالیان عجم و پارتھیہ و میدیا کی تاریخ مذہب“ کو، جو مؤلف کی وفات سے * کچھ بعد ایک سال پہلے سنہ ۱۷۰۰ع میں طبع بھی ہو گئی تھی، سترھویں صدی کے اختتام میں اس موضوع پر علماء کے انتہائی مبلغ علم کا ایک نمونہ سمجھنا چاہئے بلکہ اس کے بعد تک کا۔ کیونکہ آنکٹیل تے پیروں کے فوائد علمیہ جن سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے سنہ ۱۷۶۳-۷۱ میں شائع ہوئی۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس موضوع کی ابتدا ہائڈ کے خیالات سے کریں کیونکہ اس کی محنت و دقیقہ سنجی، علم و تبصر اور کھالات لسانی کی بدولت اس کی کتب اُس زمانے کی معلومات کے لحاظ

* ہائڈ نے ۱۷۰۱ع میں بولڈین کے عہدہ لائبریریئر سے سبکدوشی حاصل کی اور ۱۸ فروری سنہ ۱۸۰۲ع میں رحلت کی، یہاں جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ”تاریخ مذاہب...“ (مطبوعہ ۱۷۶۰) طبع ثانی ہے۔

سے جامع و مکمل ہے؛ ہائتد کو ایک سہولت یہ بھی تھی کہ وہ بوتالین کا مہتمم کتب خانہ تھا، اُس نے قدما کی جن کتابوں سے استفادہ کیا وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:—

(۱) ”سہ کتب“ (مطبوعہ پیرس ۱۹۳۰) از بر نابی تے

بریسون، اس کتاب کے ماخذ خالص طور پر یونانی

اور لاطینی مصنفین کے بیانات ہیں—

(۲) ”مذہب پارسیاں *“ سنہ ۱۹۳۰ ع از

ہنری لارے—

(۳) ”موجودہ ایران“ از سانسون—

(۴) سفر نامہ پیٹرو ٹیکسرا (سنہ ۱۹۰۴ ع) —

(۵) سفونامہ پیر گبریل تے شی نوں (سنہ ۱۹۰۸-۱۹۵۰ ع) —

(۶) سفر نامہ تے ورفیر (سنہ ۱۹۲۹ - ۱۹۷۵ ع) —

(۷) اولی اے ری اس (سنہ ۱۹۳۷ - ۱۹۳۸ ع) —

(۸) سفر نامہ تھوے نو (سنہ ۱۹۹۴ - ۱۹۹۷ ع) —

(۹) سفر نامہ شاردان (سنہ ۱۹۶۵ - ۱۹۷۷ ع) —

(۱۰) سفر نامہ پیٹتی تے لاکرا (سنہ ۱۹۷۴ - ۱۹۷۶ ع) —

* یہ ایک رسالہ ہے کیوں کہ اس کے کل صفحات ۵۳ ہیں، پورے نام کے لئے دیکھو ضمیمہ کتاب ہذا۔ مصنف نے اپنا سرمایہ معلومات ایک پارسی سے جو کمپنی میں ملازم اور اوسط درجہ کی انگریزی جانتا تھا فراہم کیا تھا۔ اس کتاب میں پارسیوں کے اعتقادات کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ بہت کم ہے اور ژند و اوستا کی بابت تو اتنا بھی نہیں کہ براہ راست تو درکنار بالواسطہ واقفیت پر ہی مبنی ہو—

(۱۱) سفر نامہ سیموئل فلوور (سنہ ۱۶۹۷) —

ان کے علاوہ متعدد عربی ، فارسی ، ترکی ، عبرانی ، اور سریانی زبانوں کے مخطوطات تھے جن کو ہائڈ نے ایسے حسن لیاقت سے استعمال کیا ہے کہ ذہن عیش عیش کرتا ہے ۔ اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے دوستوں کے ذریعہ جو اُس وقت ہندوستان میں موجود تھے وہاں کے پارسیوں سے زبانی طور پر مزید حالات دریافت کر کے اپنے گلزار معلومات کو آراستہ کیا ۔ مختصر یہ کہ اُس کی تالیف علم و فضل کی ایک یادگار ہے اور جب ہم اس زمانے کی مشکلات اور ذرائع تحقیقات کی کمی پر نظر دوڑاتے ہیں تو اس کتاب کی جامعیت پر رشک آتا ہے ۔ مصنف کی براقی طبع کا یہ عالم تھا کہ بعض باتوں کو جن کی تصدیق و توثیق مدتوں بعد ہوئی اس نے اپنی پیش بینی سے پہلے ہی جان لیا تھا ۔ چنانچہ اس نے عربی ” ماہ “ سے جو بعض مقامات کے ناموں کے ساتھ لگا دیا جاتا تھا لفظ ” میدیا “ کا تعلق دریافت کر لیا تھا (صفحہ ۴۲۴) وہ با خبر تھا کہ ایران کے پارسیوں میں ایک عجیب ” گہری “ بولی رائج ہے (صفحہ ۳۶۳ - ۳۶۹) اُسے معلوم تھا کہ فرقہ حروفی مانوی مذہب کی جدید صورت ہے (صفحہ ۲۸۳) اُس نے الہلنداری کے نایاب عربی ترجمہ شاہنامہ کو خوب کھلایا پارسیوں کے آخر زمانے کی تصنیفات مثلاً ” زر تشت نامہ “ ” صدر “ اور فارسی ترجمہ ” اردہ ورات “ وغیرہ کا مطالعہ کیا بلکہ ” صدر “ کا پورا لاطینی ترجمہ بھی اپنی کتاب میں شامل کر دیا ہے ، اس کے سوا وہ ” ژند “ کے

رسم الخط* سے بھی واقف تھا—

ڈاکٹر ہائڈ کی لیاقت و ذہانت کا تو یہ حال تھا مگر وہ پہلوی یا اوستا کی زبان سے بالکل نا بلد تھا،	ڈاکٹر ہائڈ کی قدیم فارسی زبانوں سے واقفیت

ژند اوستا یا اوستا و ژند کے معنوں کو بالکل غلط سمجھا اور اس نے ثابت کرنا چاہا ہے کہ قدیم ایرانی کتبے کوئی تحریر نہیں بلکہ محض عمارتی نقش و نگار ہیں۔ آنکٹیل دوپیروں نے بھی اپنی کتاب کی تمہید صفحہ ۴۸۹، ۴۹۸ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہائڈ فارسی کی پرانی زبانوں میں سے ایک بھی نہ جانتا تھا بلکہ اوس کا سوءظن یہاں تک دور تھا کہ ہائڈ کی تصنیف میں اول سے آخر تک ژندی حروف گویا فارسی جملوں کا لباس ہیں جو پارسیوں کے بعد کے مرقومات سے لیکر نقل کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن آنکٹیل کا یہ حملہ بے جا ہے اور اس کا ثبوت غیر ضروری، کیونکہ ہائڈ کے پاس اوستا کا ایک قلمی حصہ واقعی موجود تھا اور اس نے ”یاسنا“ کے اُس

* سر ڈبلیو جونسن نے ایک خط میں جس کا حوالہ بعد میں آئے گا (صفحہ ...) یہ لکھا ہے کہ ڈاکٹر ہائڈ نے جن ”ژندی“ حروف کا نمونہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے اُس کا سانچہ اپنے ذاتی استعمال کے لئے تیار کرا لیا تھا، یہ سانچہ نہایت عمدہ تھا اور جو سانچہ اوستا کی سب سے آخری طبع میں (باہتمام گیلڈنر) استعمال ہوا ہے اُس سے کہیں خوبصورت ہے —

قلمی نسخے * کو بھی دیکھا تھا جس کو سترھویں صدی کے وسط میں ایک انگریز تاجر موتی نے کمبرج کے عمانویل کالج میں تصفیے کے طور پر دیا تھا ، مگر وہ ان کو سمجھتا نہ تھا ، کیوں کہ وہ خود اقرار کرتا ہے کہ میں پڑھ سکتا تو ان بیش بہا مرقومات سے کام لیتا - اب یہ صاف ہو گیا کہ بعض حرفوں کے جنہیں ہائڈ نے استعمال بھی کیا ہے وہ قدیم فارسی زبان سے نا آشنا تھا - زرتشتی کتاب الہامی کے قام کی بابت اُس نے فرض کر لیا تھا کہ وہ غیر زبان کا دوغلہ لفظ ہے جس کا ایک جزو ”ژند“ بمعنی چمھاق عربی ہے اور دوسرا ’اِشدا‘ بمعنی آتش ، عبرانی -

* دیکھو ہائڈ کی کتاب موصوف الصدور صفحہ ۳۴۳ وغیرہ - عمانویل کے نسخہ پر آجکل نمبر ۳ - ۲ - ۶ پڑے ہوئے ہیں اور انگریزی میں یہ لکھا ہے ”اس کتاب کا نام ’اِجاسمے‘ (یاسنا) اور اس کی زبان ’جین وستا‘ (ژند اوستا) اور اس کا موضوع قدیم مذہب پارسیاں ہے“ - اس کے ساتھ ایک ردی کافڈ بھی ہے جس پر بزبان جرمن یہ تحریر ہے کہ یہ کتاب یاسنا کا نسخہ ہے غیر مکمل ، صرف دو باب ۵۰ سطر (ویسٹر گارڈ) تک جاتا ہے یعنی آخری چوتھا حصہ اس میں سے غائب ہے ؛ اس نسخے پر کوی تاریخ بھی نہیں ، غالباً سترھویں صدی کے وسط کا ہو - گو کہ یہ نسخہ خود تو قدیم نہیں مگر ہر کسی اچھے نسخہ کی نقل - اس کی عبارت مستند نسخوں سے ملتی ہے مگر کامل طور پر ایک نسخے سے بھی نہیں ملتی - نسخہ ک - ۱۱ سے بہت ہی مطابق پایا جاتا ہے ، املا درست ہے - چونکہ یہ بھی بجائے خود ایک مستقل قلمی نسخہ ہے اس لئے متن قائم کرنے کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے —

کلدانی (کتاب ہائے صفحہ ۳۳۵ و بعد)۔ رہے قدیم فارسی کتبات ان کو وہ فضول چیزیں تصور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کو دیکھ کر لوگوں کو استعجاب ضرور پیدا ہوا ہے مگر بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ ان پر توجہ مبذول کی جائے صفحہ ۵۴۶) - الغرض وہ نہایت شد و مد کے ساتھ یہ بیان کرتا ہے کہ کتبے نہ تو کتبے ہیں اور نہ ان کی عبارت فارسی قدیم (۵۴۷) بلکہ وہ اصل معیار کے اختراعی نقش و نگار ہیں (۵۵۶ - ۵۵۷)۔

نقش رجب پر دوسری عبارتوں کے قریب جو پہلوی سطریں کندہ ہیں اُن کے خط کو بھی وہ کسی قسم کا فارسی خط تسلیم نہیں کرتا، فیض ساسانی پہلوی کے کتبے نہبرایک اور چار کی بابت وہ خامہ فرسائی کرتا ہے کہ ”یہ حروف قدیم فارسی کے حروف نہیں ہو سکتے، قدیم فارسی کی قدیم کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں اور یہ حروف ان کتابوں کے حروف سے بالکل مختلف ہیں“ صفحہ (۵۴۸)۔

سنہ ۱۷۵۴ ع تک ایران کے متعلق معلومات	آفکتیل دوپیرون
کی یہ حالت تھی جو مذکور ہوئی، اوستا کے خیالات سر بستہ کو زیادہ سمجھنے	۱۷۵۴ - ۱۷۷۱ ع

کی کوئی مزید کوشش نہیں ہوئی تھی حالانکہ اس وقت تک اُس کے دو ایک نسخے انگلستان پہونچ چکے تھے مثلاً ویندیداد کی ایک جلد جس کو جارج بوت شیر (باؤ شیر) نے ہندوستان کے پارسیوں سے سنہ ۱۷۱۸ ع میں حاصل کیا تھا اور ریچرڈ کاب نے سنہ ۱۷۲۳ ع میں انگلستان پہونچا کر بوتلین لائبریری

میں پیش کیا جو اب تک وہاں موجود (ہے بوتلین نمبر ۳۱)؛ اور یاسنا کے دو نسخے جن کو فریزر نے سورت میں خریدا تھا، فریزر نے بعض پارسی دستوروں سے خواہش بھی کی تھی کہ وہ اُس کو پہلوی اور اوستا کی زبانیں سکھا دیں مگر وہ اس خواہش میں تشنہ کام رہا۔ آخر سنہ ۱۷۵۴ ع میں ویندیداد کے بوتلین والے نسخہ کے چار صفحوں کی نقل ایک نوجوان فرانسیسی آفکتیل دو پیرون کے ہاتھ لگ گئی جس کا سن اس وقت بیس سے زیادہ نہ ہو گا، ورقوں کو دیکھ کر اس نوجوان سے جس کے پہلو میں سچا فرانسیسی دل تھا، نہ رہا گیا، تحقیق و طلب علم کے جوش نے گدگدایا اور وہ اپنے ملک و وطن کے واسطے شرت دوام حاصل کرنے کو کھڑا ہو گیا، اس نے عزم بالجزم کیا کہ اس قدیم مذہب کے دفیلوں کو پارسی دستوروں کے قبضہ سے نکال کر علمی دنیا کے سامنے آئیں زرتشت کا ایک ایسا جامع حال پیش کرنا چاہئے جو غیر پارسی یا موجودہ زمانے کی پارسی تحریروں سے ماخوذ نہ ہو بلکہ خود قدیم اور الہامی کتابوں پر مبنی ہو۔ علمی شوق اور جوانی کی اُسلگ نے سفر کے لئے اُس کو اس قدر بے چین کر دیا تھا کہ سلطنت کی جانب سے مالی امداد اور سامان سفر کا وعدہ تھا مگر اُس کو تاب انتظار نہ ہوئی اور وہ فوراً فرانسیسی ایست انڈیا کمپنی میں بہ حیثیت ایک معمولی سپاہی کے بھرتی ہو گیا تاکہ جلد سے جلد ہندوستان جا پہنچے: اُس کا ارادہ اس قدر پختہ اور اس کا جوش اس قدر سچا تھا کہ باوجود مشکلات و مایوسی، مخالفت و بے اعتنائی، صعوبت

و بیماری، آفات بحر اور خطرات جنگ کے وہ سات برس چھ ماہ تک اپنی دھن میں لگا رہا حتیٰ کہ ۱۵ مارچ سنہ ۱۷۶۲ء کو طویل و پر خطر جلا وطنی کے بعد اپنے وطن پیرس پہنچا اور اپنی فوق البشر کاوشوں کے جواہرت یعنی قیمتی نسخوں کو شاہی کتب خانہ (بب لیوتھک ٹورائے) کی گود میں لایا۔ لیکن اُس کی جد و جہد یہیں ختم نہیں ہوتی، ترتیب مضامین اور تنقید مسائل میں اُس کو نو برس تک صبر و خاموشی کے ساتھ اور دماغ سوزی کرنی پڑی۔ بالآخر سنہ ۱۷۷۱ء میں اُس کی مساعی کا آخری مگر مدلل کارنامہ تین ضخیم جلدوں میں تیار ہو کر اس طولانی نام کے ساتھ دنیا کے سامنے آیا:—

ژند اوستا یا کتاب زوراستر جس میں
اس مقلن کے مذہبی، مادی اور اخلاقی
خیالات اور اُس کی قائم کردہ مذہبی رسوم
درج ہیں جن میں ایرانیوں کی قدیم تاریخ
کے مضامین فرانسیسی ترجمے و حواشی کے
ساتھ شامل ہیں اور جس میں چند ایسے
رسالے بھی داخل کر دئے گئے ہیں جو کتاب
کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں—

یہ تالیف یورپ میں کامل طور پر دور آفریں یا بقول جرمنوں کے ”راہ تراش“ کتاب تھی۔ آنکیتیل نے جس کام کا بیڑا اُٹھایا اس کو بوجہ احسن پورا کر دکھایا۔ رہی تفصیل کی چھان بین یہ اُس کے جانفشینوں کا کام تھا۔ آنکیتیل کی کتاب اس عنوان کی پہلی کتاب تھی اس لئے قدرتی طور پر اس میں

غلطیوں کا ہونا ضرور ہے تاہم اس کتاب کا پایہ نہایت بلند ہے، اُس وقت سے آج تک زرتشتی مذہب اور زبان کی بابت جس قدر ادبی، لسانی، قومی اور فلسفیانہ انکشافات ہوئے ہیں وہ سب آنکتیل کی کارش کا طفیل ہے۔

آنکتیل کی اُلوالعزمیاں | مقام موزوں نہیں، اس کا جامع حال خود اُس کی کتاب جلد اول (صفحہ ۱ - ۴۷۸) میں ملے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صفحات صرف اس کے ذاتی حالات سے بھرے ہوئے ہیں جن کا حذت کر دینا شاید ایسا ہی مفید ہوتا جیسا ان کا اندراج، بہر حال اس میں کچھ کلام نہیں کہ ان حالات کی بدولت اس کتاب کو تحقیر و ملامت کا نشانہ بنانے میں اس کے دشمنوں کو بہت آسانی ہوئی، گو یہ تحقیر جو اس کتاب کو نصیب ہوئی صرف عارضی تھی۔ بہر کیف اس کے سفر کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ اُس نے تھورا سامان لیا جس میں چند کتابوں کے علاوہ دو قمیصیں، دو رومال اور ایک جوڑہ جراب کا تھا، بھائی کے سوا جو اخفائے حال کا پابند کر لیا گیا تھا کسی کو کانوں کان خبر نہ کی اور ۷ نومبر سنہ ۱۷۵۳ ع کو اپنی پلٹن کے ساتھ جس کے افراد کو وہ ناپسند کرتا تھا اور جن کو وہ ”یہ وحشی“ کہہ کر یاد کرتا ہے اور پیرس سے لوریاں

* مثال کے لئے دیکھو ہوگ کی کتاب ”پارسیوں پر مضامین“

مرتبہ ویسٹ (تھسری ایڈیشن لندن ۱۸۸۴ ع) صفحہ ۲۴ —

(" مشرق ") کی جانب روانہ ہوا - ۱۶ نومبر کو جب یہاں پہنچا تو اُس کو سرکاری اطلاع موصول ہوئی کہ شاہ فرانس نے بطور مراحم خسروانہ پانسو فرانک کا وظیفہ اور فرانس سے ہندوستان تک فرست کلاس کا کرایہ منظور فرمایا ہے - اُس کے بعد ۷ فروری سنہ ۱۷۵۵ ع کو وہ جہاز میں سوار ہوکر ہندوستان روانہ ہوا اور چھ ماہ کی مسافت کے بعد ۹ اگست کو پانڈی چری پہنچا جہاں گوپل کھانڈر فرانسیسی افواج نے تپاک کے ساتھ اُس کا خیر مقدم کیا - پہنچتے ہی اُس نے فارسی شروع کردی جو بعد میں پارسی دستوروں اور اُس کے درمیان تبادلۂ خیالات کا ذریعہ بنی ، تین سال سے زیادہ کے بعد یکم مئی سنہ ۱۷۵۸ ع کو وہ سورت آیا جو اُس وقت تو فرانسیسوں کے قبضہ میں تھا مگر مارچ سنہ ۱۷۵۹ ع میں ان کے ہاتھ سے نکل کر انگریزوں کے مقبوضات میں داخل ہو گیا - اس اثنا میں آنکٹیل نے اپنے مقصد کے لئے جو کچھ کیا وہ کچھ نہ تھا ، بظاہر اس تعویق کا باعث کچھ تو یہ ہوا کہ وہ پورے ہندوستان کے مذاہب ، رسوم ، السنہ ، اور زوادر و عجائبات کے معلوم کرنے میں لگ گیا (کیوں کہ اُس کی اصل تجویز میں پورا ہندوستان شامل تھا) اور کچھ یہ کہ اُس زمانے میں سیاسی پیچیدگیوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا - تاہم گونا گوں دشواریوں کا مقابلہ کرتا ہوا وہ تاریخ مذکور کو سورت آیا اور یہاں دو پارسی موبدوں سے جن میں سے ایک کا نام داراب اور دوسرے کا کاؤس تھا ربطضبط پیدا کیا - تین ماہ کی تھگ بازیوں اور لیت و اعل کے بعد ان پارسیوں

نے آنکتیل کو ویندیداد کا ایک نسخہ دیا اور کہا کہ یہ بالکل صحیح اور مکمل نسخہ ہے مگر آنکتیل نے بذکر احتیاط ایک دوسرے نسخے کی فکر کی اور اس کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ منوچہر جی ایک اور دستور تھا، فروعی اختلافات مذہبی کے سبب داراب اور کاؤس سے اُس کا دل صاف نہ تھا، ان کی ضد پر اُس نے فرانسیسی معقق کو ایک دوسرا قدیم اور عمدہ نسخہ ویندیداد کا لاکر دیا۔ آنکتیل نے اُس کو پہلے سے ملایا تو اُس کو جلد پتہ چل گیا کہ پہلے حضرات نے دیدہ و دانستہ اُس کو ناقص نسخہ دے دیا تھا۔ آنکتیل نے اُن سے اس حرکت کی شکایت کی اور قائل معقول کیا، اب یہ دونوں ذرا زیادہ کھل گئے اور دھوکے کی باتوں سے بچنے لگے، آنکتیل کو نئی نئی کتابیں لاکر دیں، مثلاً داستان سنجان، جس کا خلاصہ اس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۱۸ - ۳۲۳ میں دیا ہے، داستان سنجان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں ویندیداد اور اُس کی پہلوی تفسیر کے جس قدر نسخے موجود ہیں وہ سب ایک فارسی کے اصل نسخے کی نقلیں ہیں جس کو ایک مہربد مسہی ارد شیر چودھویں صدی عیسوی کے قریب سیستان سے لایا تھا، اس کے علاوہ ان تعلقات کی تفصیل بھی درج ہے جو وقتاً فوقتاً ہندی اور ایرانی پارسیوں کے درمیان قائم رہے۔

آنکتیل کی تصنیف | ۲۴ مارچ سنہ ۱۷۵۹ء کو آنکتیل نے لغت ”پہلوی فارسی“ کا ترجمہ پورا کیا اور اس کے چھ روز بعد ویندیداد کا ترجمہ شروع کر دیا، دوران ترجمہ میں اس کتاب کے دونوں نسخوں کو مطابق

کرتا جاتا تھا، آخرش ۱۶ جون کو اسے بھی ختم کیا۔ پھر علالت نے آدبوجا، اسی حالت میں اس کے ایک ہم وطن نے اس پر وحشیانہ طریق سے حملہ کیا اور پانچ ماہ تک اسے کام کا ہوش نہ رہا۔ صحت پائی تو ۲۰ نومبر کو پھر اپنی دھن میں مصروف ہوا۔ دستور داراب بھی برابر مدد دیتا رہا۔ اس اثنا میں بعض انگریزوں نے بھی اس کی حفاظت و اعانت کی، خاص کر مسٹراسپنسر نے جس کی تعریف میں وہ رطب اللسان ہے (صفحہ ۳۴۶) اور ارسکن نے۔ جب آنکٹیل یاسنا، وسپیرو، ویند یداد، پہاوی بندھش، سی روزہ، روایات وغیرہ کے ترجموں سے فارغ ہوا تو اس نے آتش کدہ میں جاکر ”آتش پاک“ کو دیکھا اور دھوئیں کی سیر کی مگر اس کی بیماری عود کر آئی اور اس مرتبہ اس کو اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا اوس کی جانکاھیوں کا قیمتی ثمر تلف نہ ہو جائے اس نے اور سفروں کا خیال جس میں سفر چین بھی شامل تھا دل سے نکال دالا اور سورت سے بمبئی کا عزم کیا۔ سفر میں انگریزوں نے پھر اس کی مدد کی حالانکہ انگلستان اور فرانس میں جنگ چھڑی ہوئی تھی لیکن آنکٹیل ذرا نہ جھجکا اور ان سے مدد چاہی جن کو وہ مقدمہ کتاب صفحہ ۴۳۱ میں ”عالی ظوت“ کے لقب سے یاد کرتا ہے، بمبئی پہونچکر ایک ماہ سے زیادہ قیام کیا۔ ۲۸ اپریل سنہ ۱۷۶۱ع کو ہرستل جہاز میں اپنے قیمتی نسخوں کو جو تعداد میں ایک سو اسی (۱۸۰) [دیکھو ان کی فہرست

جلد اول صفحہ ۵۲۹ - ۵۴۱ پر] تھے لاہور، خود سوار ہوا اور اسی سال ۱۷ نومبر کو پورٹس-مٹھ پہنچ گیا، یہاں ایک پریشانی اس کی منتظر تھی، جونہی بندرگاہ پر اُترا اس کے مسودات اور نسخے تو چنگی کی تحویل میں چلے گئے اور وہ خود مع دیگر فرانسیسیوں کے جنگی قیدی بن کر وکھم میں داخل ہوا - لیکن چونکہ وہ انگریزی حفاظت میں بسر کر رہا تھا اور صحیح معلوم میں اسیر جنگ نہ تھا لہذا اس کو بہت جلد فرائس جانے کی اجازت مل گئی - تاہم اگرچہ طویل بے وطنی کے بعد وطن کا شوق اس کے پہلو میں موجزن تھا اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ اپنے بیش بہا اور مشکل باب مرقومات کو جن کا خیال اس کے دل میں سہایا ہوا تھا، سلامتی کے کنارے پر پہنچانے کے لئے بے چین تھا لیکن اوکسفورڈ کی مختصر زیارت اور اوکسفورڈ کے نسخہ جات اوستا کا مطالعہ کئے بغیر وہ انگلستان سے ہلکا نہیں چاہتا تھا - اس نے ایک مقام پر (صفحہ ۴۵۴ خود بیان کیا ہے :-

”میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ چونکہ انگریزوں نے مجھ کو خلافت قاعدہ قید کیا اس لئے جب تک کہ میں اوکسفورڈ کی سیر نہ کر لوں گا اس وقت تک انگلستان سے نہ جاؤں گا - یورپ کو واپسی کے وقت مجھے انگلستان کی راہ مجبوراً اختیار کرنی پڑی، مجبوریوں میں ایک بات یہ

بھی تھی کہ میں اپنے نسخوں کو اس مشہور
یونیورسٹی کے نسخوں سے مقابلہ کرنا
چاہتا تھا۔ —

الغرض تعارفی خطوط کافی تعداد میں لے کر ۱۷ جنوری
سنہ ۱۷۶۲ع کو اڈسفورٹ پہونچا، یہاں نو دن قیام کیا
اور وکھم پورٹس متھہ اور لندن ہوتا ہوا گریوسینڈ گیا
جہاں سے ۱۴ فروری کو جہاز میں بیٹھ کر آسٹلڈ چلا
آخر کار ۱۴ مارچ سنہ ۱۷۶۲ع کو پیرس پہنچ گیا اور
دوسرے دن اپنے قیمتی نسخوں کو شاہی کتب خانے میں
داخل کر دیا۔ —

تصدیف آفکٹیل کی نا مقبولیت	آنکٹیل نے اپنی کتاب کو سنہ ۱۷۷۱ع میں شایع کیا لیکن اس کے ذریعہ سے اوس نے علم و فن کی جو اہم خدمت

انجام دی تھی وہ علمی دنیا کے ذہن نشین نہ ہو سکی۔
زرتشت کے عمیق فلسفی خیالات کی قدر ہمیشہ سے ہوتی
چلی آئی تھی حتیٰ کہ یونان و روم بھی ان کا ثناخواں
تھا لہذا اس کتاب سے علما و شایقین کو امید تھی کہ
وہ عقل و دانش کا ایک مرقع ہوگی لیکن اس کی بجائے
انہوں نے طفلانہ خرافیات، خشک اعتقادات، تھکا
دینے والے مکررات اور مضحک احکام کا ایک لایعنی
انبار دیکھا تو ہر طرف مایوسی کا عالم طاری ہو گیا،
آنکٹیل بھی اس حالت سے آگاہ تھا بلکہ اُس نے مقدمے
کے صفحہ ۱-۲ میں اس امر کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی

مگر یہ مایوسی سر ولیم جونس کے مشہور خط میں بلاے بے دریاں کی طرح نمودار ہوئی۔ سر ولیم اس زمانے میں آکسفورڈ کے ایک نو جوان * گریجویٹ تھے۔ یہ خط جو فرانسیسی زبان اور والتیر کے لہجے میں ہے ان کے کلیات (لندن ۱۷۹۹ع) کے آخر میں جلد چہارم صفحہ ۵۸۳ تا ۶۱۳ پر ہے، ۱۷۷۱ کا نوشتہ ہے اور یہ وہی سال ہے جبکہ آنکٹیل کی کتاب شایع ہوئی تھی۔ اس کا طرز بیان جس قدر شستہ اور پر زور ہے اُسی قدر اس کے مطالب غضب آلود اور حقیقت سے دور ہیں۔ جونس فاذک مذاق ادیب تھا اور آنکٹیل کی عبارت میں طوالت بہت، اور حسن بیان مفقود تھا، پہلے تو جونس یوں برہم ہوا، اس پر آنکٹیل نے کتاب میں جہاں حالات سفر لکھے ہیں وہاں ذرا خود ستائی سے بھی کام لیا ہے پھر انگریزوں کو بالعموم اور آکسفورڈ کے فضلا کو بالخصوص مذمت کا نشانہ بنایا ہے، اس انداز کو دیکھکر جونس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، بلکہ ان خیالات نے اُس کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ وہ مبتذل ہجو و دشنام پر اُتر آیا اور اس کے حریف نے جو کچھ انکشافات کئے تھے اُن کی زبردست اہمیت حتیٰ کہ اُن کی حقیقت سے قطعاً انکار کر دیا حالانکہ یہ انکشافات اس پایہ کے تھے کہ آنکٹیل کی سخت تر لغزشوں کی تلافی کرسکتے تھے۔ تارمشتیتر نے اس موقع پر خوب کہا ہے کہ ”ژند اوستا

* جونس کو بی۔ اے پاس کئے تین برس ہوئے تھے۔ عمر پچیس سال کی تھی۔ یونیورسٹی کالج کا فیلو تھا۔ ۴۸ برس کی عمر پاگرد سنہ ۱۷۹۴ع میں مرا۔ —

کو اپنے پیش کرنے والے کے قصور کا خمیازہ بھگتنا پڑا، آنکٹیل کی بدولت زوراستر کی پوری قدر نہ ہوئی۔

آنکٹیل کی حمایت | حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانے میں انگلستان و فرانس مصروفِ پیکار تھے، فرانسیسی ہمارے ہاتھ سے زک اُٹھا چکے تھے، آنکٹیل کو باوجود جنگی قیدی نہ ہونے کے ہمارے حدود میں قید کر لیا گیا تھا، اگر ہم انگریزوں کے متعلق آنکٹیل کی تحریر کو ان حالتوں کی عینک سے دیکھیں تو وہ انتہا درجے معقول اور مناسب نظر آئے گی بلکہ بحیثیت مجھوعی وہ ہمارے لئے باعثِ مسرت و ناز ہو سکتی ہے۔ ثبوت میں اُس کی وہ پرجوش تعریف موجود ہے جو اس نے مسٹر اسپنسر کے لئے قلمبند کی (تمہید صفحہ ۳۴۶) وہ الفاظ موجود ہیں جو اُس نے انگریزوں کی عالی ظرفی کے متعلق لکھے ہیں کہ یہ لوگ ایک مصیبت زدہ بلکہ دشمن قوم کے مصیبت زدہ شخص کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتے ہیں (تمہید صفحہ ۱۴۳) وہ بیان موجود ہے جس میں اُس نے مہماں نوازی اور فزاکت احساس کا اعتراف کیا ہے اور اسی قسم کی اور تعریفیں۔ رہا یہ کہ وہ آکسفورڈ کے ایک دو عالموں اور ڈاکٹر سونٹن کے ذیل تزل اور سہ گوشہ توپی پر منہ آیا یا اُس نے ڈاکٹر ہنٹ کے بے موقع مزاح اور ڈاکٹر بارتن کے مغرور اور مجسٹریٹ نہا تیوروں کی تحقیر کی، یہ باتیں فی نفسہ مضرت و عناد سے پاک ہیں۔ مختصر یہ کہ آنکٹیل کی کتاب میں کوئی مقام ایسا نہیں کہ جونس کی شدید تضحیک یا رکیک الفاظ کا سزاوار ہو سکے

اور یہ تو کسی عنوان جائز نہ تھا کہ جونس نے اس کتاب کی اہمیت اور علمی حیثیت سے انکار کر دیا اور اس ماہ نو پر خاک ڈالنے کی کوشش کی جو ایسے غیر متوقع اور یقینی طور پر تاریخ و زبان علم اللسان اور دینیات مقابلے کے اکثر مسائل کو روشنی میں لانے والا تھا۔ ذیل میں چند نمونے درج کرتے ہیں جن سے اُس کے خط کا عام لب و لہجہ معلوم ہو جائے گا: —

”اے جذاب‘ ایک اجنبی کا خط موصول ہونے پر تعجب نہ کیجئے گا۔ یہ اجنبی سچی قابلیت کی	سرولیم جونس کے خط کے اقتباسات

قدر جانتا ہے اور آپ کی قیمت بھی دریافت کرنے سے قاصر نہیں، اجازت دیجئے کہ ہم آپ کو آپ کے گراں قدر افکشافات پر مبارکباد دیں؛ آپ نے اکثر موقعوں پر اپنی جان گرامی کو خطرے میں ڈالا، متلاطم سمندروں کو کاٹا، پہاڑوں کو جن میں شیروں کی کثرت تھی، طے کیا، جیسا کہ آپ نہایت صفائی اور انکسار کے ساتھ خود بیان کرتے ہیں آپ کی رنگت سوسن آزاد اور گل گلاب کی طرح سرخ و سفید تھی، آپ نے اس رنگت کو بگڑا بلکہ ان مصیبتوں سے بھی زیادہ آپ نے سخت مصیبتیں برداشت کیں اور یہ محض علم و ادب اور ان لوگوں کی خاطر جو آپ

کے مثل ہونے کی نادر الوجود مسرت
رکھتے ہیں —

آپ نے وہ دو قسم کی قدیم زبانیں
حاصل کیں جن سے یورپ آشنا نہ تھا اور
فرانس میں وہ کتابیں پہنچائیں جو آپ کی
معنوتوں کا ٹھہر اور زور و آسٹر کی تصانیف
ہیں ، آپ نے اپنے دلچسپ ترجمے سے اہل
علم کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے ، آپ نے اپنی
ہوس کے منتہا ، اپنی پرجوش تمنائوں کے
مقصد کو پالیا اور آپ جمعیت کتبات کے
رکن بن گئے ہیں —

جیسا کہ ہمارا فرض ہے ہم اس ممتاز
اور عالی مرتبہ جمعیت کی عزت کرتے ہیں
لیکن ہمارا خیال ہے کہ آپ اس جمعیت کی
رکنیت سے بھی زیادہ معزز لقب کے مستحق
ہیں..... کادموس سے بھی بڑے سیاح ہیں
اور کادموس کی مثل آپ نے نئے نئے اشخاص
اور نئے نئے دیوتاؤں سے ہمیں روشناس
کرایا ہے ۔ سچ پوچھئے تو آپ کو کم از کم
مجسوس اعظم یعنی گبروں کا لات پادری
بنا دینا چاہئے ، زیاد تر اس وجہ سے کہ اس
جدید عہدے پر مقرر ہونے کے بعد آپ اپنی
تحریروں میں کرمی بیان کو قدرے بیشتر

کام میں لانے کا موقع پائیں گے —

آپ ایک سیاح ہیں ، فاضل ہیں ، محقق
فوائد ہیں ، ہیرو ہیں ، ہجو باز ہیں ،
غرض وہ کون سا خطاب ہے جس کے آپ
مستحق نہیں —

اب جناب! آپ ہمیں صحیح صحیح کہنے
کی اجازت دیں کہ آپ کی الوالعزمی آپ کے
سفر و سیاحت ، آپ کی تین مجلدات اور
آپ کے علم و تبصر کی نسبت ، جس کا آپ
نے جی کھول کر اظہار کیا ہے ، ارباب فضل
کیا خیال کرنے ہیں ۔ ہر شخص کو چاہئے کہ
وہ حقیقی علم و فضل کا اعتراف کرے لیکن
ہر چیز اس قابل نہیں کہ اُس کا حال معلوم
کیا جائے ۔ سقراط نے جب ایک جوہری کی
دکان کی کھڑکی دیکھی تو بولا ”کس قدر
چیزیں ایسی ہیں جن کی مجھے حاجت
نہیں“ اسی طرح جس وقت ہم مدعیان
فضل و کمال کی تصانیف پر غور کرتے ہیں
تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ ”کس قدر باتیں
ایسی ہیں جن کے حاصل کرنے کی ہمیں
پروا نہیں ؛ اگر آپ اس آخری بات پر غور
فرما لیتے تو آپ ان لا طائل فصول معلومات
کو ہم تک پہنچانے کے لئے موت کا مقابلہ

نہ کرتے..... اگر یہ دلائل کامل طور پر غلط نہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ کا مقصد نہ تو پاکیزہ تھا اور نہ اہم، مہذب یورپ کو آپ کی ژندوستا کی مطلق ضرورت نہ تھی، آپ نے اس کا ترجمہ فضول کیا اور آپ نے ۱۸ سال میں خواہ مخواہ وہ وقت ضائع کیا جو آپ کے لئے افتہا درجہ قیمتی ہوگا۔

کس قدر بے وقعت ہے اُس بات کا جاننا جسے کوئی شخص نہ تو جانتا ہے اور نہ جاننا چاہتا ہے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ آپ یورپ کے ہر ایک عالم سے زیادہ ژند کے الفاظ جانتے ہیں یا بالفاظ دگر سخت اور ثقیل اور وحشیانہ الفاظ کا ذخیرہ جو آپ کے ذہن میں محفوظ ہے اوروں سے زیادہ ہے، کیا آپ کو خبر نہیں کہ زبانوں کی ذاتی قیمت کچھ نہیں..... علاوہ ازیں، کیا آپ کو واقعی یقین ہے کہ آپ نے ایران کی قدیم زبانیں سیکھی ہیں؟ آپ کی اجازت سے ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ایران کی بولیاں زور و آستور کی صورت ان مفروضہ کتابوں ہی میں محفوظ ہیں اور جو علاوہ اور عیوب کے مکررات

لاٹائل سے پرہیز تو ہمارے لئے ممکن نہیں
 کہ اُن زبانوں کو کبھی حاصل کر سکیں —
 لیکن شاید آپ کہیں گے ”تو پھر کیا
 تمہارا یہ شبہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دھوکا
 دینا چاہا ہے“۔ نہیں جناب ہمارا خیال یہ
 نہیں ہے، بلکہ تم خود دھوکے میں ہو۔ اُس
 وقت تک ہم کو آپ سے اس کے سوا اور کوئی
 شکایت نہیں کہ آپ نے ہم کو سلا دیا اگرچہ
 سنانا بجائے خود کوئی جرم نہیں، کیونکہ
 جو لوگ ان خواب آور بخارات سے تارتے
 ہیں اُن کے لئے آسان صورت یہ ہے کہ وہ
 اس کتاب کا مطالعہ نہ کریں جس میں سے
 یہ بخارات اُٹھتے ہیں یا مطالعہ کریں تو اسے
 بھلا دیں، پرہیز بھی ایسا ہی اچھا ہے جیسی
 کہ دو‘ قدرتی ہے۔ آپ کے طرز بیان کے متعلق جو
 تھوس، پست، فاشستہ، ثقیل، موضوع سے
 عموماً نا مربوط، انہیل اور بہر حال ناگوار
 ہے، ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے.....البتہ
 آپ کی تحریر کے آخری حصے کی نسبت
 کچھ کہنا باقی ہے.....آپ کے زور و آسٹر
 صاحب نے نا شکر گزاروں کی کیا سزا رکھی
 ہے؟ انہیں بیل کا پیشاب کس قدر پیلے پر
 مجبور کیا جاتا ہے؟۔ جناب کو مشورہ

دیا جاتا ہے کہ جناب بھی اس پوتر اور
پوتر ساز عرق کی ایک خوراک استعمال
فرمائیں —

بندہ نواز! ڈاکٹر ہلت کی ملاقات کا
ہمیں بھی شرت حاصل ہے اور ان کی تعظیم
پر ہم کو ناز ہے، وہ کسی شخص کو دھوکا
دینے کے ناقابل ہیں؛ ڈاکٹر موصوت نے نہ
تو ہم سے اور نہ آپ سے کبھی یہ دعویٰ کیا
کہ وہ ایران قدیم کی زبانیں جانتے ہیں،
ہماری طرح اُن کا بھی خیال ہے کہ ایران
کی زبانیں کوئی شخص نہیں جانتا اور
جب تک وہ تہام تاریخیں، نظمیں اور
مذہبی کتابیں جن کو خلیفہ عمر اور ان کے
سپہ سالاروں نے سخت عناد کے جوش سے
تہوند تہوند کر برباد کیا دوبارہ دستیاب
نہ ہو جائیں اُس وقت تک کوئی شخص
اُن کو جان بھی نہیں سکتا، اس بنا پر دنیا
کی خاک چھان کر اپنی پھول سی رنگت کو
تباہ کرنا فضول حرکت ہے۔ درحقیقت ڈاکٹر
موصوت کو ان زمانوں کی لاعلمی کا ذرا
افسوس نہیں؛ وہ اس نعمت کو غنیمت
سمجھتے ہیں کہ اُنہیں موجودہ فارسی میں
کمال حاصل ہے، وہ فارسی جو سعدی، کاشفی

اور نظامی کی زبان ہے اور جن کی کتابوں میں نہ تو 'برسوم' اور نہ 'لنگم' آیا ہے نہ مضحک رسوم اور نہ وہمیات کا ذکر ہے بلکہ فاسپاسی اور دروغ بافی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

جناب کو اس بات پر فخر ہے کہ ڈاکٹر ہائڈ ایران کی قدیم زبانوں سے واقف نہیں؛ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں..... آپ نے ڈاکٹر ہائڈ پر اعتراض کیا ہے کہ وہ 'پانچ گاہوں' کے معنی "دن کے پانچ حصے" سے نا آشنا ہیں؛ 'توں' کی بجائے 'تو' کہتے ہیں اور وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ اهرمن، جو آپ کے ایرانی شیطان کا نام ہے، انگری مینیوش جیسے خوش آواز لفظ کا مخفف ہے اور یہ محض اس وجہ سے کہ آپ کے نزدیک انگری اهر سے اور مینیوش من سے بدل کر اهرمن بن گیا ہے۔ اسی طرح ہم یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ انگری کو دی اور مینیوش کو آبل سے بدل کر لفظ دی آبل (شیطان) بنا لیا گیا ہے۔"

اس کے بعد سر ولیم آنکٹیل کے توجہ سے کا خاکہ اُڑا رہے ہیں یہ مشکل ہی کیا ہے، ایک ایسی کتاب کا توجہ جو

ہمارے نزدیک اُن مزخرفات سے لبریز ہو جیسی کہ ہر ایک قوم کی ابتدائی تصنیفات میں کسی نہ کسی حد تک ضرور ہونی چاہئیں، آنکتیل کے ترجمے سے بہتر بھی ہو، تو بھی اُس پر اعتراض وارد ہو سکتے ہیں، سر ولیم نے اپنے دلائل کی تلخیص اس طرح کی ہے:—

”یا تو زور و آسٹر میں معمولی عقل بھی نہ تھی یا اُس نے وہ کتاب ہی تصنیف نہیں کی جو تم اُس سے منسوب کرتے ہو؛ اگر وہ معمولی عقل سے بھی محروم تھا تو عامۃ الناس کی صف اور تاریکی میں اُس کو چھوڑ دینا چاہئے تھا؛ اگر یہ تصنیف ہی اُس کی نہیں تو اُس کے نام سے اس کو شائع کرنا بے شرمی ہے۔ لہذا تم نے یا تو مزخرفات پیش کر کے اپنے ناظرین کے ذوق کی توهین کی یا کذب فروشی سے انہیں دھوکا دیا: دونوں حالتوں میں تم اُن کی تذلیل و نفرت کے مستحق ہو“—

آنکتیل کو بدلہ مل گیا | جونز کے خط نے اگرچہ آنکتیل کی فیروزمندی اور جائز فخر میں مشکلات پیدا کیں اور اس سے زیادہ یہ کہ بعض ماہران فن اور اہل علم کو اُس کی تحقیقات کی اصل قیمت سمجھنے سے قاصر بھی رکھا مگر اب خود اُس خط کی کیا قدر رہ گئی؟۔ اس سے زیادہ نہیں کہ وہ اس موضوع کی تاریخ میں ایک

دلچسپ کڑی ہے۔ زمانے نے جہاں آنکتیل کو اُس کی جانکاهی کی یہ داد دی کہ ہر لائق مصنف اس کی کتاب کو اعلیٰ پایے کی کتاب تسلیم کئے بغیر نہیں رہتا وہاں اُس نے جونز کو اُس کی تیزیوں کا مزہ بھی چکھا دیا۔ یا تو جونز کا یہ عالم تھا کہ وہ آنکتیل کی پیش کردہ ژند اوستا سے فاک بھوں چڑھاتا تھا یا ایسی تھوکر کھائی کہ ایک سرتا پا غلط جعلی کتاب کو صحیح دساتیر سمجھ بیٹھا۔ اس انوکھی کتاب کی اصل جلد اُس نے دیکھی نہ تھی کیونکہ لے دے کے اُس کے صرف ایک نسخے کا پتہ چل سکا ہے اور اگرچہ اُس کو ملاً کاؤس ۱۷۷۳ع میں ایران سے ہندوستان لے آیا تھا مگر کتاب کو شائع اس کے بیٹے ملاً فیروز نے سنہ ۱۸۱۸ع میں کیا تھا۔* جونز نے دساتیر کے حالات ایک

* اس کتاب کا پورا نام یہ تھا: ”دساتیر یعنی ایران کے قدیم پیغمبروں کے ملفوظات مقدسہ: بہ زبان اصلی معہ قدیم فارسی ترجمہ و تفسیر از ساسان پنجم؛ باہتمام و نگرانی تمام ملا فیروز بن کاؤس جس نے فارسی مصطلحات اور متروکات کے معنی درج کئے ہیں؛ کتاب میں اصل متن و تفسیر کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ہے۔ دو جلدوں میں۔“ (پہلی سنہ ۱۸۱۸ع) اس نادر نسخے کی تفصیل مقدمہ جلد دوم صفحہ ۷ میں موجود ہے۔ محقق دے ساسی نے کتاب کا معائنہ کیا ہے اور ہورنال دے سوانت ہانڈ برگ کی سالیانہ فہرست مطبوعات (صفحہ ۱۶-۳۱ اور ۶۷-۷۹) بابت جنوری و فروری سنہ ۱۸۲۱ع میں اُس کے دعووں کی قلعی کھول دی ہے۔ نیز دیکھو Heidelberger Fahrbueher (باقی بر صفحہ آئندہ)

عجیب مگر بالکل جدید فارسی کتاب ' دبستان مذہب ' میں پڑھے تھے جو وسط سترھویں صدی * میں ہندوستان میں لکھی گئی تھی ' تاہم جونز ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے یورپ میں علما کی توجہ اس (" دبستان ") کی جانب سب سے پہلے مبذول کی اور اس لحاظ سے وہ ہماری تحسین کا مستحق ہے ۔ مگر سنہ ۱۷۸۹ع + میں اُس نے دبستان کی تعریف جن الفاظ میں کی ہے وہ مبالغہ سے چھلکتے ہیں اور یہ ہیں :—

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳)

H. E. G. Paulus der Litteratur بابت ۱۸۲۳ جلد اول از نمبر ۴، ۱۲، ۱۳، ۱۸ اور ۲۰ اور اس کن کی کتاب جلد دوم میں " روئداد انجمن علوم بسبئی "۔ اس کتاب کی اصلیت کے متعلق ایس گوپار نے اپنے قابل قدر مضمون " امام اعظم اسماعیلیوں " (مطبوعہ جرنل ایشیاتک بابت ۱۸۷۷) طبع علیحدہ صفحہ ۶۱-۶۲ میں جو کچھ رقم کیا ہے وہ بدرجہ غایت ترین قیاس معلوم ہوتا ہے یعنی یہ کتاب اسماعیلیوں کی تالیف ہے اور اس میں اسماعیلی فرقے کے عقائد و اصول درج ہیں—

* " فہرست نسخہ جات قلمی فارسی موجودہ برتھن مہوزیم " صفحہ ۱۴۱-۱۴۲ مرتبہ دیو ۔ اس کتاب کی ایبھائی ایڈیشن کئی ایک ہیں اور ایک انگریزی ترجمہ بھی از شی وٹرائر (مطبوعہ پھرس سنہ ۱۸۴۳ ع " برائے فلند مشرقی قراجم ") موجود ہے —

+ اس نے ایشیاتک سوسائٹی ' کلکتہ ' ۱۹ فروری سنہ ۱۷۸۹ع کے ایک جلسے میں " ایرانیوں پر چھٹے سالانہ لکچر " میں اس کا ذکر کیا ہے (کلیات جلد اول صفحات ۷۳-۹۴)

سر ولیم جوفز کی خوش اعتقادی اُن کی تشکیک کے برابر برابر اور بے محل ہے	ایک عجیب انکشاف ہوا ہے ' اس کے متعلق میر محمد حسین ہندی کی مہربانی سے ' جو ہندوستان کے ایک نہایت ذہین

مسلمان ہیں ' ہم کو سب سے پہلے علم ہوا - اس انکشاف نے تاریک مطلع کو دفعۃً منور کر دیا اور قدیم ایران بلکہ بنی نوع انسان کی تاریخ کا ایک ایک ورق ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے ' ہم اس تاریخ کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے اور معلومات کے آفتاب کی بھی کسی دوسری سمت سے طلوع ہونے کی توقع نہیں رہی تھی —

سر ولیم جوفز کا ساتیر اور دبستان کی بابت مبالغہ آمیز خیال	یہ نایاب مگر دلچسپ رسالہ بارہ مذہبوں کے حالات پر مشتمل اور ایک کشمیری مسلمان سیاح محسن فانی کی

تالیف ہے۔ اس کا پہلا باب عجیب و غریب ہے۔ شروع کا بیان یہ ہے کہ زرتشتی مذہب سے ایک مدت پہلے ہوشنگ کا مذہب رائج تھا جو ابتدا سے مؤلف کتاب کے زمانے تک تعلیم یافتہ ایرانیوں کا خفیہ مذہب رہا ؛ ملت گہری اور اس میں بڑا اختلاف تھا ' شاہان ایران نے اس کے بعض ممتاز پیروں

پر برے ستم توڑے اور وہ لوگ ہندوستان
 کی طرف چلے آئے؛ یہاں آکر انہوں نے بہت سی
 کتابیں لکھیں جو اب ناپید ہیں مگر
 جن کو محسن نے دیکھا ہے بلکہ وہ ان کے
 مصنفین میں اکثر سے بخوبی شناسا بھی
 ہے؛ ان سے محسن کو معلوم ہوا ہے کہ
 کیمورث کی تخت نشینی سے ہزاروں
 سال پہلے ایران میں سلاطین کا ایک
 سلسلہ گزرا ہے جنہیں ماہ آبادیاں
 کہتے تھے، اس کی وجہ تسمیہ آگے بیان
 کی جائے گی، ان میں سے اکثر تاجداروں
 نے دولت ایران کو افتہائی معراج پر پہنچا
 دیا تھا، سات آفتہ کے نام و بستان
 میں بھی مذکور ہیں، انہی میں ایک کا نام
 ماہ بُل یا ماہ بلی ہے۔ اگر ہم محسن
 کے بیان کو جو راقم کے نزدیک مستند ہے،
 یقین کے لائق سمجھ لیں تو یہ ثابت ہوتا ہے
 کہ ایران کی سلطنت دنیا میں سب سے زیادہ
 پرانی سلطنت ہے۔ البتہ یہ پہلو مشتبه
 رہ جائے گا کہ اس سلسلے کے پہلے بادشاہ
 نسلا عرب تھے یا ہندو یا تاتاری یا ان
 سب سے جدا؛ ہمارا خیال ہے کہ یہ شبہ
 اُس وقت رفع ہو سکتا ہے جب کہ ہم قدیم ایران

کے علم و ادب، السنہ و مذہب، فلسفہ و حکمت اور ضمنی طور پر علوم و فنون پر عبور حاصل کر لیں۔“ —

”اب میں عجیبی السنہ و

حروف پر چند اچھوتے اور اہم خیالات پیش کرنا چاہتا

قدیم تاریخ عجم پر
جوفز کے خیالات

ہوں، ان میں بعض بیانات ایسے ہوں گے جن کو میں سر دست ثابت نہیں کر سکتا لیکن ناظرین سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ ان پر اعتبار کریں گے کیونکہ یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس بحث میں ناظرین کے سامنے جستہ جستہ الفاظ کا اعادہ اور مضمون کی بجائے فہرست الفاظ پیش کر کے ان کی توجہ پر بار ڈالا جائے؛ لیکن چونکہ میں کوئی علیحدہ نظام قائم نہیں کرنا چاہتا اور نہ میں نے اپنی قوت فیصلہ کو اپنے تخیل کے ہاتھ سے دھوکے میں پڑنے دیا ہے (کیونکہ میری عادت ہے کہ میں شہادت کے بل پر اشخاص و اشیا کے متعلق رائے قائم کیا کرتا ہوں۔ اجتماعیات کی بنیاد اسناد پر قائم ہوتی ہے جیسے طبیعیات کی بنیاد تجربے پر)؛ اور چونکہ میں نے مسائل زیر بحث پر عمیق نظر

تال ای ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ
 میوی شہادت پر شبہ نہ کریں گے اور
 نہ یہ سمجھیں گے کہ میں صحیح جادہ سے
 متجاوز ہو رہا ہوں، خصوصاً ایسی حالت میں
 جب کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ
 میں کسی ایسی چیز کا دعویٰ نہ کروں گا
 جسے میں پورے طور پر ثابت نہیں
 کر سکتا۔ —

ان بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ
 ولیم جونز کی غلطیاں | سر ولیم جونز اثبات و انکار میں
 مکابرہ سے کام لیتا تھا اور بد بختی سے بارہا دونوں
 صورتوں میں ہر سر غلط ہوتا تھا۔ وہ بہ یقین اور ” بلا خوت
 تردید“ سائی رس اور شاہنامے کے غیر تاریخی کیخسرو
 (کاوہ ہسروہ یا ہسروہ مذکور اوستا) کو ایک ہی شخص اور
 غیر تاریخی سلاطین پیشدادی کو شاہان آسور سمجھتا ہے۔
 کم ہی سیز (قدیم عجی کتبوں پر کہجوجیا) کو فارسئی حال کے
 ” کام بخش“ سے مشتق اور بجائے نام کے خطاب شاہی تعبیراتا ہے،
 اسی طرح زرخسیز کو (جسے کتبوں میں خشیارشا لکھا ہے) شیروئی
 سے مشتق بیان کرتا ہے (اور لطف یہ ہے آئکتیل نے اہرز کو
 اندرہ مینیوش سے مشتق کیا تو اس صحیح اشتقاق کو نفرت
 کے ساتھ رد کر دیا اور اس کے بعد یہ خیال پیش کرتا
 ہے)؛ وہ اس غلط گمان پر برابر جہا رہا کہ ژند اور پہلوی
 میں کوئی اصلی کتاب باقی نہیں، دلیل یہ کہ دبستان

کے وسیع النظر مصنف کا بیان ہے کہ زراتشت کی تصنیف
 ناپید ہو چکی ہے اور اس کی جگہ ایک نئی قالیف گھڑائی
 گئی ہے؛ وہ اس راے کا حامی تھا کہ ایران کی سب سے پرانی
 زبانیں جو آج تک دریافت ہو سکی ہیں وہ کلدانی اور
 سنسکرت ہیں، نیز جب یہ دونوں ساقط الرواج ہوئیں تو
 کلدانی سے پہلوی اور سنسکرت سے ژند نکال لی گئی اور
 پارسی زبان یا تو ژند سے پیدا ہوئی یا براہ راست
 برہمنوں کی زبان سے۔ ایرانیوں کی طرح اس کا بھی خیال تھا
 کہ جمشید (جو اوستا میں یہہ اور ہندوؤں کی کتھاوں میں
 یہہ کے نام سے مذکور ہوا ہے اور جو ایک ظلی سی ہستی ہے جو
 ہند۔ آریائی روایات میں مشرقی طور پر مذکور ہے) وہی
 شخص ہے جس نے پرسی پولس (استخر) کو بسایا، ہندا منشی کتبے
 جو اس وقت پرسی پولس میں پائے جاتے ہیں ان کی نسبت اس
 کی راے تھی کہ ان کے نقش و نگار اگر حقیقت میں زبان کے حروف
 ہیں تو وہ مقدس نشانات اور اسرارِ علامات یا محض رسوم ہیں
 جن کی کلید مطالب شاید مذہبی پیشواؤں کے قبضہ میں تھی۔
 آخر میں سر جونز جعلی دستاویز کو اصلی تسلیم کرتا ہے، اس کی
 زبان کو آسمانی زبان کہتا ہے (حالانکہ در حقیقت بعد تحقیق
 ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی زبان ہی نہیں بلکہ لایعنی کلمات کا
 مجموعہ اور مروجہ فارسی کا ایک ناقص چربہ ہے جس میں
 ”تفسیر“ قلمبند ہے) اور اُس کے معانی و مطالب کو دور قدیم
 کے ایسے بیش بہا تاریخی واقعات بتاتا ہے جن سے آریں قوم
 کی اصلیت پر بالکل نئی روشنی پڑتی ہے اور یہ ثبوت بہم

پہونچتا ہے کہ ”کیوسرٹ کی تخت نشینی سے قبل ایران کا مذہب برہمنوں کا مذہب تھا..... اور اہل ایران کیوسرٹ کو تعظیماً سب سے پہلا انسان مانتے تھے اگرچہ وہ اس کے بھی قائل تھے کہ کیوسرٹ کے عہد سے پیشتر ایک ”طوفان عالمگیر“ ہوا ہو چکا تھا۔“ - در حقیقت آنکتیل کو پورا بدلہ مل گیا اور یہ مزخرفات اس قانون کی ایک روشن مثال ہے کہ ”نا واجب شک اور نا واجب زود اعتقادی“ ان دونوں کا ساتھ چولی دامن کا ہے۔

سر ولیم جونز کی رائے کا اثر	سر ولیم جونز نے اگرچہ قدیم ایران کی تاریخ و زبان کے متعلق فاش غلطیاں کیں لیکن پبلک زندگی میں وہ ایسا

ممتاز ہو چکا تھا، معاملات میں وہ ایسا وسیع القلب اور غیر متعصب مانا جاتا تھا، علم و ادب میں ایسا فاضل اور تحقیق و تفحص میں ایسا پاکیزہ طبع سمجھا جاتا تھا کہ اس کی رائے بالخصوص اس کے وطن میں انتہا درجہ وزن رکھتی تھی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اصی اوستا کے بارے میں اس کا شک آواز باز گھٹ بن کو انگلستان میں سر جان چارٹین اور رچرٹسن (فارسی کا مشہور لغت نویس) جرمنی میں مائٹر اور تائخ زین کے منہ سے نکلا، لیکن آخر الذکر بعد میں آنکتیل کا نہایت سر گرم حامی بن گیا تھا اور جس شخص نے ابتداء ہی سے آنکتیل کی حمایت میں جوش دکھایا وہ جرمنی کا فاضل کلیوکر تھا۔ اس نے آنکتیل کی کتاب کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا اور اس کے ساتھ کئی ضمیمے لگائے، تاہم انگلستان میں

اُس وقت سر ولیم جونز کی رائے کے سامنے کوئی چیز نہیں تھہر سکی اور آنکٹیل کا ترجمہ ”ایک جعلی اور ناقابل توجہ شے کی طرح الگ پھینک دیا گیا *“ بر خلاف اس کے فرانس میں ابتدا سے اس کو قدر و منزلت کا وہ رتبہ بخشا گیا جو آج عالمگیر طور پر اُس کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس قدر شناسی کے تدریجی مدارج کی تفصیل معلوم کرنا اس کتاب کے مقصد سے خارج ہے، اس لئے ہم صرف چند موتی موتی باتوں کا تذکرہ کریں گے۔ جن صاحبوں کو پوری تفصیل کی تلاش ہو وہ ہوگ اور تارمشتیتر کے بیانات ملاحظہ کریں جن کا حوالہ اس صفحہ کے حاشیہ میں درج ہے، نیز گیاندنر کا مضمون ”کتب متعلقہ اوستا“ جلد دوم صفحہ ۱-۵۳، خصوصاً صفحہ ۴۰ تاریخ تحقیق اوستا جو دیگر و کوہن کی ”اساس انسانیات عجم“ (سٹراس برگ ۱۸۹۶) میں طبع ہوا ہے —

تے ساسی اور آنکٹیل | آنکٹیل کی حمایت میں جس شخص نے سب سے پہلے قلم اُٹھائی وہ اُس کا ممتاز ہم عصر ایس تے ساسی تھا، اُس نے سنہ ۱۷۹۳ ع میں ”رسالہ علما“ میں قدیمیات اہل ایران پر پانچ مشہور مضامین شایع کئے جن میں خصوصیت کے ساتھ آل ساسان کے پہلوی کتبوں پر بحث

* ”اہل ایران“ از ہوگ صفحہ ۱۶-۵۳، مرتبہ ویست اور طبع سوم، اور مقدمہ ترجمہ اوستا از تارمشتیتر جو مہکس ملر کے صحائف مقدسہ، مطبوعہ اوکسفورڈ (۱۸۸۰) جلد چہارم صفحہ مقدمہ ۱۳-۲۵، میں طبع ہوا ہے، کتاب کے اس حصے میں ہم نے ان دونوں کتابوں سے بہت استفادہ کیا ہے —

کی گئی ہے - تے ساسی نے کتبوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں یونانی تراجم کے علاوہ ، جو بعض کتبوں کے ساتھ شامل ہیں ، آنکٹیل کی فہرست الفاظ (مشہولہ جلد سوم ۴۳۲-۵۲۶) سے خاص طور پر استفادہ کیا ہے - تارمشتیگر کا قول ہے کہ ” اس طرح تحقیقات کی ترقی کا باعث ہو کر آنکٹیل کی تصنیف نے اپنا اہتمام خوب لیا کیوں کہ یہ صورت تردید ہزاروں دلائل سے بہتر ہے “- اوستا کے کہنے ترین نسخے جو اب تک معلوم ہو سکے ہیں ، چودھویں صدی عیسوی تک کے ہیں اور دور ساسانی کے کتبے ، تیسری صدی تک کے ، اس لئے اُن کا فرضی ہونا ایک اچھے کے لئے بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا، اگر آنکٹیل کی فہرست الفاظ ان کتبوں کی کنجی ثابت ہوئی تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ آنکٹیل نے جو پہلوی اپنے دستوروں سے سیکھی تھی وہ ساسانی عہد کی اصلی زبان تھی اور نیز یہ کہ اس میں ساسی الفاظ مثلاً ملکا (بادشاہ) شنت (سال) اب (باپ) شہسا (سورج) لا (نہیں) کا اختلاط ایک امر واقعہ ہے ، اس کی صحیح توجیہ خواہ کچھ ہو تاہم سرولیم جونز نے ان الفاظ کو عربی * سمجھ کر (؟و بعد میں اُس نے اُن کو کلدانی + تسلیم

* خط بنام جناب الف باشددہ پ کے صفحہ

۶۱۰: — جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عربی کے یہ بگڑے ہوئے الفاظ ژند و پہلوی کے الفاظ بھان کئے گئے ہیں تو ، ہم دیکھنے کی چوت کہہ سکتے ہیں کہ اس مکار (یعنی مقدس داراب) نے آپ کو دھوکا دیا اور ، آپ اپنے ناظرین کو دھوکا دینا چاہتے ہیں —

+ سر جونز کی تصنیفات کی جلد اول صفحہ ۸۱ —

کر لیا) دعویٰ کیا تھا کہ یہ الفاظ اپنی عبارت کی نسبت عدم قدامت کی شہادت دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ آنکتیل کا ان کی عبارت کو قدیم سمجھنا ایک زود اعتقادی حماقت تھی اور اس کے معلم دستوروں نے اُس کو دھوکا دیا تھا مگر آنکتیل کو تو کیا دھوکا دیا گیا تھا جونز نے خود ہی دھوکا کھایا۔ چنانچہ تائخ زین بھی نہایت شد و مد کے ساتھ اس کی تائید کرتا ہے:—

یہ امر اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلوی
آل ساسان کے عہد میں رائج تھی کیونکہ
یہی وہ سلاطین ہیں جنہوں نے یہ کتبے
کندہ کرائے اور یہی وہ لوگ ہیں بلکہ
ان کا پہلا بادشاہ اردشیر بابکاں وہ شخص
ہے جس نے تعلیم زرتشت کو دوبارہ فروغ
دیا۔ اب یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی
ہے کہ ژندی کتابیں پہلوی زبان میں کیوں
ترجمہ کرائی گئی تھیں، یہاں پر ہر چیز
گواہی دیتی ہے اور باواز بلند پکارتی ہے
کہ وہ اصلی ہیں اور قدیم ہیں*—

الغرض دے ساسی نے جن کتبوں کو مذکورہ بالا طریق سے
پڑھا تھا یورپ اُن سے اُس وقت واقف ہو چکا تھا جبکہ

* اس حوالہ کو تارمشتہتر نے ترجمہ ویندیداد کے (صفحہ ۱۹-۲۰) دیباچہ میں نقل کیا ہے دیکھو گذشتہ دو نوٹوں سے قبل کا نوٹ (اہل ایران از ہوگ.....) —

سیموئل فلور نے سنہ ۱۷۶۷ ع میں اُن کے چرچے اُتار کر ”رسالہ اعمال فلسفیانہ“ بابت جون سنہ ۱۶۹۳ ع (صفحہ ۷۷۵ تا ۷۷۷) میں اُنہیں شائع کیا تھا۔ ان کتبوں کی مزید نقلیں شارتن (سنہ ۱۷۱۱ ع) فی بور (سنہ ۱۷۷۸ ع)

اور کچھ عرصے بعد دوسرے سیاحوں * پہلوی کتبے کی تصنیفات کے ساتھ طبع ہوئیں اور

گو کہ ڈائلٹر ہائڈ نے بھی اپنی کتاب میں اُن کو چھاپ دیا تھا لیکن تے ساسی وہ پہلا محقق ہے جس نے کم و بیش صحت کے ساتھ اُن کا ترجمہ پیش کیا۔ تے ساسی کے مضامین (طبع ۱۷۹۸) کی اشاعت کے پانچ برس بعد

سین پارتھ لے سی پال تے سین پارتھ لے سی نے (جو آباء

کرملیہ میں سے تھا) بمقام روم اپنا مضمون ”السنة سنسکریتیہ و جرمنیہ کی قدامت اور باہمی قرابت“ شائع کیا جس میں اُس نے قدامت اوستا پر دلائل قائم کی ہیں بلکہ یہ ظن بھی ظاہر کیا کہ اوستا کی زبان اور سنسکرت + دونوں میں کوئی

* دیکھو ویسٹ کے مضمون ادبیات پہلوی میں ساسانی کتاب کا حال جو ”سیاست لسانیات عجم“ جلد دوم صفحہ ۷۶-۷۹ میں طبع ہوا ہے؛ نیز دیکھو ”مضمون بر پہلوی“ از ہوگ (طبع بمبئی اور لندن سنہ ۱۸۷۰ ع) اُس مضمون کے شروع میں اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے کہ پہلویات میں یورپ نے عہد بعہد کتنی اور کیونکر ترقی کی۔

+ ڈارمشتیگر کی کتاب مذکور صفحہ مقدمہ ۲۱، یہی خیال (باقی بر صفحہ آئندہ)

فہ کوئی تعلق ضرور ہے۔

قدیم فارسی کتبوں کی تحقیق۔ گروت فنت

عجمیات کے متعلق دوسرا کارنامہ اور جو شاید اس فن کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، پیکانی کتبوں کا حل کر لینا ہے (یہ وہ

کتاب ہے جن کا خط اور زبان دونوں نامعلوم تھے)۔ ان کتبوں کے حل کے متعلق پہلی اہم منزل گروت فنت نے ۱۹ ویں صدی کے آغاز میں طے کی۔ اس محقق کی تحریریں صفائی استدلال اور وسعت نظر کے نمونے ہیں، جن کو گاتن جین کی جمعیت العلوم شاہی کے کاغذات میں سے حال ہی میں نکالا گیا ہے اور ڈبلیو میٹر نے سوسائٹی مذکور کی روداد بابت ۱۳ - ستمبر سنہ ۱۸۹۲ ع صفحہ ۵۷۱ - ۶۱۶ میں شائع کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلی تحریر ابتداء ۴ - ستمبر سنہ ۱۸۰۲ ع کو پڑھ کر سنائی گئی تھی، دوسری ۲ اکتوبر، تیسری ۱۳ نومبر سنہ مذکور کو اور چوتھی ۲۰ مئی سنہ ۱۸۰۳ ع کو۔ اس وقت یعنی ۱۹ ویں صدی سے پہلے اگرچہ تائخ زین اور میٹر ان کتبوں کے پڑھنے میں کچھ کوششیں ضائع کر چکے تھے لیکن جیسا کہ ڈاکٹر ہائڈ کی تصنیف کی تنقید میں ہم دیکھ چکے ہیں عوام بلکہ علماء کا یہ بھی خیال تھا کہ کتبوں کے حروف کسی زبان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴)

جو اب مسلم الثبوت ہو گیا ہے (کہ اوستا کی زبان اور سندسکرت آپس میں دو بھلیں ہیں) دے ساسی نے ”رسالہ علماء“ بابت مارچ سنہ ۱۸۲۱ ع صفحہ ۱۳۶ میں نہایت صحت و صفائی کے ساتھ قائم کیا تھا۔

حروف نہیں ہیں، وہ یا تو عہارات کے نقش و نگار ہیں یا کیڑوں مکوڑوں کا کام، اور یہ نہیں تو معہاروں کے بنائے ہوئے نشانات یا اعدادی علامات ہیں۔ حسن اتفاق کہ اس مسئلہ پر گروت فنت اور اس کے ایک دوست فائی اوری لو کے درمیان جھگڑا ہو گیا، گروت فنت اس نکتے پر زور دیتا تھا کہ جن کتبوں کی زبان اور حروف نامعلوم یا گُمنا می میں مدفون ہوں ان کا انکشاف حال بالکل ممکن ہے، چنانچہ اس ضد پر اس نے تحقیقات کی طرہ قدم بڑھایا اور پہلے نوشتے میں ذیل کے اہم مگر عام فتائج مرتب کئے :-

(۱) کتبوں کی علامتیں علامات	گروت فنت
خط ہیں —	کے عام نتائج

(۲) کتبے تین مختلف زبانوں میں قلمبند ہیں، ہر ایک زبان کا رسم الخط جدا ہے اور ایک کتبہ دوسرے کا ترجمہ ہے —

(۳) بالخصوص پہلی قسم (قدیم فارسی) کے کتبے اور دوسری کے بھی ”حروف“ سے مرتب ہیں نہ کہ تصاویر مقاطع یا تصاویر کلہات ہیں، جیسے کہ آسوری اور چینوں کے ہاں رائج ہیں —

(۴) معلوم پیکانی کتبوں کی سمت
تحریر یکساں ہے یعنی ان میں
سے ہر ایک متوازی الافق سطور میں
بائیں سے دائیں طرٹ نکھا ہوا ہے۔

گروت فنت کا | یہ نتائج آج مسلم الثبوت مانے جاتے ہیں۔
طریق تفحص | گروت فنت نے ان کی روشنی میں پہلی قسم کے
دو کتبوں کو تفصیل کے ساتھ جانچا اور یہ نتیجہ نکالا کہ ان
کی زبان ژند (یعنی اوستائی) ہے (یہ قیاس اگرچہ بعد میں
صحیح ثابت نہ ہوا لیکن صحت کے قریب نکلا) اور ان کا تعلق
”کسی قدیم تاجدار ایران سے ہے جو سائرس اور
سکندر کے درمیانی زمانے میں گزرا ہے“ یا بالفاظ دیگر
سلاطین ہخامنشی * سے۔ آل ساسان کے پہلوی کتبوں
کو تے ساسی پہلے پڑے چکا تھا لیکن جب گروت فنت
نے ان کو دیکھا تو ان کی مدد سے اس کو خیال آیا کہ
پہلے کتبے کا پہلا لفظ ضرور اس خاندان کے بادشاہ کا
نام ہے اور دوسرا بادشاہ کا لقب، پھر اس نے دیکھا
کہ جو نام دوسرے کتبے کے شروع میں آیا ہے وہ
پہلے کتبے میں لقب کے بعد لکھا ہوا ہے۔ ساسانی کتبات
کے نمونے پر گروت فنت نے اس سے یہ صحیح نتیجہ اخذ

* کتبات قسم اول کی نسبت اس کا یہ خیال کہ وہ
خسروان ہخامنشی کے عہد سے متعلق اور فارسی قدیم میں ہیں
اس وجہ سے پیدا ہوا کہ ان بادشاہوں کے نام کتبات میں
ہمیشہ صدر میں مذکور ہیں —

کیا کہ اس لفظ سے شہنشاہ مراد ہے اور آخر میں جو خفیف سا فرق ہے وہ علامت مضامین کے لاحق ہونے کی وجہ سے ہے، پھر اس سے یہ پتہ لگایا کہ پہلے کتبے کے دو ناموں میں سے ایک باپ کا نام ہے اور دوسرا بیٹے کا، ان میں سے ایک کو، تائخ زن نے ملکیوش تجویز کیا تھا، گروت فنت نے اس کو دارا سے زیادہ مطابق پایا جو دانیال عزرا اور نحمیاء کی کتابوں میں داری یا ووش (دریائوش) کی شکل میں ملتا ہے اور دوسرے کو تائخ زن نے اوش پت شہ پڑھا تھا، گروت فنت نے زر کسیر (حشیر شہ بیان کیا، کیونکہ قدیم فارسی کتبہات میں یہ دونوں نام سات سات جداگانہ حروف سے مرکب ہیں) جیسا کہ اب یہ پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے ان میں سے پہلے کے سات حروف یہ ہیں: - 'ا' 'ر' 'ے' 'د' 'و' 'ش' - دوسرے کے یہ: - 'ک' 'ش' 'ے' 'ا' 'ر' 'ش' 'ا' ان میں سے ایک حرف الف دونوں ناموں میں تین بار آتا ہے اور تین حروف یعنی 'ر' 'ے' 'ش' دو بار اور ہر نام کے مجموعہ حروف میں ان حروف مکررہ کے محل سے ان کی تعیین میں مزید امداد ملی۔ اچھا، سورخان یوفان کے نوشتوں سے اس وقت معلوم تھا کہ دارا، ہستاس پیز کا بیٹا تھا جو آفکتے کی تصنیف میں گشتاسپ، وشتاسپ وغیرہ کی اصل شکلوں میں لکھا ہوا ہے اور کتبہ زر کسیر کی مثال سے یہ گہاں غالب معلوم ہوتا تھا کہ دارا نے بھی اپنے کتبے میں اپنے باپ کا نام

ضرور لکھا ہوگا بلکہ فی الحقیقت دارا کے اس کتبے میں مناسب مقام پر دس حرفوں کا ایک مجموعہ موجود ہے جس کے آخری تین حروف کو (جو اب 'ہ'، 'ی'، 'ا' تسلیم کر لئے گئے ہیں) پہچان لیا گیا تھا کہ وہ مضات الیہ کا لاحقہ حالت ہیں، باقی ماندہ سات حروف میں سے دو یعنی تیسرا حرف ش اور پانچواں حرف الف پہلے سے معلوم ہو چکا تھا اور اس نام کی اوستائی اور یونانی شکلوں میں جو اجزا مشترک تھے اُن کے لحاظ سے اس مجموعے کا چوتھا حرف 'ت' چھٹا 'س' اور ساتواں پ فرض کیا جاسکتا تھا۔ اب ابتدا کے دو حروف باقی رہ گئے، ان میں سے ایک کے متعلق تو صاف ظاہر تھا کہ وہ حرف صحیح یعنی 'گ' یا 'و' ہے اور دوسرا حرف علت (لیکن یہ پیش کا حرف نہ تھا جو معلوم تھا لہذا قیاساً زیر کا حرف خیال کیا جاتا تھا) مگر گروت فنت نے دراصل ان کے مجموعے کو "گو" بجائے 'و' پڑھا تھا —

ایسے مہتمم بالشان اور معین نتائج	تفحص کا ثمر

تھے جن کی طرف گروت فنت کا ذہن منتقل ہوا، اس نے مزید کاوش کی لیکن رہ گیا، کیونکہ ایک طرف تو اُس کو یہ دھوکا ہو گیا تھا کہ کتبوں کی زبان اوستا کی زبان ہے، اس پر یہ غلط فہمی مستزاد کہ اوستا کے متعلق آنکیتے کے بیانات ناقص اور بہت سی جزئیات بالکل غلط ہیں اور دوسری طرف کتبوں کے انکشاف و افہام کے لئے اُس کے پاس جو کچھ مواد موجود تھا وہ قطعاً نا کافی تھا۔ پس جیسا کہ اس وقت معلوم ہو چکا ہے گروت فنت کا تعین

حروف کتبات بہ مشکل فیم صحیح تھا اور متن کتبات کا ترجمہ و نقل فقط تقریبی طور پر قرین صحت، چنانچہ استخر کے کتبوں میں ایک کتبہ (فی بور پلیٹ ۲۴) اسپیکل کی تصنیف مسہاری (میخی) کتابے، مرتبہ ۱۸۶۲ (صفحہ ۴۸ ب) جس پر کروت فنت نے خاص عرق ریزی کی تھی آج کل بالفاظ ذیل تسلیم کیا جاتا ہے:—

داریاوش، خشایتھیدہ، وزرکہ،
 خشایتھیدہ، خشایتھیدانام، خشایتھیدہ
 دہینام، وشتاسپمیدہ، پتوہ ہنخا
 منیشیدہ، ہیدہ، امم تخرم، اکو نوش
 دارا، شاہ اعظم، شاہ شاہان،
 شاہ صوبجات، ابن گستاہ
 ہنخامنشی، جس نے یہ معبد
 تعمیر کیا

کروت فنت کی نقل اور ترجمہ یہ ہے:—

دارہیوش، خشہ ہی او، ایگریہ،
 خشہ ہی او، خشہ ہی اوہیت
 چاؤ، خشہ ہی او، داہوت چاؤ،

گشتا سپاہی، بون، آخیوت
چوشوہ، آہ، اورودو، ایزت
چوش

قارے دی اُس، ریکس فارتس،
ریکس ریگم، ریکس دھروم
(فی لی اُس)، ہستاس پس،
استر پس منڈی دیک توردس،
ان کونسٹیلیشن میسکولا، مورو
ایزو.....

تفحص کی | تاہم اگرچہ گروت فنت کی ہر ایک کوشش
قدر و قیمت | سر سبز نہوی لیکن اس نے جو کچھ کر دکھا یا
اس کی کوشش کی ہمت بھی غالباً کسی کو نہوتی -
اس کا طریق تفحص اور مستلبط نتائج آئندہ تحقیقات
کے لئے چراغ ہدایت ثابت ہوئے اور ان کی بدولت چیستان
کتبات کا ایک ایک حرت حل ہو گیا - تے ساسی نے جس
کے نقش قدم پر گروت فنت نے اپنا قدم ڈالا تھا، سب سے
پہلے گروت فنت کے نتائج کی منزلت بلند کو سمجھا اور چار
دافک عالم میں اس کی اشاعت کی، بخلاف اس کے سپین
مارتان کے پیش کردہ لیکن مخالفانہ طریق تفحص کو

ایوان مقبولیت میں بار یابی نہ ہوئی *۔

رولنسن، برفوت اور لاسن | اس کے بعد مگر تقریباً اسی زمانے
کی مزید ترقی | یعنی سنہ ۱۸۳۶ - ۱۸۳۷ ع میں تین

اشخاص لاسن، برفوت، اور رولنسن نے حل کتبیات میں معتد بہ
ترقی کی، آخر الذکر علاحدہ طور پر ایران میں مصروف
تھا اور اس کو انکشافات گروت فنت کا مطلق علم نہ
تھا، اس نے دارا کے بے ستون والے عظیم الشان کتبے کے
پہلے جزو میں یہ نام پڑا اٹھے تھے :- ارشامہ، اریارامہ،
چیش پیش اور ہنخامنش - برفوت سنسکرت داں تھا
اور اس زبان سے کچھ مقابلہ طریق پر اور کچھ غیر
یوسینگ کے ترجمہ سنسکرت کے ذریعہ اوستا کے مطالب
معلوم کرنے میں کام لے چکا تھا اور اب وہ یا سنا پر
اپنی مہتم بالشان + تصنیف کو ختم کر کے پیکانی کتبوں
کی تدقیق میں مصروف ہوا، اس سلسلے میں اس کو وہ
تازہ مواد ہاتھ لگ گیا جسے بد نصیب سیاح شولٹز نے
اضلاع وان † اور الوند سے فراہم کیا تھا، گو برفوت کی

* انکشاف کتبیات کی تفصیل و ترقیء مزید کے متعلق
دیکھو ”حل کتبیات کی تاریخ مختصر“ جو اس کی کتاب
”مسماوی کتابے“ محمولہ بالا میں شامل ہے، نیز ”اساس لسانیات
عجم“ از گیگرو کوہن جلد دوم صفحہ ۶۴ - ۷۴ اور کتاب
”تاریخ قرات و حل کتبیات“۔

+ ”تفسیر یاسنا“ (پہرس ۱۸۳۳ - ۱۸۳۵)

+ ”دو کتبے“ (پہرس ۱۸۳۶)

تحقیقات کو لاسن کے زرین نتائج نے کسی قدر ماند اور نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ مگر سب سے پہلے اسی نے ممالک کے ان ناموں کی فہرست کی طرف توجہ دلائی جو دارا کے کتبۂ اعظم میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ اُس نے ذات باری فاکام یعنی اہرمزد اور چند دیگر الفاظ پڑے لئے اور بتایا کہ کتبوں کی زبان اوستا کی زبان سے قریبی تعلق رکھتی ہے لیکن بعینہ وہی نہیں اور کتبوں کی عبارت میں حروف اعراب شروع کے علاوہ کسی اور مقام پر ظاہر نہیں ہیں۔ فہرست مذکورہ اس نے ۱۸۳۵ء کے موسم گرما میں لاسن کو بھیجی، اس ذریعہ سے لاسن نے حروف کا تعین صحت سے انتہا درجہ قریب کر دیا اور اس امر کو دامن ثبوت تک پہنچا دیا کہ سنسکرت کی طرح کتبوں کی زبان میں بھی اکثر حروف صحیح ہوئے فتحہ اپنے ساتھ مستتر رکھتے ہیں (یعنی اکثر حروف کو اِشہام فتحہ کے ساتھ تلفظ کرتے ہیں) مثلاً اس نے بیان کیا کہ س، پ، ر، د، سپردہ (ہ کی آواز الف * کے مثل اور نہایت خفیف سمجھنی چاہئے) کا قائم مقام ہے۔ آئندہ چار سال کے اندر اندر (یعنی ۱۸۴۰ء) تک لاسن کے انکشافات واستنباط نے محققان پیرا و یاقے کے ہاتھوں توسیع و تشریح و تصحیح پائی، کلاتہ جیمس رچ، برطانوی ریڈیڈنٹ مقیم بغداد کا فراہم کردہ سرمایۂ معلومات شائع ہوا اور ویسٹر گارڈ کتببات استخر کی نئی مگر زیادہ صحیح نقلیں اُتار کر لایا۔

قدیم فارسی کی مزید تحقیق	عجمیات (پرشین اسٹڈیز) کے شعبہ
	زیر بحث کی مزید ترقی پر تفصیلاً

گفتگو کا یہ موقع نہیں، صرف اتنا بیان کئے دیتے ہیں کہ ۱۸۵۲ ع میں لاف لٹس اور ۱۸۸۴ میں تی لا فوئے نے بعض چیزیں سوس میں دریافت کیں؛ ۱۸۷۶ ع اور سنین متعاقب میں شتولہ نے استخر پہونچکر کچھ تصویریں اتاریں اور ۱۸۸۲ ع میں بمقام برلن ”پرسی پولس“ نام کی دو جلدوں میں طبع کرایا؛ اس کے بعد بھیینگ، بار تھولوس، بالن سین، فائے، ہالیدی، ہٹسٹخ، حیپشن مان، کرن، ملر، میداں، سائیس، تھمب اور دوسرے محققوں نے بعض مسائل پر روشنی ڈالی۔ موسیو کو مت تے گوبی نو نے اپنی کتاب موسومہ ”مسحاری کتبوں پر رسالہ“ (پیرس ۱۸۶۴ ع) میں کتبوں کی عبارت کو طلسمی ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن یہ مہمل خیالات اس لایق نہیں کہ ایک لمحے کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوں، البتہ کتبوں کے رسم الخط، ان کی حقیقت و نوعیت پر اپرت نے جو نکتہ آفرینی کی ہے وہ بالاختصار ذیل میں قلم کے حوالہ کرتے ہیں:—

فارسی کے پیکانی حروف	قدیم فارسی اور آسور کے پیکانی
پرمحقق اپرت کی رائے	حروف بظاہر ایک دوسرے سے مشابہ

ہیں، لیکن اس مشابہت کے باوجود ایک نہایت اہم خصوصیت میں اختلاف رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے فارسی قدیم کے حروف سین حروف ابجد کی پوری شاخ پائیے

جاتی ہے، ان کی مجموعی علامات تعداد میں ۴۱ ہیں، ان میں سے چار ”علامات لفظ“ یعنی بار بار آنے والے لفظ اہرمزد، بادشاہ، ملک، زمین کے لئے مختصر سے اشارے ہیں اور ایک وقفے کی علامت ہے جو الفاظ کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا کام دیتی ہے۔ آسوری حروف چند مقاطع ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ تصاویر مقاطع یا تصاویر کلمات کا ایک مجموعہ ہیں جو چینی یا مصریوں کے تصویری رسم الخط سے ملتا جلتا ہے، دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ آسور کی تحریری علامتیں خیال یا معنی پر دلالت کرتی ہیں اور اُن آوازوں کو پیش نہیں کرتیں جو معانی کا قالب صوتی ہیں، ظاہر ہے کہ اس قالب صوتی کو ان علامات سے ایک اتفاقیہ تعلق ہے، چنانچہ قدیم تر اکادی زبان کا لفظ آسوری زبان میں منتقل کیا جاتا اور اس کے معنی بجسہ قائم رہتے لیکن اس کی آواز بدل جاتی۔ اب آپرٹ یہ قیاس لاتا ہے کہ فارسی قدیم کے حروف اس وقت ایجاد ہوئے تھے جب کہ دولت میدیا کو زوال اور ہٹنا منشی طاقت کو عروج ہوا تھا اور یہ حروف آسور کے تصاویر مقاطع سے بہ اسلوب ذیل اخذ کئے گئے تھے :-

آسوری سے ایک تصویر لیکر اُسے

فارسی لفظ کی تصویر مقطع کی آواز

عطا کردی جاتی تھی یا بالفاظ دیگر

آسوری فارسی کی تصویر تصور کر لیا

جاتا، پھر اس تصویری علامت کو تحلیل کر کے ایک سادی صورت میں لے آتے اور اس کو فارسی لفظ کی پہلی آواز کے لئے بطور ایک حرف کے مقرر کر دیتے، یہ عمل تحلیل و تعیین اس وقت تک برابر جاری رہا جب تک کہ فارسی زبان کی کل اوزاروں کے لئے تحریری علامات یا حروف پورے نہ ہو گئے۔ اس ترکیب سے چھٹی صدی قبل میں اہل ایران نے نظام تصاویر مقاطع سے (جو غالباً ابتدا میں تصویروں کا مجموعہ تھا) ترقی کر کے مکمل حروف تہجی پیدا کر لئے؛ لیکن اس تحلیل و تجزیہ کا عمل اُس مقام پر آکر رک گیا جہاں حروف صحیح سے وابستہ علامات حرکت (یعنی قتم، کسرہ، ضمد) کو جدا کرنا پڑتا تھا، لہذا مندرجہ ذیل اجزا کے لئے ایرانیوں کو مختلف حروف ایجاد کرنے پڑے :-

کا، کو؛ گا، گو؛ جا، جی؛ دا، دی؛ دو؛
 ما، می؛ مو؛ وغیرہ * —

* ان اجزا میں حروف علت کو حرکات کا قائم مقام سمجھنا

چاہئے (مترجم) —

فارسی پر آسوری اثر | یہ موقع اس امر کا ایک مزید ثبوت ہے کہ ایران سنین ماضیہ سے کس درجے

سامی اثرات کا تابع رہا ہے، پہلے پہل آسوری اثر محیط ہوا، پھر آرامی اور سب کے بعد عربی۔ استخر اور بے ستون والے منقوشات میں یہ اثر ایسا ہی نمایاں ہے جیسا کہ کتبات میں اور حسب تحقیق اشپیگل ("ایران قدیم" جلد اول صفحہ ۴۴۶-۴۸۵) اس کے نشانات اقلیم مذہب میں بھی ایسے ہی روشن اور نمایاں ہیں، نیز غالباً سیاسیات، نظام اجتماعی، شعبہ قانون اور فنون حرب میں بھی سامی اثرات کی حکومت آشکارا ہے۔ ایران کا "شاہ اعظم" شاہ شاہان، شاہ فارس، شاہ صوبجات، صرف طرز بیان اور القاب ہی میں اس "شاہ اعظم" شاہ آسوریہ" کا متقلد نہ تھا، بلکہ اور بہت سی باتیں تھیں جن میں وہ آسوریوں کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ شاید ان تعلقات سے وہ معمہ بھی حل ہو سکتا ہے جو پہلوی میں ہز و اش نے پیدا کر رکھا ہے اور جس نے پہلوی کی صحیح ماہیت کی نسبت ارباب تلاش کو ایک مدت تک مغالطوں میں غوطہ زن رکھا —

پہلوی خط کی خصوصیات | ایک معاصر مورخ ایم میانس مارسی لینس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ

پہلوی زمانے میں آج کی طرح ایرانی سپاہ اور رعایا اپنے بادشاہ کو شاہان شاہ کے لقب سے خطاب کرتی تھی (یہ لقب اُس زمانے میں قدیم لقب کھشایتھیا، کھشایتھیانام کی بجائے مروج تھا) ، لیکن باوجود اس کے اُسی زمانے کا پہلوی مہرر پہلوی حروف تہجی سے واقف ہو کر شاہان شاہ کے پرانے لقب

کی بجائے ملکان ملکا لکھتا تھا۔ اسی طرح پہلوی کاتب گوشت کے لئے لفظ بسرا اور روٹی کے لئے لکھتا تھا۔ صاحب الفہرست اور آغاز دور اسلامی کے دیگر باخبر مصنفوں کی شہادت سے پایا جاتا ہے کہ وہ ان آرمی الفاظ کو پڑھتے وقت فارسی الفاظ گوشت اور نان پڑھ جاتا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں کیا جاتا تھا۔ ہماری نگاہوں میں یہ عجیب اور بالکل خلاف قدرت چیز معلوم ہوتی ہے؛ اگرچہ ہم بھی چند صورتوں میں تقریباً اسی کے عادی ہیں۔ اور i. e. کو 'دیت از' e. g. کو 'فار اکزامپل' اور & کو 'ایند' پڑھتے ہیں۔ تاہم یہ عمل و ضابطہ ان لوگوں کے لئے بالکل قدرتی اور آسان تھا جو ایسے تصویری خط اور محض علامات الفاظ کے عادی تھے جن سے قوت سامعہ کی اعانت بغیر صرف فہم و ادراک سے کام نہ لایا جاتا تھا۔ اگر آسور کا باشندہ مفہوم پدر کے لئے اکادی زبان کی ایک "علامت لفظ" اختیار کر کے اس کو پڑھتے وقت اپنی زبان کا مراد لفظ پڑھ جایا کرتا تھا اور اصل اکادی لفظ کا جس کے لئے یہ علامت مخصوص تھی اُسے تصور بھی نہ آتا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ عجم کا باشندہ آرمی الفاظ ملکا، بسرا، لکھا کے ساتھ اسی قسم کا سلوک نہ کرتا اور ان کو مجموعۂ حروف کی جگہ محض علامات نہ گردان لیتا۔ اس میں شک نہیں کہ سابق بحث کے مطابق پہلوی کا عام رواج اُس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب کہ آسور کو نابود ہوئے عرصۂ دراز گزر چکا تھا یعنی دور ساسانی کے ساتھ (یعنی ۲۲۶ سے ۶۴۰ ع تک) اور اس کے بعد ابتدائی

اسلامی دور سے، لیکن پہلوی کے آثار تیسری اور چوتھی صدی قبل مسیح تک جاتے ہیں اور بقیاس غالب مہکن ہے کہ وہ اس سے بھی قبل کے سذوں میں موجود ہوں۔ ایشیا کی قدامت پسند آب و ہوا میں اس کا تعجب ہی کیا ہے؛ سیاق، جو ایران میں مالیات و حساب و کتاب میں آج بھی عالمگیر طور پر استعمال کیا جاتا ہے، مذکور اصدار بحث کی تقریباً ایک متماثل نظیر ہے، اس میں رقموں کی علامتیں، جو عربی کے معمولی اعداد کی بجائے کام آتی ہیں، دراصل مختلف اعداد کے عربی ناموں کی مختصر و مقطوعہ صورتیں ہیں۔ لیکن ایک ایرانی محاسب ان رقموں کو استعمال کرتے وقت ان کی حقیقت سے یا تو آشنا نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو اسے فراموش رکھتا ہے —

اوستیات کی مزید توفی | پہلوی مسائل پر مزید روشنی ڈالنے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوستا کی تحقیق و مطالعہ میں مسلسل طور پر جو محفنتیں کی گئیں ان کی طرف توجہ منعطف کریں۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ لاسن اور برنوت نے کتبات ہخامنشی کے حل میں سنسکرت سے کیا کیا مدد لی اور ضہناً بیان ہو چکا ہے کہ برنوت نے سنہ ۱۸۳۳ - ۱۸۳۵ میں یاسناد پر ایک معرکۃ الآرا کتاب لکھی۔ اس کتاب کی قمارچی میں اُس کی پہلی فکر یہ تھی کہ متعدد نسخوں کا باہمی مقابلہ کر کے یاسناد کا صحیح متن معلوم کیا جائے، جس نے لئے اُس نے آنکھتے کے فراہم کردہ مواد کو، جو فرانس کے قومی کتب خانہ میں طاق نسیاں کی نذر ہو چکا تھا، استعمال کیا اور فریو سہنگ کے ترجمہ سنسکرت کو بھی کام میں

لایا جو اُس وقت سب سے پرانا ترجمہ سمجھا جاتا تھا اور قدیم روایتوں پر دار مدار رکھتا تھا۔ مگر برفوت نے اس ترجمے کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر کس کر اس کا ایک ایک حرف جانچ لیا تھا، اس کے ساتھ ساتھ اُس نے اوستا کی زبان کے قواعد اور تدوین لغت کا کام بھی کیا، لیکن وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکا کہ دوسروں کو ایک راستہ بتا دیا اور مطالعہ و تحقیق اوستا کے لئے عملی بنیاد قائم کر دی۔ اُس کی مبسوط کتاب کا مبحث یاسنا کے ۷۲ بابوں میں سے پہلا باب ہے جو بجائے خود پوری اوستا کا پانچواں حصہ اور آداب عبادت پر مشتمل ہے اور اگرچہ کچھ زمانے کے بعد (۱۸۴۴ - ۱۸۴۶ ع) اُس نے یاسنا کے باب نہم کو بھی ویسے ہی اصولوں سے مگر مختصر طور پر کھنگالا لیکن اُس کی کاوشیں اس سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

جنگ مسالک | اسی زمانے کے قریب محقق یوپ کی مہتمم بالشان قواعد شائع ہوئی جس میں اُس نے مختلف آریں یا اندو یورپین زبانوں کی صورت و نحو کا مقابلہ کیا ہے۔ اس کی اشاعت نے محققان اوستا کے درمیان ایک نیا اختلاط پیدا کر دیا، اور دو مسلک ایک دوسرے کے مخالف قائم ہو گئے۔ ایک نے روایات کو رہبر بنایا اور دوسرے نے مقابلہ السنہ کو۔ اس وقت تک ہر ایک سمجھدار اور لائق محقق کو اوستا کے اصلی ہونے میں کوئی شک نہ رہا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اوستا کے سمجھنے میں پارسین کی

روایتوں پر کہاں تک اعتماد ہونا چاہئے۔ برفوت نے اپنی تصنیف میں فیوریو سینگ کی تفسیر با روایت کو اپنا رہنما بنایا تھا (کیونکہ اُس وقت تک اوستا کے قدیم تر پہلوی تراجم اچھی طرح سے سمجھے میں نہ آئے تھے اور اس لئے زیادہ کار آمد نہ ہو سکتے تھے) ، اس لئے وہ حامیان روایت کے ساتھ تھا اور پوپ اہل مقابلہ کا حامی؛ کیوں کہ وہ سنسکرت کا ماہر اور زبانوں کو اصول مقابلہ سے جانچنے میں مشاق تھا اور وہ اوستا کے مطالعہ کو سنسکرت کی لسانیات کی فقط ایک شاخ قرار دیتا تھا۔ اسی اثناء (۱۸۵۴ - ۱۸۵۸) میں ویسٹرگارت اور اشیپگل نے اوستا کے متن کو طبع کرا کے محققین کا ایک لشکر صف آرا کر دیا جس کا ہر ایک فرد اپنے اپنے طور پر اوستا کی گتھیوں کو سلجھا نے میں مصروف ہو گیا اور اہل مقابلہ و حامیان روایت کے درمیان ایک جنگ، جس کا نام تارم شتیتھر نے جنگ مسالک رکھا ہے، برپا ہو گئی۔ حامیان روایت کے اراکین میں برفوت کے بعد شپیگل اور یوستی کا مرتبہ ہے اور ان سے اتر کر تے ہارلتس اور گانگر کا۔ مقابلتہ میں بنفی اور روتھ صف اول میں ہیں۔ وندش مان کی حیثیت خط وسط پر قائم ہے، 'ہاگ ابتداً بنفی (یعنی اہل مقابلہ) کا سرگرم مقلد تھا، لیکن جب وہ ہندوستان سے واپس آیا تو روایات پارسی کا دم بھرتا ہوا، اور اس نے پہلویات میں اس قدر کام کیا کہ اس کا نام سالاران قافلہ میں درج ہے، 'ہاگ کا قتبہ ویست نے کیا اور یہ اس قدر کامیاب ہوا کہ اس سے بھی

زیادہ کامیابی حاصل کی، بقول گیلڈنر* اس کی صحت نظر اور بے مثل تبحر نے پہلویات کو ادنیٰ درجے سے اُتھا کر بلند مرتبے پر پہنچایا اور بالواسطہ اوستیات کے طریق مطالعہ کی اصلاح کی۔ لیکن پہلوی روایات کو جس بے نظیر شخص نے نہایت فراست و جامعیت کے ساتھ استعمال کیا وہ بے نظیر فاضل مرحوم تارم شتیتر تھا، اس نے نہایت احتیاط اور صحت اور کامل طریقہ پر روایتوں کے ساتھ اصل متدوں کا مطالعہ بھی کیا۔ نہایت مسرت کا مقام ہے کہ اگرچہ اُس نے گیلڈنر کی تنقید متون کے طریقوں پر سخت نکتہ چینی کی تھی لیکن آخر الذکر نے اس کی تصنیف اور طرز استدلال کو ان شریفانہ الفاظ میں بیان کیا ہے + : —

”تارم شتیتر ابتدا ہی سے ساسانی توجہ سے کا سرگرم حاسی اور پہلوی کے اسراروں سے واقف تھا، لیکن اُس نے اپنی آراء کا اخذ صرف ان ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس نے بخوبی محسوس کر لیا کہ	تارم شتیتر اور اس کے تاریخی طریقہ پر گیلڈنر کی تحسین

* دیکھو گیلڈنر کا پاکیزہ مضمون ”تحقیق اوستا کی تاریخ“ جو گانگو و کوہن کی کتاب ”اساس لسانیات عجم“ جلد دوم صفحہ ۴۰-۴۶ میں درج ہے اور جہاں مطالعہ اوستا کے متعلق ہر ایک قسم کی تفصیل و صراحت موجود ہے —

+ مضمون مذکور صفحہ ۴۵ —

استدلالات کے بہترین طریقے کے لئے
میدان تحقیقات میں وسعت پیدا
کرنی نہایت ضروری چیز ہے جس کی
بدولت انسان کورانہ جستجو اور
قیاسات سے نکل کر یقین و صحت کی
طرت آتا ہے۔ چنانچہ اس کا بلا واسطہ
ماخذ پارسیوں کے تراجم ہیں جن کو
اس نے نہایت تفصیل مگر احتیاط کے
ساتھ مطالعہ اور استعمال کیا اور
بالواسطہ ماخذ وہ روایات ہیں جو
ساسانی دور سے آج تک متداول ہیں
یعنی تھام پہلوی اور پارسی لٹریچر
پورا شاہنامہ عرب مورخین کے فوشہ
حالات، قدما کے تاریخی بیانات، زندہ
پارسیوں کی زبانی اطلاعات، اُن کے
رسوم و خیالات، موجودہ مذہبی
دستور و رواج جو بجائے خود صحیح
روایت پر مبنی ہیں، ایرانی لسانیات
کا تھام مواد جس میں اس کا ہر دور
ارتقا اور بولیوں کا اختلاف شامل
ہے اور خود سنسکرت بالخصوص
ویدوں کی سنسکرت۔ اس میں کلام

نہیں کہ تارم شتیتر سے قبل ان عنوانات پر کچھ نہ کچھ عرق ریزیاں ہو چکی تھیں، نامکمل طور پر اور نا کافی مواد کی بنا پر ۔ مگر تارم شتیتر نے تمام اجزا کو ایک جگہ جمع کیا اور ان کی ایک معین صورت پیدا کر کے ان سے یقینی نتائج اخذ کئے، اُس کی محنتوں کا ثمر پختہ، اُس کی تازہ ترین مگر بہترین کتاب ”ژنداوستا“ ترجمہ جدید حل تاریخی و لغوی ہے (عجائب خانہ یعنی موزہ گو سے کا سال نامہ جلد ۲۱، ۲۲، ۲۴ پیرس سنہ ۱۸۹۲-۱۸۹۳)۔ تارم شتیتر نے حامیان اہل روایات کے مسلک میں ایک نئی جان ڈال دی اور انصاف یہ ہے کہ اوستا کی تحقیق میں وہ طریقہ جس کو وہ تاریخی طریقے کے نام سے موسوم کرتا ہے، خالص اُس کی ایجاد ہے اور اس کی توضیح کے لئے اُس نے بے نظیر اور کثیر مواد فراہم کیا۔ اب رہا یہ امر کہ وہ اپنی بے مثال ذکاوت اور بے عدیل محنت میں کہاں تک

کامیاب ہوا یا جزئیات کی بحث
میں اس کے تیسرے نشانے سے کتنے فاصلے
پر گئے اس کا فیصلہ مستقبل کے
ہاتھ میں ہے۔“

پہلوی کتبہات کا | نا مناسب نہ ہوگا کہ اب ہم پہلوی متون
مزید حل | اور کتبوں کے حل کی جانب متوجہ ہوں۔

لسانیات عجم کی اس شاخ میں باوجود تے ساسی اور اس
کے جانشینوں کی (جن کا ذکر آگے آتا ہے) کامیاب محنتوں
اور حال میں ویست، ایندیریس، نویلدکے، تارم شتیتر،
المان وغیرہ کی بہم رسانی معلومات کے بہت کچھ کام کرنا
باقی ہے۔

نقش رستم کے | نقش رستم دریائے پلوار کی ڈائیں چٹانوں
ساسانی کتبے | پر واقع ہے جہاں دریائے مذکور وادیوں

میں پھیرو کھا کر 'سیوند' اور 'زرگون' کے درمیان مرودشت
میں آتکلتا ہے اور اس کے دوسری جانب مشرق میں دیو یا
تین میل کے فاصلے پر سامنے استخر نظر آتا ہے، یہاں ساسانی
عہد کے کتبے ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان میں سے بعض
کو حل کرنے میں تے ساسی نے جس قدر کاوش کا ثبوت دیا
وہ بے حد ستائش کے قابل ہے۔ ایک کتبہ جس کے حل میں
اُس نے خاص جد و جہد کی اگر سب سے قدیم نہیں ہے تو
بہت قدیم کتبوں میں سے ایک ضرور ہے، جن کو سلاطین
ساسان نے ہخامنشی کتبوں کی تقلید میں کندہ کیا تھا،
اس کا سن خاندان ساسان کے بانی اردشیر (ارتخشتر) ابن

پاپک کا عہد حکومت (۲۲۶ تا ۲۴۱ ع) ہے اور پہلوی کی دو جدا جدا صورتوں میں لکھا ہوا ہے جن میں سے ایک کو کلدانی اور دوسرے کو ساسانی کہتے ہیں۔ ہر ایک صورت کا رسم الخط وہی جداگانہ ہے، اس کے ساتھ یونانی زبان کا ترجمہ بھی کندہ ہے جس کی نقل یہاں درج کی جاتی ہے * :-

کتبے میں ساسانی پہلوی کی عبارت کچھ اس قسم کی ہے :-

پت کری زنا مزدیسن بگی ارتخ

شتر ملکان ملکا ایران مینو چتری سن

یزقان برا پاپ کی ملکا +

* کتبے کا متن ہاگ کے مضمون ”پہلوی“ (اسٹٹ گرت ۱۸۷۰) صفحہ ۴-۵ سے لیکر نقل کرتے ہیں اور ہاگ کے طریق پر یونانی عبارت کے متقے ہوئے حروف کو حروف کلاں کی بجائے حروف خورد میں درج کریں گے، ۱۸۸۸ء میں جب کہ ہم شمال ایران سے شہراز کی جانب سفر کر رہے تھے تو ہم نے اس کتبے کا معائنہ کیا اور دیکھا کہ یہ اور بھی دھندلا ہو گیا ہے —

+ جو الفاظ نسخہ میں لکھے گئے ہیں وہ ہزارش کے ہیں (اس اصطلاح کی تشریح آگے آتی ہے) پڑھتے وقت ایک ایرانی ان کے مراد فات پڑہ جایا کرتا تھا جیسے زنا (= دہ) کی بجائے آن، ملکان ملکا کی جگہ شاہنشاه، مین (سے) کے لئے، از برا (پسر) کے لئے، پور یا پوھر اور ملکا کے لئے (شاه) —

ترجمہ

[شبیبہ آن معبود ارتخشتر پرستار مزد، شہنشاہ

ایران، منوچہر یزدان پاپک شاہ] —

اس مزد کے پوجنے والے ارتخشتر بھگوان کی شبیبہ جو ایران کا شہنشاہ اور دیوتاؤں کی روحانی نسل سے ہے اور پاپک بادشاہ کا بیٹا ہے —

ساسانی سکے | اس تحقیقات کی کامیابی نے تے ساسی کی
ہمت بڑھائی اور جیسا کہ اُس نے اپنی کتاب
کے تیسرے اور چوتھے حصے میں بیان کیا ہے اب اُس نے اُسی
دور کے پہلوی سکوں پر مندرجہ عبارتوں اور ساسانی عہد کے
دیگر کتببات بیستوں کا مطالعہ شروع کیا - اوپر بیان ہو چکا ہے
کہ تے ساسی کی کاوشوں نے پیکانی کتبوں کے دریافت مطالب
میں گروت فنٹ کے لئے کس طرح نقطہ آغاز کا کام دیا،
اس کے بعد اول الذکر کی تحقیق کے اُس حصے کو جس میں
سکے اور تمغوں سے تعلق ہے اوسلے نے (۱۸۰۱) جاری رکھا
اور ساسانیوں کے تقریباً چالیس سکوں کو پڑہ ڈالا، پور
۱۸۰۸ سے ۱۸۱۳ تک تائخ زن بھی اسی اُدھیڑ بن میں
لگا رہا —

کتب و کتببات کی | ایک ہی زمانے کی پہلوی کتابوں اور
پہلوی | ساسانی یادگاروں (کتبے اور سکے) کے حروف

تہجی میں نمایاں فرق ہے اور کتابوں کے حروف زیادہ مبہم
ہیں، مگر یہ نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ بائیس برس پہلے
فیوم مصر میں کاهی کاغذ پر جو تحریروں کے اجزا ہو آمد

کٹے کٹے تھے اور جو اب تک غیر مطبوعہ حالت میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ ہنوز پورے طور پر پڑھے بھی نہیں کٹے اُن کے علاوہ تحریری پہلوی کے قدیم ترین نمونے صرت ۱۳۲۳ ع تک کے ہیں، گویا مندرجہ بالا ساسانی کتبے سے ایک ہزار سال بعد کے۔ اس مدت میں (جس کے دوسرے نصف میں پہلوی رسم الخط کو صرت پارسی حاملان ملت ایسی قدیم کتابوں کو نقل کرنے کے کام میں لاتے تھے جو باقی رہ گئی تھیں) تحریری حروف بگڑ کر بغایت ابتر حالت میں پہنچ گئے یہاں تک کہ وہ حروف جو بلحاظ شکل ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے اب ہم شکل ہو گئے اور ایک حوت متعدد آوازوں کا قائم مقام بن گیا۔ اگرچہ تعدد اصوات کا نقص ساسانی کتبوں میں بھی پایا جاتا تھا لیکن کتابی پہلوی میں اس نقص کو انتہا درجے وسعت حاصل ہو گئی، مثلاً اب ایک حوت واحد چار مختلف حروف یعنی 'ز'، 'د'، 'گ' اور 'ے' کی آوازیں دیتا ہے حالانکہ قدیم کتبوں میں ان آوازوں کی تحریری علامتیں بالکل جداگانہ ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتابی پہلوی کی عبارتیں کس درجہ مبہم اور مشکل ہوں گی اور ان عبارتوں کے حل میں کتببات سے کس قدر امداد مل سکتی ہے، اس امداد کی اہمیت کو میونخ کے پروفیسر مارک جوزف ملر نے پوری طرح سے سمجھا اور اس پر بعنوان "پہلوی زبان"

ایک مضمون لکھ کر اپریل سنہ ۱۸۳۹ ع کے

ملر کا مضمون

یورمال ایشیاٹک میں شائع کرایا جس کی

باہت ہوگ کا خیال ہے کہ اس مضمون نے پہلویات میں ایک نیا

انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ پیروان زرتشت بالخصوص پارسیان بھبھئی کے ہاں پہلوی کتب کے پڑھنے کا ایک روایتی لیکن مغرب طریقہ رائج ہے جس کے باعث بالکل جعلی اور مہمل الفاظ پیدا ہو گئے، انہیں دنیا میں آج تک کسی قوم نے نہ تو زبان سے ادا کیا اور نہ قلم سے، مثلاً 'بومن' (دراصل برا تھا = پسر)، 'مودا' (دراصل ملیا = لفظ)، 'انہوسہ' (دراصل اوہرمزہ = خدا)، 'جم فن تن' (دراصل یہللو فتن = بولنا) وغیرہ۔ مبہم پہلوی رسم خط اوپر کے ہر غلط تلفظ بلکہ ہر لفظ کے اور درجن بھر غلط تلفظوں کا متحمل تھا۔ لیکن نسبتاً کم مبہم کتبباتی پہلوی سے مقابلہ کرنے پر بعض الفاظ کا صحیح تلفظ اور ان کی صحیح شکلیں دریافت ہو گئیں، ضبط تلفظ کے اس طریق کی ایجاد مار کی کوشش کا نتیجہ ہے اگرچہ قدرتاً وہ ہر لفظ کا صحیح تلفظ معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

اس مسئلے کی مزید صراحت سے قبل ہم یہ چاہتے ہیں کہ پہلوی کی ایک لاینفک خصوصیت پر متوجہ ہوں جس کا ذکر گزشتہ سطور میں بارہا آچکا ہے یعنی پہلوی میں آرامی الفاظ کے ہزوارش یا زوارشن عنصر پر جو بحالت اکثر فارسی حرف کے لاحقوں یا صوتی ضمیموں کے باعث کم و بیش مسخ کر دیا گیا ہے۔ جس وقت ایک پہلوی متن پڑھنے میں آتا ہے تو اس کی عبارت میں ایسے کثیر التعداد الفاظ ملتے ہیں جو نسلاً ایرانی زبان کے نہیں بلکہ سامی زبان کے ہوتے ہیں یا بالفاظ معینہ آرامی

بولی کے جو سریانی یا کلدانی زبان سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اچھا، چونکہ جدید فارسی میں بھی ساسی زبان یعنی عربی کے الفاظ کثرت سے شامل ہیں اور جیسے لکھے جاتے ہیں ویسے ہی پڑھے جاتے ہیں لیکن در اصل ہیں غیر ملکی اور فارسی زبان میں اس طرح ایک جگہ ہو گئے ہیں جس طرح یونانی، لاطینی، فرانسیسی اور دوسری غیر زبانوں کے الفاظ ہماری موجودہ انگریزی زبان میں پیوست ہو گئے ہیں، اس لئے اول اول یہ خیال کیا گیا تھا کہ پہلوؤں میں آرامی عنصر کا شمول ایک ایسی ہی چیز ہے جیسے کہ جدید فارسی میں عربی عنصر کا وجود۔ لیکن کاوش عمیق سے پتہ چلا کہ ان دونوں صورتوں میں ایک بین فرق ہے، عربی کو جدید فارسی سے جو تعلق ہے وہ آرامی کو پہلوؤں سے نہیں ہے۔ ایک زبان دوسری زبان کی خواہ کتنی ہی گرافیا احسان ہو لیکن احسان و استعانت کی ایک حد ہے جس سے تجاوز کرنا امکان سے بعید ہے۔ ہم کسی مرصع نگار ادیب کی مسجع و رنگین، فارسی عبارت کا ایک تکرار سامنے رکھیں تو ہم کو بلا دقت ایسے جہلے نظر آئیں گے جن میں تمام مصادر و اسما اور صفاتی الفاظ بلکہ اقتباس و مقالات خالصاً عربی ہوں گے؛ لیکن جہلوں کی عام ساخت اور ضمائر و افعال فارسی ہوں گے اور ان سے مفر بھی ناممکن ہے۔ چنانچہ انگریزی کے اس فقرے کے

I regard this expression of opinion as dangerous
 آتھ لفظوں میں صرف چار انگریزی نسل کے ہیں، لیکن

فقرے کا اسلوب منہ سے بولتا ہے کہ میں انگریزی ہوں‘ یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آئی (I) ، دس (this) ، آت (of) اور آیز (as) کی جگہ بدیسی الفاظ استعمال ہونے چاہئیں ۔ لیکن پہلوی میں معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ ہوگ کا ید خیال (” پہلوی زبان “ صفحہ ۱۲۰-۱۲۱) تو قدرے مبالغہ آمیز ہے کہ :—

” اسم کی علامات حالت و جمع ، ضائر منفصلہ ، اشارہ ، موصولہ یا استفہام ، ایک سے دس تک کے اعداد ، روزمرہ استعمال کے افعال (بشمول افعال اسدادی) مثلاً ہونا ، جانا ، آنا ، چاہنا ، کھانا ، سونا ، لکھنا وغیرہ ، تقریباً جملہ حروف ربط ، متعلقات فعل ، حروف عطف ، وضع اسم کے متعدد اہم لاحقے اور عام الفاظ کی ایک بہت بڑی تعداد (کم از کم ساسانی کتبوں میں) یکسر سامی الاصل ہے “

لیکن حقیقتاً واقعہ بہت کچھ یہی ہے ، پہلوی کے اکثر جملوں میں صرف اواخر فعل و ضائر متصلہ اور جملے کی عام ساخت عجیب ہوتی ہے ، گو ہم مانتے ہیں کہ یہ اجزا جملے کا اہم اور لازمی حصہ ہوتے ہیں ۔ ان خصوصیات پر مستزاد متعدد عجیب الخلقت دوغلے الفاظ ہیں جو کچھ نیم فارسی نیم آراسی ہیں ، جو ایک صحیح دماغ کے نزدیک کسی زبان

کے الفاظ نہیں ہو سکتے ہیں۔ مثلاً لکھنے کے معنوں میں ساسی لفظ کا مادہ تین حروف ک، ت، ب سے مرکب ہے، اس سے صیغہ جمع غائب یکتبوں (عربی یکتبوں) بنتا ہے، حالا نکہ اس معنی کا فارسی مصدر نبشتن، نوشتن، یا نوشتن ہے۔ مگر پہلوی معرر ایک نیا لفظ ”یکتبوں تن“ گھڑ لیتا تھا، تاہم جب وہ اُس کو پڑھتا تو ”یکتبوتن“ نہیں پڑھتا تھا، اس کے نزدیک یہ لفظ جو آرامی میں ایک بامعنی منصرفہ لفظ ہے معض ایک علامت لفظ یا تصویری لفظ تھا جو ”نپش“ کا قائم مقام سمجھ لیا گیا تھا، پس وہ فارسی کا مناسب لاحقہ ”تن“ یکتبوں کے ساتھ ملا کر اپنے خیال میں ایک پورا مصدر ”یکتبوں تن“ بنا لیتا اور اس کو پڑھتا ”نپشتن“۔ اس طرح ”مرد“ (آدمی) کے لئے وہ ساسی لفظ ”گبرام“ لکھتا لیکن جب وہ چاہتا کہ مرد کا مرادف مردم پڑھا جائے تو وہ گبرا کے آخر میں ”م“ ملا کر ”گبرام“ اختراع کر لیتا تھا اور پڑھنے والا ”گبرام“ کو ”مردم“ پڑھتا تھا۔

اوپر بالاختصار بیان کر چکے ہیں کہ اس عجیب و غریب طرزِ تحریر و طریقِ تلفظ کی مثال آسوری زبان میں بھی موجود ہے۔ توران کی قدیم تر اکادمی زبان میں باپ کے لئے لفظ اآ تھا اور حسبِ بیان ہوگ جب اہل آسوریہ باپ لکھنا چاہتے تو وہ اآ کا ایک رکن ”ا“ یا ”اے“ لکھ دیتے تھے مگر اس کو پڑھتے تھے لفظ ”اب“ جو ان کی زبان میں باپ کے لئے آتا تھا اور اگر ان کو ”میرے باپ“

لکھنا منظور ہوتا تو وہ اتویہ لکھتے مگر اس کا تلفظ ابویہ کرتے۔ و اسوری قوعد میں علامت فاعلی ہے اور لاحقہ ی بمعنی ”میرے“، اسوری ان درنوں کو غیر زبان کے ایک جزو ”ات“ کے ساتھ اضافہ کر دیتے تھے۔ اسی طرح ایک پہلوی معرر جب باپ لکھنا چاہتا تو بجائے پتر (— پدر) کے اسوری ابتر لکھتا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ اسوری ”اب“ کو وہ محض ایک ایک تصویری علامت سمجھتا تھا اور اس کے فارسی مرادف کو لاحقہ تر سے ظاہر کرتا تھا —

ایک اور تعجب انگیز لیکن مفید خصوصیت پہلوی رسم الخط کی یہ تھی کہ فارسی کا وہ لفظ جو اس زمانے میں مرکب اور تحلیل و تجزیہ کے قابل خیال کیا جاتا تھا اُس کا ہر ایک رکن ساسی یا ہزوارش مرادف رکن سے ظاہر کیا جاتا تھا، مثلاً فارسی کا مصدر پنداشتن بمعنی سوچنا، خیال کرنا لو۔ اِس زمانے کے ایرانی کو خیال بھی نہ ہوگا کہ یہ مرکب ہے اور اس کے اجزا جدا کئے جاسکتے ہیں، لیکن پہلوی معرر کو علم تھا کہ یہ مفرد نہیں ہے، چنانچہ جب وہ اس کو لکھتا تو اس طرح سے، پون (برائے پ — واسطے) ہافا (برائے این، اس) یخسنون تن (داشتن، پکڑنا یا لینا) فولدیکے نے لفظ مگر (— تا وقتیکہ — اگر نہیں) کے ایسے ہی تجزیہ کی جانب توجہ دلائی ہے، یہ بھی دو آرامی یا ہزوارش اجزا سے ظاہر کیا جاتا ہے جن میں سے پہلے کے معنی نہیں اور دوسرے کے اگر ہیں۔ اس اصول

کا ایک اور عجیب مگر سبق آموز اطلاق ہے - جدید فارسی میں ضمیر واحد کے لئے ”من“ آتا ہے جو قدیم فارسی کے مرادف ”ام“ (اوستا میں ازم) کے اُس مادے سے مشتق ہے جو حالت فاعلی کے علاوہ ہر ایک حالت سے تعلق رکھتا ہے اور جس کی حالت جر منا ہے - پہلوی لکھنے والا جس وقت من کا ہز وارث مرادف ”لی“ (لیجھ یا میرے لئے) لکھتا ہے تو اس حقیقت کو پیش نظر رکھتا ہے —

اگر خارجی شہادتیں بھی موجود نہ ہوتیں تو ان مثالوں کو دیکھ کر ایک نہایت تیز ذہن آدمی کو یہ ظن پیدا ہو سکتا تھا کہ پہلوی زبان کی خصوصیت حروف یا علامت تہجی میں مرکوز ہے جو عبارت کے پڑھتے ہی غائب ہو جاتی تھی لیکن خوبیء قسمت سے شہادتیں موجود ہیں جو اس امر کو تمام و کمال ثابت کرتی ہیں :-

پہلی خارجی شہادت مورخ اے سی آفس مار سے لی فس کی کتاب میں درج ہے وہ (باب ۱۹ ، ۲ ، ۱۱) میں لکھتا ہے :-

” اہل ایران اُسے ساپورم اور ساں ساں

(یعنی شاہ پور اور شاہان شاہ) اور

پای روزن (یعنی پیروز یا فیروز)

کہتے تھے جس کے معنی بادشاہوں کا

بادشاہ اور فاتح جنگ ہیں“

یہ حوالہ شاپور دوم (۳۰۹ - ۳۷۹ ع) کے متعلق ہے جس کا خطاب سگوں پر ”ملکان ملکا“ اور لوگوں کی زبان پر آجکل کے

دوسری شہادت علامہ معتمد بن اسحاق مؤلف الفہرست (۹۸۷ - ۹۸۸) کی ہے، علامہ نے پہلوی کی نسبت فیز دیگر مسائل میں جو کچھ ساسانی ایران کے متعلق حوالہ قلم کیا ہے وہ فقیہ اندھر ابن المقفع کی سند سے ہے، یہ فاضل آتش پرست تھا، آٹھویں صدی کے وسط میں گزرا

ابن المقفع

ہے، مسلمان ہو گیا تھا مگر دل شک سے خالی نہ

تھا، ۷۶۰ ع کے قریب قتل کر دیا گیا۔ مقرر اور صاحب علم ایسا زبردست تھا کہ وزیر و کاتب ابن مقلہ (متوفی قریب ۹۳۹ ع) نے ان دس لوگوں کی صف میں اس کو جگہ دی ہے جو فن تقریر اور عربی انشاء پر دازی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، ابن خلدون بھی اس کی زبان دانہی کا اعتراف کرتا ہے۔ ان کمالات کے ساتھ ابن المقفع نے پہلوی پر بھی کامل عبور حاصل کیا تھا، چنانچہ اس نے متعدد اہم پہلوی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا جن میں سے صرف ایک ترجمہ باقی بچا ہے اور اتفاق سے وہ بھی سب سے کم دلچسپ کتاب یعنی کلیلہ و دمنہ کا۔ اس عالم کے بیانات کو مستند تسلیم کر کے مؤلف الفہرست نے سات قسم کے خط (کتاہد) جو اسلام سے قبل ایران میں رائج تھے، گنوائے ہیں اور آگے چل کر ہزوارش کی بابت جو کچھ تحریر کیا ہے اس پر سب سے اول کاترمیر نے سنہ ۱۸۳۵ ع میں یورپ کو متوجہ کیا لیکن اس کا اصل متن سنہ ۱۸۶۶ ع تک شایع نہ ہوا تھا۔ سن مذکور میں چارلس گانو نے متن کو اپنے ترجمے کے ساتھ طبع کرایا



اور کاترمیو کے ترجمے پر حرت گیری بھی کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے :-

”اور اسی طرح ان کے ہاں ایک قسم کے ہجے (متن میں ہجاء ہے) کتابہ نہیں ہے) رائج ہیں جن کو زوارشن (یا ہزوارشن) کہتے ہیں، الفاظ کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہوگی، انہیں ملاکر بھی لکھتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ بھی۔ ان ہجوں سے مقصود یہ ہے کہ ہم شکل الفاظ کو ایک دوسرے سے تمیز کیا جاسکے اور ابہام نہ پیدا ہونے پائے۔ مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ جب گوشت لکھنا مقصود ہوتا ہے تو اس صورت سے ”بسر“ لکھ دیا جاتا ہے (یہاں اصل لفظ پہلوی خط میں درج ہے) مگر اس کو پڑھتے ہیں گوشت، اسی طرح نان لکھنا منظور ہوتا ہے تو ”لحمہ“ لکھ دیتے ہیں (یہاں بھی اصل پہلوی لفظ درج ہے) لیکن پڑھتے ہیں نان۔ یہی حالت دوسرے الفاظ کی ہے، ہاں جن الفاظ کے لئے اس قسم کے قائم مقام الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ سیدھے سادھے

طور پر اسی طرح لکھ جاتے ہیں جیسے

کہ تلفظ میں آتے ہیں“ * —

تیسری شہادت یہ ہے کہ جوں ہی فارسی عبارتیں عربی حروف میں منتقل ہونے لگیں آراسی یا ہزوارش عنصر بالکل غائب ہو گیا، اگر ہزوارش الفاظ تلفظ یا بول چال میں آیا کرتے تو یہ انقلاب ممکن نہ تھا۔ مگر ایسی حالت میں بالکل ممکن اور قدرتی چیز تھا جب کہ ہزوارش الفاظ صرف تحریر کے کام میں آتے ہوں اور محض علامتوں کی قیمت رکھتے ہوں —

چوتھی شہادت کے طور پر وہ روایت پیش کر سکتے ہیں جو آج تک پارسیوں میں رائج ہے یعنی یہ کہ ہزوارش الفاظ کو پڑھتے وقت فارسی الفاظ سے بدل دینا چاہئے۔ یہ روایت جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں تفصیل میں قابل وثوق نہیں

* دیکھو ہاگ کا مضمون ”پہلوی“ صفحہ ۳۷ وغیرہ، جرنل ایشیاتک باب ۱۸۳۵ (صفحہ ۲۵۶) اور باب ۱۸۶۶ (صفحہ ۲۳۷) اور کتاب فہرست مرتبہ فلوگل صفحہ ۱۲، ہوگ کے بعض ترجموں سے ہم کو اتفاق نہیں ہے خصوصاً لفظ ”متشابہات“ کے مفہوم سے جس کا ترجمہ اس نے ہم معنی الفاظ کہا ہے، ہم کو اس سے اختلاف ہے، ہمارے نزدیک مشتبهات سے وہ فارسی الفاظ مراد ہوں جو پہلوی حروف میں تحریر ہونے سے مبہم ہو جاتے ہوں، مگر ان کے ہزوارش مرادفات اتنے مبہم نہیں ہوتے، جس کا جی چاہے نان کو پہلوی میں لکھ کر دیکھ لے، اس کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ لفظ کے طرح سے پڑھا جاسکتا ہے اور ابہام کی اصل وجہ کیا ہے۔

ہے تاہم اصولاً اس کا مفہوم ہمارے بیان کا موید ہے، یہی وجد ہے کہ ایسی پاژند اور فارسی کتابیں وجود میں آئیں جو عربی اور اوستا کے غیر مبہم حروف میں بعض پہلوی کتابوں کی نقلیں ہیں اور جن میں آرامی یا ہزوارش الفاظ کی جگہ فارسی کے صحیح یا فرضی مرادفات رکھتے چلے گئے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ

تعریف اصطلاحات | اس باب کو ان اصطلاحات کی تعریف پر ختم کیا جائے جو ایران کی السنۂ ماضیہ

کے ذکر میں استعمال ہوئی ہیں، ساتھ میں ان کے صحیح مفہوم کی توضیح بھی کردی جائے اور جہاں تک معلوم ہے ان کے اشتقاق اور مادہ کا بھی سراغ لگایا جائے۔

میتوی | ”میتوی“ سے مراد ہے زبان میتیا، جو موجودہ ایران کا مغربی حصہ ہے۔ کتبہ دارا میں اس

لفظ کو مادہ لکھا ہے اور قرن اولیٰ کے عرب جغرافیہ نگاروں نے اس کو ماہات کا نام دیا ہے۔ ماہات ماہ کی جمع ہے جو سابقہ کے طور پر ماہ بصر، ماہ کوفہ، ماہ نہاوند میں لگا ہوا ہے۔ میتیا کا قدیم دارالحکومت ایکبتنہ تھا جو کتبوں میں ہگمتانہ آیا ہے اور اب ہمدان کہلاتا ہے۔ میتوی آج کل ناپید ہے لیکن تارم شتیر کے قول کو مان لیں تو میتوی اوستا کی زبان ہوگی، اور اگر آپرت کے خیال کو تسلیم کیا جائے تو ہخامنشی دور کے سہ لسانی کتبہات میں دوسرے نمبر کی، جس کی عبارت قدیم فارسی سے اور آسوری زبان کے درمیان ہے۔ بہ خیال غالب یہ زبان قدیم فارسی بہت کچھ مشابہ تھی اور اس کے بعض الفاظ سے، جو بعض مصنفین مثلاً ہیروڈوٹس کی کتابوں میں محفوظ ہیں،

قوی شبہ ہوتا ہے کہ ایران کی بعض موجودہ بولیاں اسی کی
نسل سے ہیں —

اوستائی | ”اوستائی“ سے مراد ہے اوستا کی زبان جو
اثر غلط طور پر ”ژند“ اور کبھی کبھی

”قدیم باختری“ کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ آخر الذکر
نہایت ہی نامناسب نام ہے کیونکہ شواہد سے پتہ چلتا
ہے کہ جیسے دلائل اس کو شمال مشرقی باختر کی زبان
قرار دینے کے لئے پیش کئے جاسکتے ہیں، ویسے ہی اس
کو شمال مغرب یا آذربائیجان کی زبان ثابت کرنے کے لئے
بھی دیے جاسکتے ہیں، ثبوت دونوں طرف برابر ہے۔ صرف
اوستا ایسی کتاب ہے جو اس زبان میں قلم بند ہے، گو خود
اوستا کے چند بھجن جن کا نام گاتھا ہے قدرے مختلف اور
باقی حصہ کی زبان سے قدیم تر زبان میں ہیں۔ اوستائی
کا رسم خط پہلوی سے ماخوذ ہے لیکن اس سے بدرجہا بہتر ہے۔
لفظ اوستا کا وجود دور ساسانی سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا
گو آپرت کا عقیدہ ہے کہ دارا کے بیستونی کتبے (کتبہ ۴)
فقہ ۶۴) میں جو ایک لفظ آبستام آیا ہے اس سے اوستا عبارت
ہے۔ پہلوی میں اوستا کی صورت ”اوستاک“ اوستاک
(تارم شہیتور اوستاک) سریانی میں ”اپستاکا“ اور عربی میں
”ابستاق“ ہے۔ ایندیریاس کا خیال ہے کہ وہ قدیم فارسی کے لفظ
”اُپستا“ (= مدن، حمایت) سے مشتق ہے اور اس کے معنی
”اصل متن“ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ
ژند | اوستا و ژند کو جب ملا کر بولتے ہیں تو اوستا

متن کے معنی دیتا ہے۔ ”اوستاؤ ژند“ کو الت کر ”ژند اوستا“ بھی کہہ دیتے ہیں، یہ تقدیم و تاخیر بالکل غلط اور دھوکے میں ڈالنے والی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پارسیوں کی الہامی کتاب کا متن اوستا اور اس کی مسلسل پہلوی شرح (= ترجمہ و تفسیر) ژند کہلاتی ہے جو عموماً متن کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔ پس اگر ”زبان ژند“ کی اصطلاح استعمال میں آئے تو اس سے ژند یعنی ترجمہ و تفسیر کی زبان یا بالفاظ دیگر ”پہلوی زبان“ مراد لینی چاہئے۔ لیکن انفسب تو یہی ہے کہ اس اصطلاح کا استعمال قطعاً ترک کر دیا جائے کیونکہ یورپ میں ایک غلط فہمی کی بنا پر ”زبان ژند“ کا اطلاق ”زبان متن“ پر ہوتا رہا ہے۔

قدیم فارسی اوس زبان پر دلالت کرتی ہے جو
قدیم فارسی | ”ایران خاص“ یعنی فارس کی قدیم زبان تھی،
 ہخامنشی دور کے کتبات کی سرکاری زبان اور بلاریب وہ زبان
 جس میں سلاطین مثلاً دارا و زرکسیز اور دوسرے تاجدار
 بات چیت کرتے تھے یہی تھی، بجز کتبوں کے اس کا نشان کہیں
 باقی نہیں۔

اولس ہاؤس کی تحقیق کے مطابق ”پہلوی“ اور
پہلوی | ”پارتھوی“ ہم معنی ہیں، جس طرح قدیم الفاظ
 متھر اور چتھر مہذب و سبک ہو کر مہر اور چہر بن گئے ہیں
 اسی قیاس پر پارتھیہ کا پرانا فارسی نام پارتھوا پہلے
 ’پرو‘، پروہ سے ’پلہو‘ اور پلہو سے ’پہلو‘ بن گیا ہوگا۔
 جغرافیہ عرب نے اس کو عربی صورت فہلو بنا کر وسط و

غرب ایران کے ایک ایسے حصے کے لئے استعمال کیا ہے جس میں اصفہان، رے، ہمدان، نہاوند اور آذر بائجان کا کچھ حصہ شامل تھا۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ ہم کو پارتھیوں کے متعلق عجبی ذرائع سے اس قدر کم حال معلوم ہوا ہے کہ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ ایرانی تھے یا تورانی۔ قومی روایات نے ان بادشاہوں کے متعلق جن کو ”ملوک الطوائف“ (= شاہان قبائل) کا لقب دیا گیا ہے اس قدر کم مواد محفوظ رکھا ہے کہ شاہ نامے میں فردوسی نے صرف ایک صفحے میں ان کی داستان ختم کر دی ہے (وہ ان کو جاہلان وحشی اور ناقابل ذکر قرار دیتا ہے۔ ان کے سکوں پر یونانی عبارت کندہ ہوتی تھی بلکہ انہوں نے یونانی لقب ”فیل ہلینیز“ بھی اختیار کر لیا تھا؛ ان باتوں سے ساسانیوں کا یہ دعویٰ ایک حد تک صحیح ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے سکندر کے استیلا و استیصال کے بعد قومی خصوصیات و عقائد کو زندہ کیا۔ مگر لفظ ”پہلووں کا نام“ ہندوستان بھی پہنچ چکا تھا اور ایران میں آج بھی ”دور شجاعت“ یا دور مشاہیر یعنی پہلوانان نامور کے کارناموں اور زبان کے معنوں میں رائج ہے۔ تاہم بمعنی ”زبان“ ایران میں پہلوی کا مفہوم اس قدر معین نہیں ہے جس قدر کہ یورپ میں جہاں پہلوی کو فقط ساسانی یا فارسی متوسط کا مترادف کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اُس کا ایک خاص رسم الخط ہے اور اس میں آراسی یا ہزوارش عنصر کی آمیزش ہے۔ لیکن وہ ”پہلوی“ جس میں فردوسی کے شاہان نامدار اور پہلوانان گردن کش مراسلت کرتے تھے

جس میں عمر خیام اور خواجہ حافظ * نے نغمہ سرائی کی۔ جس میں ”پہلویات“ (ہولیوں کے اشعار) نام کی نظمیں موجود ہیں اور جس کی بابت چودھویں صدی کے مشہور مورخ و جغرافیہ نویس حمد اللہ مستوفی قزوینی کا بیان ہے کہ وہ ایران کے متعدد اضلاع خاص کر شہال مغرب میں بولی جاتی ہے، مقابلہ ایک غیر معنی اور مبہم چیز ہے۔ بقول فردوسی تہہورت ”دیوبند“ پہلا بادشاہ تھا جس نے نہ صرف ایک زبان بلکہ تقریباً تیس زبانوں مثلاً رومی (یونانی)، تازی (عربی)، پارسی، ہندوستانی، چینی اور پہلوی کو تحریر کی زبان بنایا تاکہ ”وہ چیز جس کو تو بولا ہوا سنتا ہے نوشتہ ہو جائے“۔ تہہورت جھشید کا پیشرو تھا اور جھشید وہ فرضی شخص تھا جو اوستا میں یہہ اور کتب ہنوک میں یہہ لکھا ہے اور جس کا وجود صورت ہندیوں اور ایرانیوں کے مشترک افسانوں سے تعلق رکھتا ہے، یعنی ان ازمۂ بعیدہ سے جب کہ ہنوز فارسی متوسط تو درکنار اوستائی یا قدیم فارسی آریں گروہ کی قدیم زبان سے جدا نہ ہونے پائی تھی۔ بالفاظ مختصر ایک طرف تو فردوسی پہلوی کو گھسیت کر دور فسانہ سے بھی صدیوں پیچھے لیجاتا ہے اور دوسری طرف حمد اللہ قزوینی اُس کو گاؤں کی بولی بیان کرتا ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ قزوینی کا مطلب اُس جواب سے زیادہ نہیں ہے جو قوہرود (کاشان سے

* مثلاً: با خواجہ مے خورد بغزلہای پہلوی۔ (حافظ)

+ شاہ نامہ مرتبہ میکن جلد اول صفحہ ۱۸ —

ایک منزل جنوب میں ایک کوہستانی علاقہ ہے) کے ایہ کے متعلق
 دیہاتی نے راقم کو دیا تھا۔ ہم نے اُس سے دریافت کیا تھا جائیکی
 کہ تمہارے گاؤں کی زبان کیا ہے؛ تو اُس نے جواب دیا
 ”فرس قدیم“۔ زرتشتیوں کے علاوہ خود ایران کا ہر ایک
 باشندہ ”پہلوی“ کو فرس قدیم سمجھتا ہے؛ لیکن اس کتاب
 میں یہ لفظ فارسی متوسط یا فارسی ساسان کے محدود معنوں
 میں استعمال کیا گیا ہے۔ پہلوی اس حد تک پارتھوی زبان
 کہلا سکتی ہے کہ اس کے ابتدائی نقوش عبد زہر اور تیسری
 چوتھی صدی قبل مسیح یعنی عہد پارتھیہ کے نیم پارتھوی
 سکوں میں پائے جاتے ہیں *۔

ہزوارش | ”ہزوارش“ ”زوارش“ یا ”زوارشن“ کی تشریح
 اوپر گزر چکی ہے۔ لیکن اس لفظ کا اشتقاق بے حد
 مشتبہ ہے اور اس کی نسبت ظنیات کا ایک عجیب عالم
 ہے۔ دستور ہوشنگ جی ”ہزوان آسور“ (زبان آسور)
 تجویز کرتا ہے اور تاران بورگ ”ہاسوسی“ بمعنی ”یہ سریانی
 ہے“۔ لیکن ہوگ اور تارم شتیتر کا سراغ زیادہ قرین
 قیاس معلوم ہوتا ہے۔ ہوگ کا خیال ہے کہ یہ حاصل
 مصدر ہے جس کے معنی ہیں پرانا یا متروک ہونا۔ تارم شتیتر
 نے بھی اسی قسم کا ایک فعل سوچا ہے جو اس کے

* دیکھو ہوگ کا مضمون ”پہلوی“ صفحہ ۳۰ تا ۳۱ اور
 ویسٹ کا مضمون ”ادبیات پہلوی“ جو ”لسانیات عجم“ جلد
 دوم صفحہ ۷۵ میں درج ہے۔

جس متروک ہو کر اب اس قدر غائب ہو گیا ہے کہ ملی معنوں میں اُس کی ایک ایک شکل صرف عربی کے فعل ”زور“ (تزویر مصدر) میں باقی ہے اور ”زور“ سے مراد ہے اُس نے جبر کیا ، چھپایا ، بگاڑا یا (متن میں) تعریف کی ، دھوکا دیا ، چال کی یا غلط راستہ پر ڈالا ۔ بہوکیف جس نظام تحریر میں مثلاً ”ایتوں گویند کو“ (جو دوسرے ہزوارش جملے کا پازند پارسی مراد ہے) ”آئی تونو یہللوئت ایغ“ لکھا جائے اُس کے نام ہزوارش کا مفہوم مطالب پر جبر کرنا ، ان کا چھپانا یا بگاڑنا ہو تو کسے اچنبھا ہو سکتا ہے ، حقیقتاً یہ جملہ معانی ہزوارش پر صادق آتے ہیں —

پازند و پارسی | ہم دکھا چکے ہیں کہ متن اوستا کی پہلوی ”تشریح“ ژند کہلاتی ہے ۔ اسی طرح پہلوی ژند کی ”تشریح مکرر“ (پیتی زینتی) پاژند کہلاتی ہے ، تشریح مکرر میں جو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے وہ پہلوی رسم الخط سے کم مبہم ہے اور اُس کے الفاظ ہزوارش کی بجائے مناسبت فارسی الفاظ ہیں ، اس نقل و تغیر کے لئے جب اوستائی حروف کام میں لائے جاتے ہیں تو نتیجہ پاژند کہلاتا ہے ۔ اور جب فارسی (یعنی عربی) حروف اختیار کئے جاتے ہیں تو پارسی کہلاتا ہے ۔ پہلوی کی نقل خواہ پاژند ہو خواہ پارسی دونوں سے جدید یا بعدالاسلامی فارسی کی قدیم یا قدیم نما (قدیم نما اس لئے کہنا پڑا کہ بدقسمتی سے پارسیوں کی

روایتیں اعتبار کے لائق نہیں ہیں اور قدامت کے متعلق ان کا بیان سند قاطع نہیں ہو سکتا (مشکل پیدا ہو جائیگی اور آراسی عنصر بالکل معدوم - متعدد کتابیں مثلاً منیوے خرد (— روح فراست) اس وقت ایسی موجود ہیں جن کے پہلوی اور پاژند یا پارسی دونو قبیل کے نسخے ملتے ہیں *) لیکن پاژند میں جس قدر تحریریں ہیں وہ اصلی تصنیف نہیں بلکہ پہلوی اصل کی (گو بعض بعض اصل گم ہیں) نقل ہیں، اس لئے کہ تفسیر مکرر کی ضرورت تب ہی محسوس ہوئی جب مدتوں تک متروک رہنے کے باعث لوگ پہلوی کی اصلیت کو بھولنے لگے ، اور کاتبان پہلوی نایاب اور عالمان پہلوی منقود ہونے لگے —

جدید فارسی | جدید فارسی یا صرف فارسی سے ہمارا مدعا وہ زبان ہے جو اسلام کے بعد ایران میں بولی جاتی تھی اور جس کی تحریر کے لئے عربی حروف مستعمل ہوتے ہیں، فارسی قدیم (ہخامنشی) فارسی متوسط (ساسانی) فارسی جدید (اسلامی) بس ایسے ہی الفاظ ہیں جیسے کد قدیم انگریزی (اینگلو سیکسن) انگریزی متوسط اور جدید انگریزی جو ہماری زبان کے مدارج ترقی کے

* منیوے خرد کے پہلوی متن کی نقل مطابق اصل انڈر یاس نے لیتھو میں چھاپی ہے (مطبوعہ کیل سنہ ۱۸۸۲ ع) ، ویسٹ نے پہلوی کی پاژند نقل روسن حروف میں اور ترجمہ سنسکرت اور انگریزی میں کیا ہے اور اس پر حواشی بھی لکھے ہیں (اسٹٹ گارٹ سنہ ۱۸۷۱ ع)

جدا جدا نام ہیں - تقسیم بالا کے لحاظ سے ہم اصطلاح فارسی جدید کو بے تکلف رودگی کے کلام پر منطبق کر سکتے ہیں جس کے زمانے کو تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ گزرا اور یہ انطباق اس مفہوم کا ہمسر ہوگا کہ شیکسپیر ”انگریزی جدید“ لکھتا تھا - لیکن اگر یہ نام ایک ایسی زبان کے لئے جو مدت کے اعتبار سے نویں صدی عیسویں تک پیچھے پہنچتی ہو نامناسب معلوم ہوتا ہے تو ہماری دانست میں دوسرا نام ”اسلامی فارسی“ مقرر کر لیا جائے گو اعتراض سے یہ لقب بھی کلمۃ محفوظ نہیں - کسی دوسرے موقعہ پر ذکر آچکا ہے کہ تین سو سال میں انگریزی نے جو رنگ بدلے وہ فارسی پر ایک ہزار سال میں بھی نہیں چڑھے اور خاص طرز کے ستروکت محض اُن تالیفات تک محدود ہیں جو تیرھویں صدی کے انقلاب اعظم یعنی سیلاب مہلیہ سے قبل وجود میں آچکی تھیں —

ایرانی بولیاں | باب نو سے پیشتر جدید فارسی کی بعض مقامی بولیوں کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا ان سے ہماری مراد نہ تو افغانستان کی فارسی ہے نہ بلوچی نہ کردستانی نہ پامیری جو ایرانی زبان کی دلچسپ شاخوں میں داخل ہیں اور نہ کوہ قات کی فارسی جس کے متعلق پوری تفصیل گائگر و کہن کی مذکورۃ بالا تصنیف لطیف ”لسانیات عجم“ جلد اول کے آخری حصے میں ملے گی بلکہ ہماری مراد اُن بولیوں سے ہے جو خاص ایران کے علاقوں میں رائج اور ابھی تک محدود ہیں، گو اس کی تحقیق میں بیرونی قورہ

زالمان اور خاص کر روس میں ژکووسکی نے، گاٹگر، سوت سین،
 ہیپش مان اور ہوتم شندار نے جرمنی میں، ہیوآر اور کیری
 نے فرانس میں کافی دیدہ ریزی کی ہے اور انگلستان میں
 خرد ہم نے قدرے قلیل محنت کی ہے لیکن ہنوز بہت کچھ
 تلاش و تجسس باقی ہے؛ ان کے سمجھنے میں جس دن محققین
 کو مہارت ہو جائے گی تو فارسی کے بہت سے تاریک مسائل
 یقیناً روشنی میں آجائیں گے، ان کو یا تو گفتگو کے ذریعے سے
 تورن کے مثل ماژندران و گیلان پہنچ کر سیکھنا چاہئے یا
 ژکووسکی کے مثل ایران متوسط بالخصوص کاشان و اصفہان
 کے دیہاتوں میں فروکش رہ کر یا سوت سین کی طرح کردستان
 جاکر یا ہوتم شندار کی طرح یزد و کرمان کی خاک چھان کر
 یا اُس قدیم سرمایۂ ادب سے حاصل کرنا چاہئے جو غلطی سے
 ذہانت قلیل سمجھہ لیا گیا ہے۔ جن شعرا نے بولیوں میں
 وسیع پیمانے پر طبع آزمائی کی ہے ان میں سے امیر پازواری
 اور بابا طاہر عربیہاں خاص شہرت رکھتے ہیں، امیر ماژندران
 امیر پازواری اور | میں کہتا تھا، اس کا کلام تورن نے طبع
 بابا طاہر | کرایا ہے، بابا طاہر کی نسبت ایک فریق

کا تو یہ خیال ہے کہ اس کی رباعیات ہمدان کی بولی میں
 ہیں؛ اور دوسرے فریق کا یہ کہ لوری میں، تاہم وہ ہیں
 اس قدر مقبول کہ ان کے حوالوں سے تقریر کی گئی اور
 ان کے نغموں سے سرود خانوں کی رونق دوبالا کی جاتی ہے،
 ان رباعیات کو ایران میں بارہا اور فرانس میں ہوا نے
 فرانسیسی ترجمے کے ساتھ یورنال ایشیا تک بابت سنہ

۱۸۸۵ء میں ایک بار شایع کیا ہے، بابا طاہر ایران کا برنر (Burns) تھا، اس کے کلام میں سادگیء خیال اور پاکیزگیء زبان ہے، الفاظ بھی رواں اور نغمہ زار لگتا ہے، اس پر بحر کی سادگی اور یکسانی نے سونے پر سہاگے کا کام دیا، ہزج مسدس معذوت بہت مطبوع تھی، ذیل کی تین رباعیاں مشہور عام ہیں:—

(۱) چہ خوش بی مہربونی از دوسری محبت تو وہ ہے جس
میں عاشق و معشوق دونوں بے تاب ہوں
کہ یک سر مہربونی درد سربہ یک طرفہ محبت ایک
درد سر ہے

اگر معنوں دل شوریدہ داشت معنوں عاشق کے دل
میں اضطراب تو تھا ہی
دل لیلیٰ ازوں شوریدہ تربی لیکن لیلیٰ کے دل میں
اس سے افزوں تر تھا

اس رباعی میں دھاتی خصوصیت ایک تو بی (بود)
ہے اور دوسرے ”مہربونی“ میں بجائے الف کے واو کا
استعمال جو اکثر بولیوں میں پایا جاتا ہے بلکہ جنوب
کی فارسیء معلیٰ میں بالخصوص اور دوسرے حصوں میں
بالعموم رائج ہو چکا ہے —

(۲) مگر شیر و پلنگی اے دل اے دل اے دل شاید تو شیر ہے
یا پلنگ

بہودائم بجنگی اے دل اے دل ہم سے ہمیشہ دست و
گریبان رہتا ہے

* [تیرھویں صدی]

اگر دستم فتی خوفت وریژم اگر تو میر۔ اصر خسرو اپنے
تو میں تجکو چیر پیرس
ودینم تاجہ رنگی اے دل اے دل اور دیکھوں کہ تیرا ر میں
کون عجیب رنگ ہے -

یہاں بہو - بہا - دستم - دستم براے بدستم
وریژم = بریزم 'ودینم = ببینم -

(۳) وشم واشم ازیں عالم بدرشم میں اُتھوں گا چلدوں گا اور
دنیا سے باہر ہوجاؤں گا

وشم از چین و ساچین دیر ترشم چین اور اس سے بھی آگے
نکل جاؤں گا

وشم از حاجیاں حج بہرسم وہاں پہنچکر سالکوں سے
پوچھوں گا

کہ اے دیری بسے یا دیر ترشم کہ بس یا اور آگے ؟

ان اشعار میں ”وشم“ - بشوم“ ”واشم“ یا تو باشم ہے
(تھیروں گا) یا باز شوم (پھر جاؤں گا یا واپس لوٹوں گا)
دیرتر - دور تر - ای - این - بسے - بس است -

پازواری اور بابا طاہر کے علاوہ دوسرے اور معروف شعرا
ہیں جنہوں نے اس زمین میں گاہ گاہ مشق سخن کی، مثلاً سعدی،
حافظ، پندار یا بندار رازی، شاعر اطعم و تضحین ہزل گو
بسحاق (ابو اسحاق) شیرازی وغیرہ جن کی مفصل فہرست
ہمارے مضمون ”ایرانی بولیوں کی شاعری“ مطبوعہ جرنل
رائل ایشیاٹک سوسائٹی، اکتوبر سنہ ۱۸۹۵ء صفحہ ۷۷۳ تا ۸۲۵
میں درج ہے - مگر افسوس یہ ہے کہ بعض قدیم اور بہترین

۱۸۸۵ء میں ایک بار ت قبیل کا جتنا کلام ہے وہ کاتبوں کے (Burns) تھا، ا۔ مسخ اور بے معنی ہو گیا ہے۔ آنجہانی چارلس زبان ہے، الف، شافدار لائبریری میں سلسلہ سلجوقیہ کی ایک سادگی ۰۱ اور پرانی قلمی تاریخ ہماری نظر سے گزری ہے، معذرس کا سال تصنیف ۶۳۵ ھ ہے، غالباً دوسرا نسخہ اس کتاب کا کہیں موجود نہیں، اس کا نام ”کتاب الراحة الصدور..... فی تواریخ کیخسرو آل سلجوق“ ہے اور مصنف کا نام نجم الدین ابوبکر محمد بن علی بن سلیمان بن محمد بن احمد بن الحسین بن ہمت الراوندي۔ اس تاریخ میں کثرت سے قصباتی زبانوں کے اشعار یا فہلویات منقول ہیں، جن کو سر سری نظر سے دیکھنے پر یہ معلوم ہوا کہ باوجود مشکل ہونے کے وہ ضرور اس لائق ہیں کہ ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے کیونکہ قلمی نسخہ پرانا ہے اور اس لئے متن غالباً صحیح ہے۔ حمد اللہ مستوفی کی بلند پایہ کتاب تاریخ گزیدہ مؤلفہ سنہ ۱۳۳۰ ع کے باب پنجم، فصل ششم میں نواسی (۸۹) شعرا و شاعرات کے اسماء اور نہایت مختصر حالات ملتے ہیں، ان میں سے مندرجہ ذیل وہ سخن سنج ہیں جنہوں نے قصباتی زبان میں شاعری کی اور جن کے کلام کا نہوند بھی مستوفی نے شامل تذکرہ کیا ہے، ان کے نام پر ہم ستارے لگائے دیتے ہیں:—

- (۱) ابوالہاجد رائگانی * متوطن علاقہ قزوین (۱) و آخر
 ۱۳ ویں صدی (۲) امیر کاء قزوینی (۳) اتانج زنجانی * (۹)
 (۵) پندار یا بندار رازی۔ (۵) جولاہہ ابہری *

(۶) عزالدین ہمدانی (۷) کافیء کرچی * [تیرہویں صدی] مشہور شاعر، سیاح، اسماعیلی مبلغ ناصر خسرو اپنے سفر نامے (مرتبہ و مترجمہ شیفر بزبان فرانسیسی پیرس ۱۸۸۱ صفحہ متن ۶) میں رقمطراز ہے کہ سنہ ۱۰۴۶ ع میں جب وہ مغرب کی جانب سفر کر رہا تھا تو تبریز میں قطران شاعر نے اس سے شاعر منجیک کے قصباتی زبان کے بعض شعروں کا حل دریافت کیا، اس حوالے سے کامل ثبوت بہم پہنچ جاتا ہے کہ ”قصباتی شاعری“ کا شوق گیارہویں صدی سے اب تک ایران میں برابر موجود ہے۔ اسدی کی ”لغت فرس“ گیارہویں صدی کی تالیف ہے، جس کو تاؤتر پال ہارن نے وٹیکن کے نسخہ وحید سے نقل کر کے سنہ ۱۸۹۷ ع میں بہقام برلن چھاپا ہے، اس میں بھی جا بجا قصباتی اشعار پہلوؤں کے عام لقب سے منقول ہیں۔ نثر میں اس قطع کی دو اعلیٰ کتابیں ہیں مگر دونو بدعتی فرقوں کی تصنیف ہیں، ایک کا نام جاودان کبیر ہے اور وہ حرفیوں کا صحیفہ ہے جو تیمور کے زمانے چودھویں صدی میں پیدا ہوا۔ اس کے کچھ حصے کی زبان غرب ایران کی بولی ہے + دوسری کتاب بابیوں کی ایک افسانہ تھا تاریخ ہے جس میں سنہ ۱۸۴۹ ع کی بابی بغاوت ماؤنڈان کا حال درج ہے، اس کی زبان ماؤنڈارن کی

+ دیکھو فہرست فارسی نسخہ جات قلمی موجودہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری۔ مرتبہ راقم صفحہ ۶۹ تا ۸۶ اور ہمارا مضمون ”ادبیات و تعلیمات معتقدات فرقہ حرفی“ مطبوعہ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ہائمت جنوری ۱۸۹۸ ع صفحہ ۶۱-۹۳۔

بولی ہے، دورن نے اس کو ملانٹز ایشیاٹیک (سینٹ پیٹرز برگ سنہ ۱۸۶۶ء) کی جلد پنجم ۳۷۷ اور بعد کے صفحوں میں ترجمے کے ساتھ شایع کیا ہے۔

اہم بولیوں کی فہرست	فارسی زبان کی مشہور بولیوں کے اضلاع
	یہ ہیں:-

ماژندران، گیلان اور تالش شمال میں؛ سمنان شمال مشرق میں؛ وسط میں کاشان، قہرود، فائن اور یزد، کرمان، رت سنجان وغیرہ میں زرتشتیوں کی عجیب و غریب گہری بولی؛ سیوند جنوب میں؛ لورستان، بہمان (یہاں رضا قلی خاں نام کا ایک حقیقی شاعر موجود ہے) اور کردستان مغرب میں؛ مگر بیرونجات میں اور متعدد بولیاں جن میں سے بعض کے ناموں سے بھی اہل یورپ واقف نہیں، ضرور رائج ہوں گی۔ ان بولیوں میں سے جو مروج اور معلوم ہیں مگر جن کا ہنوز بخوبی مطالعہ نہیں کیا گیا ہے ایک تو مغرب میں بختیاری ہے اور دوسری مشرق میں سیستانی جو بدرجہ غایت توجہ کے قابل ہیں۔

باب سوم

اسلامی دور سے قبل ایرانیوں کا علم
و ادب اور اُن کی مختصر مگر افسانہ
آئینز تاریخ جو شاہنامہ سے ماخوذ ہے

عروض حال | جس کتاب کا یہ دعویٰ ہو کہ اُس میں ایک
قوم کی تہام و کمال تاریخ ادب سے بحث کی
جائے گی بظاہر اُس کے ہر ایک قومی دور اور ذہنی ترقی
کی ہر ایک منزل پر حتی الامکان مساوی طور پر توجہ کرنا
ضروری ہے۔ مگر خصوصیات ایران کی گونا گونی کا اقتضا
یہ ہے کہ ہمارے موضوع میں جامعیت و صحت بیان پیدا
کرنے کے لئے مصنف تعداد میں کئی اور ہر شعبے میں طاق
ہوں اور متحدہ طور پر کام کریں (جیسے کہ کانگر اور کوہن
کی بے مثل کتاب ”اساسی لسانیات عجم“ جس کا تذکرہ کئی
بار آچکا ہے متحدہ کوششوں کا نتیجہ ہے) یا اگر ایک شخص
جسارت کرے تو اُس کو ایسے بوقلموں فضائل و اوصات کا
جاسع ہونا چاہئے جو ایک ذات واحد میں شان و نادر جمع
ہوتے ہیں۔ باعتبار زبان جو تقسیم کہ باب اول میں کی

گئی ہے۔ اُس کی رو سے ادب کے چار انواع (ان میں سے ایک مقدار و وسعت میں اس قدر کم ہے کہ اُس کو ایک علیحدہ نوع بہ مشکل کہہ سکتے ہیں) جن کا متحدہ ایک نام فارسی ادبیات ہوگا، قائم کئے جاسکتے ہیں، یعنی :-

۱- کتببات پیکانی جو فارسی قدیم میں ہیں اور سلاطین ہخامنشی سے تعلق رکھتے ہیں -

۲- اوستا یعنی اس کے وہ اجزا جو ہم تک پہنچے ہیں معہ گاتھا جو باقی حصص سے قدیم تر اور بلحاظ زبان قدرے مختلف ہے اور بخیال بعض خود زوراستر کے زمانے کی ہے -

۳- ادبیات پہلوی جس میں ساسانی دور کے کتببات بھی داخل ہیں -

۴- ادبیات بعدالاسلامی یا فارسی جدید جو پچھلے ایک ہزار سال پر مشتمل اور عام طور سے ”ادبیات فارسی“ کے نام سے معروف ہے (اس کے ساتھ ہمیں ایک اور شق کا اضافہ بھی کرنا ہوگا جو نمبر (۵) میں ہے - اس کے وجوہ باب اول صفحہ ۳ و ۴ میں بیان ہو چکے ہیں) -

۵- عربی تصنیفات کا وہ کثیر حصہ جو ایرانیوں نے لکھا ہے وہ بھی اس آخری تقسیم کے ساتھ شامل کر لینا چاہئے -

مذکورالصدر تین قدیم زبانوں اور ادبوں کی بابت میری معلومات نہ صرف سطحی بلکہ دوسروں کی وساطت پر

مبنی ہے؛ کیونکہ صرف فارسی جدید اور عربی ادب کا مطالعہ زیادہ سے زیادہ مستعد دماغ کے لئے زندگی بھر کا سامان ہو سکتا ہے۔ باقی لٹریچروں کی سرحدیں بعید الفاصلہ ہیں اور ہر اقلیم کی بادیہ پیمائی کے لئے مطلوبہ اہلیت بھی آپس میں جدا ہے۔ فارسی قدیم اور اوستا کے لئے سنسکرت کی مہارت از بس ضروری ہے، اس میدان میں علوم عربی اور واقفیت اسلام محض دوسرے درجے کی چیزیں ہیں۔ فارسی قدیم کے لئے آسوری اور اوستا کے لئے پہلوی کی تحصیل کار آمد ہے، لیکن پہلوی میں اس وقت تک کام نہیں چل سکتا جب تک کہ آرامی زبانیں خاصۃً سریانی اور کلدانی نہ آتی ہوں۔ چونکہ ایک مصنف کا شیوہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ جس موضوع پر قلم اُٹھائے اس میں ذاتی طور پر یدِ طولی رکھتا ہو اور مجھے اپنے موضوع کی تکمیل و توسیع کے لئے قبل الاسلامی ادبیات و السنہ میں دوسرے کمالین فن کا دست نگر ہونا پڑا ہے، اس لئے مجھے زیبا یہ تھا کہ میں فارسی جدید یا بعد الاسلامی ادب کے دائرے سے، جس میں ایک عرصے تک میں نے سرگردانی کی ہے، اپنا قدم باہر نہ رکھتا۔ لیکن چونکہ افق معلومات پر ہر جدید طلوع سے محقق کو احساس ہونے لگتا ہے کہ ایک قوم کے حالات و خیالات جو تحقیق سے قبل جدا جدا اور توتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، کس درجے مسلسل اور آپس میں گتھے ہوئے ہیں اور خطوط فاصل جو پہلے نہایت صاف اور جلی نظر آتے تھے کس قدر دھندلے اور تاریک ہیں، اس لئے راقم کی طبیعت اس امر پر راغب نہوی کہ اپنے موضوع کے تسلسل کو مصنوعی اور غلط حد بندیوں

سے توڑ کر ناظرین کتاب کو دھوکا دیا جائے۔ میں نے ترکی زبان سے علوم مشرقیہ کا مطالعہ شروع کیا، لیکن بہت جلد فارسی ادب کی جانب تھلاک آیا کیونکہ ترکی تہذیب و شائستگی اور ترکی علم و فن بہار عجم کے شگوفے ہیں۔ لیکن اس گلزار کی پوری سیر نہ کی تھی کہ معلوم ہوا عربی زبان، عربی ادب، عربی تہذیب اور عربی تمدن میں دستگاہ حاصل کئے بغیر عجہیات میں شد بد سے زیادہ نگاہ نہیں ہوسکتی۔ تاہم ابھی تک میں اس خیال پر جما رہا کہ عرب فاتحوں کی تسخیر ایران اور کثیرالتعداد ایرانیوں کا قبول اسلام عجی تاریخ کے وہ واقعات ہیں جہاں سے عجہیات کا مطالعہ صحیح طور پر شروع کیا جاسکتا ہے اور جہاں ایرانی تاریخ کے گذشتہ ابواب دریا برد معلوم ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خیال بھی حقیقت سے دور نظر آنے لگا، اور مجھے خیال آیا کہ عباسیوں کی پیچیدہ تہذیب کے کثیرالتعداد پہلو تاریخ اسلام کے ابتدائی حالات، قرآن کریم اور جناب رسالتہآب کی تعلیم، صرف اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب کہ محقق کے سامنے قدیم تر تاریخوں کے اوراق موجود ہوں * الغرض ایک تحقیق کار اسلامی سے ساسانی عہد، ساسانی سے پارتھوی، ہخامنشی، میدوی، آسوری اور قدیم ترین آریائی عہد اور خدا جانے کہاں سے کہاں کھنچا ہوا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ شعر اس کی زبان پر

* تہذیب و تمدن اسلام پر قبل اسلامی نظاموں کے مذہبی و سیاسی اثرات کے متعلق فان کریمر کی تحریریں معلومات سے پر ہیں، خاصہ اس کی چھوٹی سی کتاب حدود اسلام میں غزا —

—:

جاری ہو جا مرد خرد مند ہنر پیشہ را

عمر دو بایست درین روزگار

تا بہ یکے تجربہ آسوختی

دگرے تجربہ بردی بکار

در میں ان مسائل میں بڑنے سے گھبراتا تھا

لہذا ایک طرف تو تھے اور دوسری طرف مجھے کو ایسی

جو میرے بس کے نہ تھا جو نہ صرف ناقص اور ناظرین کو

کتاب پیش کرنے سے عار بلکہ میرے نقطہ خیال سے ایک قوم

دھوکے میں ڈالنے والی ہو کر میں نہ ہوسکے، جس کا عام خاکہ

کی تاریخ علوم صحیح معنوں میں ترتیب مضامین غلط ہو۔ اس

اور مطمح اور جس کی بحث و بحث کیا کہ باب ہذا میں

کشمکش کے درمیان میں نے یہ فیصلہ دیا۔ مرقومات، پہلوی

ہخامنشی کتب کے چیدہ مسائل، اوستا کے دستور خاص

دور کی یادگاریں اور ادبیات نیز دین زر تہمت کے حوالہ

حالات بیان کروں۔ میری دانست میں ان چیزوں کا جاننا ان

لوگوں کے لئے بھی کار آمد ہے جن کا شوق صرف فارسی جدید

تک محدود ہے، عہد ساسان اور ضمناً پہلوی کا بیان، جو

ساسانیوں کی سرکاری زبان تھی، دوسرے باب میں کسی

قدر تفصیل سے آئیگا، کیونکہ ایران کی تاریخ میں یہ زمانہ

وہ ہے جس میں اوائل اسلام کی دلچسپ جزئیں پھیلی ہوئی

ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جو خلیج ساسانی زمانے کو اس سے

قبل کے زمانے سے جدا کرتی ہے اس کا پورا کرنا جس قدر مشکل

ہے اُس قدر اُس زمانے کو دور اسلام سے ملا دینا مشکل نہیں ہے

اور چونکہ ادب کی بحث میں افسانے اور رو کا وہی مرتبہ رکھتی ہیں جو اصل تاریخ "بھی اہمیت اس لئے میں اس باب میں شاہنامے یعنی قومی سرتبہ ہے" ورق گردانی کروں گا، جیسا کہ آئندہ ثابت روایت کی یہ قومی روایت عہد ساسان کے شروع پر ہے۔ کیا جائے گا۔ بن جاتی ہے؛ لہذا اس باب کو ہم چار حصے میں بغضوان ذیل تقسیم کرتے ہیں:-

(۱) ہخامنشی (۲) اوستائی (۳) و (۴) قومی روایت

فصل اول

سلاطین ہخامنشی کی علمی یاد گاریں

ایران کا سب سے اول اور رفعت آشنا خاندان وہ ہے جس کا آغاز ۵۵۹ قبل مسیح میں سای رس کی تاجپوشی اور خاتمہ ۳۳۰ قبل مسیح میں سکندر کی تلوار سے ہوا، جب کہ اُس خانہ اعظم نے دارائے آخر کو شکست دی اور تاجدار مغلوب اپنے دونہک حرام صوبوں بی سس اور بزرائن تیز کے ہاتھوں نہایت بے دردی کے ساتھ مارا گیا۔ اس خاندان کے تھام تر حالات یونانی مورخوں خاص کر ہیروڈوٹس، تھیسی آژ اور زینوفون (انابیسس، سای روپیڈیا، اے جی سی لاس) کی قلم نے ہمارے لئے محفوظ کئے ہیں اور بعض لمحات دوسرے تاریخ نویسوں مثلاً ایس کالیس کی کتاب "پرسی" میں پائے۔ لیکن یہ ساخذ خارجی ہیں، ان کے پیش کردہ

حالات کو جنہیں ہذا منشی خاندان کی داستان مرتب کر لے
 میں رائسن ، اشپیگل اور یوستی جیسے محققین نے کافی
 طور سے کھنگالا ہے ، ہم نہیں چھیڑیں گے ، کیونکہ ان کی
 تلاش و تحقیق ایک مستشرق کی نسبت کلاسیکل * محقق
 سے زیادہ تعلق رکھتی ہے ۔ تاہم رائسن نے ہیروٹوٹس کی
 تاریخ کے قابل تعریف ترجمے میں اس نکتے کی طرف اشارہ
 کیا ہے کہ اس مورخ کے بیانات کی تصدیق نہ صرف ہذا منشی
 کتبوں سے ہوتی ہے بلکہ ایرانیوں کی قومی سیرت کی سچی
 اور زندہ تصویر جو اس کی تاریخ میں نظر آتی ہے اُس کے
 مقالات پر آئنا و صدقنا کہتی ہے ۔ اگر ہیروٹوٹس کی شہادت
 موجود نہ ہوتی تو اندیشہ تھا کہ ہذا منشی کتبے جو اب
 اُس کی شہادت سے آئینہ ہو چکے ہیں پڑے لئے جانے کے بعد بھی
 بعض اعتبار سے سر بھڑکی رہتے ، مثلاً دارا کے بے ستون والے
 بڑے کتبے کو نو اور اُس کے پہلے حصے میں (سطور ، ۸ ، ۱۱)
 ان الفاظ کو دیکھو :- ” کہتا ہے بادشاہ دارا ، ہمارے خاندان
 میں پہلے آتھہ بادشاہ ہوئے اور میں نواں ہوں : ہم دو
 نسل یا دو سلسلے کے بادشاہ ہیں “ ۔ اس بیان کو اُس شجرۂ
 نسب کی روشنی میں دیکھا جائے جو ہیروٹوٹس (پالمینہ
 ہفتم ، ۱۰) کے بیانات کی مدد سے مرتب کیا جاسکتا ہے تو
 اس کے معنی بالکل سمجھہ میں آجائیں گے —

(۱) ایک سی فیز (— ہخامنش)

(۲) تیزپیز (چائش پش)

(۳) کیم بی سیز (کھبوجیہ) ————— (۶) ایر یارم فیز (اریا رامنا)

(۴) سای رس (گرش) (۷) ارسامیز (ارشامہ)

(۵) کیم بی سیز (کھبوجیہ) (۸) ہستاسپیز (وشتاسپ)

(۹) ترائس (داریو وش)

زرکسیز (خشیار شا)

ہرچند کہ عام روایت کے مطابق اس سلسلے کا پہلا بادشاہ سای رس (ق م ۵۵۹-۵۲۹) شہار کیا جاتا ہے ، اس کا ہیئت کیم بی سیز (ق م ۵۲۲ - ۵۲۲) دوسرا ترائس (ق م ۵۲۱-۴۸۵) تیسرا بادشاہ ؛ لیکن ترائس اپنے (سلسلہ) نسب کو ہخامنش تک لیجاتا ہے اور اس میں یک جدی دوسرے سلسلے کے تین بادشاہوں کو (یعنی سای رس کے باپ کیم بی سیز اور اس کے بیٹے کیم بی سیز کو) بھی شامل کرتا ہے ، اس طرح دووی تا توئم بمعنی ”دو سلسلوں سے “ (پہلے اس کے معنی ” نہایت ہی قدیم زمانے سے “ تجویز کئے گئے تھے) اور دارا کے الفاظ ” میں نواں ہوں “ کا مفہوم بالکل صاف ہو جاتا ہے —

ایک مشاہدہ پسند سیاح اگر استخر اور اس کے گرد و نواح کی سیر کرے تو اُسے کسی قدر حیرت کے ساتھ نظر آئے گا کہ قدیم ترین کتبے سب سے بہتر اور جدید ترین سب سے ابتر حالت میں ہیں ۔ ہخامنشی زمانے کے پیکانی کتبے

اس قدر صاف اور روشن ہیں کہ مشکل سے باور ہوتا ہے کہ انہیں کندہ کرنے والی ٹانگی نے دو ہزار چار سو برس ہوئے اپنا کام ختم کیا تھا، ان کے مقابلے میں ساسانی یا پہلوی کتببات جو عمر میں ان سے ساڑھے سات سو برس کم ہیں، زیادہ متھے اور مرجھائے ہوئے ہیں، بخلاف ان کے فارسی جدید کے تازے کتبے تقریباً غائب ہو چکے ہیں۔ ہم ان کتبوں کو ان تین دوروں کا قائم مقام اور ان کے اسلوب بیان میں ان دوروں کی خصوصیتوں کا عکس دیکھتے ہیں۔ داراے اعظم صرف اس القاب پر قناعت کرتا ہے:—

”بادشاہ اعظم، شہنشاہ، شاہ ایران“

شاہ صوبجات، ابن وشتاسپ ابن ارشام

ہخامنشی —

مگر حاجی آباد کے پہلوی کتبے میں شاہ پور ساسانی

اپنے نام کو یوں پھیلاتا ہے:—

”پرستار مزدہ الوہیت وجود شاہ پور“

شہنشاہ ایران و غیو ایران، روحانی

اصل ایزد نسل، ابن پرستار مزدہ

الوہیت وجود ارتخشتر، شہنشاہ ایران

روحانی اصل ایزد نسل، نبیرہ الوہیت

وجود شاہ پاک“

القاب و خطابات کا وہ انبار جن سے اسلامی انحطاط

کے زمانے میں چار بیگمہ زمیں کا نواب بھی اپنے نام کو

آراستہ کرتا تھا، ہر ایک فارسی داں کو معلوم ہے اور فارسی نہ جاننے والوں کو ہم ایسے بلند آواز لیکن مشیخت نہا الفاظ کے اعادے سے تکلیف نہ دیں گے —

ہم نے اوپر یہ کہا ہے کہ کتببات ہخامنشی کو فارسی قدیم کی علمی یادگاروں کی نسبت زیادہ تو تاریخی یادگاریں سمجھنا چاہئے لیکن ان میں آمد و متانت اور سادگی و صداقت بیان اس درجہ پائی جاتی ہے کہ وہ طرز ادا اور ادب و انشا کے حقیقی نمونے کہلانے کے مستحق ہیں۔ ان کا ایک نمونہ تو دارا کے کتبۂ بے ستون کا وہ ترجمہ ہے جو صفحات ۵۳-۵۴ و ۵۵ میں گزر چکا ہے۔ دوسرا یہ موجود ہے جو اسی تاجدار نے استخر میں کندہ کرایا تھا

”خداے بر ترا ہر مزدہ ہے جس نے

اس زمین کو بنایا، جس نے اُس آسمان

کو بنایا، جس نے انسان کی خوشی کو بنایا،

جس نے دارا کو بادشاہ بنایا جو بہت

سوں کا واحد فرمانروا اور بہت سوں

کا واحد واضح قانون ہے“ —

”میں دارا ہوں، شاہ اعظم، شاہ شاہان،

شاہ ولایات معہورہ اقوام عالم، مدت

سے اس وسیع زمین کا حاکم، ابن وشتاسپ

ہخامنشی، عجمی ابن عجمی، نسل کا

آریائی“ —

”کہتا ہے بادشاہ دارا : اہر مزد

کے فضل سے فارس کے علاوہ میں ان
 مہالک کا مالک تھا، ان پر میری
 حکومت تھی، ان سے میں خراج لیتا
 تھا، ان پر میرے احکام کی تعمیل
 واجب تھی اور ان میں میرا قانون
 قائم تھا: میدیہ، سوسیانیہ، پارتھیہ،
 ہریوہ (ہرات)، باختیریہ (بلخ)، سغد،
 خوارزم (خیوا)، زرنک (درنگیانہ)
 ارخوسیہ، تہت گوش (ستاگیدیہ)،
 گندارہ، اندیا، ہوسہ ورک سیتھی،
 اور تیگرہ خدہ سیتھی، بابل، آسوریہ،
 عرب، مصر، آرمینہ، کے پے دوشیہ،
 سپردہ، یونانی آبادیاں، ماوراءالنہر
 کے سیتھی، سکدرہ، تاج پوش یونانی*
 ادرا پوتیہ، کوشیہ، ماکیہ، (اور)
 کر کہ [لوگوں میں] —

”کہتا ہے بادشاہ دارا: جب اہرمزہ

نے اس زمین کو دیکھا تو اس نے سمجھ

کو اس کا امین بنایا اور بادشاہ کیا،

* بعض مورخین تاج پوش کے الفاظ پر معترض ہیں، پروفیسر
 کاویل کہتا تھا کہ ان سے یونانی کا یہ لفظ مراد ہے جس کے
 معنی ”بالوں کی چوٹی“ جو سونے کے تہے سے باندھی جاتی تھی
 اور تھہوسی دای تیز کے وقت تک یونانی اس طرح کی چوٹی
 رکھتے تھے۔

میں بادشاہ ہوں اور بفضل اہرمزد میں نے اُس میں امن و امان قائم کیا۔ جو کچھ میں نے ان (رعایا) کو حکم دیا اس کی تعمیل انہوں نے میری مرضی کے مطابق کی۔ اگر تیرے دل میں یہ خیال آئے کہ وہ کتنی ولایتیں تھیں جن پر دارا بادشاہ حکومت کرتا تھا تو اس تصویر کو دیکھ: لوگ میرا تخت اٹھائے ہوئے ہیں، اس سے تو لوگوں کو پہچان سکتا ہے۔ اب تو جان جائے گا کہ ایرانیوں کے نیزے دور دور تک پہنچتے ہیں؛ اور تو جان جائے گا کہ اہل ایران ایران سے دور لڑائیاں سر کرتے تھے۔“

”کہتا ہے بادشاہ دارا: جو کچھ میں نے کیا اس میں اہرمزد کا فضل شامل تھا: اہرمزد نے مجھے کو مدد دی تا آنکہ میں نے کام کو انجام تک پہنچا دیا۔ اہرمزد سے مجھے کو میرے خاندان کو اور ان ممالک کو محفوظ رکھے! اس کے لئے میں اہرمزد سے دعا کرتا ہوں: اہرمزد میری دعا قبول کرے۔“

”اے بنی آدم! اہرمزد کا تیرے

لئے یہ حکم ہے: برائی مت سوچ؛ سیدھے

راستے کو نہ چھوڑ؛ گناہ نہ کر! —

ایک عجیب فرق جو ہخامنشی کے اخیر زمانے والے ایک کتبے (یعنی اردشیر آخوس کے ق م ۳۶۱ - ۲۳۶) میں نظر آتا ہے اس قابل ہے کہ اس کا سرسری ذکر کیا جائے۔ کیا در حقیقت کوئی نازک تعلق ایک قوم کی پستی یا عارضی انحطاط اور اس قوم کی زبان کی ابتری میں ہوا کرتا ہے؟ ہم نے انگریز محققوں سے سنا ہے کہ جنگ ہیسٹنگز سے پہلے اینگلو سیکسن زبان یا قدیم انگریزی ایک وسیع حد تک گریجر کے قواعد سے آزاد ہونے لگی تھی اور فارمن حملے سے قبل تو نہایت ابتر حالت میں آچکی تھی۔ بھر کیف فارسی قدیم کے معاملے میں یہ زوال اس قدر روشن ہے کہ شبہ کی گنجائش نہیں؛ کتبہ مذکور میں تغیرات و حالات اسم کی غلطیاں جابجا دکھائی دیتی ہیں، ”بومام“ (بہمنی زمین - منصوب) بجائے ”بوم“ کے، ”الہانام“ (الہان، منصوب واحد) بجائے ”الہانم“ کے، ”شایتام“ (مسرت، منصوب واحد) بجائے ”شیاتم“ کے، اسی طرح ”مرتہیا“ بجائے مرتہیہ (آدمیوں کا، بحالت مجرور جمع) ”کشایتہہ (بہمنی بادشاہ، مرفوع بجائے منصوب واحد کے)، اور علیٰ ہذا - قومی زوال کا رنگ نہ صرف زبان نے پکڑا بلکہ یہ رنگ معتقدات میں بھی دور گیا؛ اہرمز و حدہ لا شریک تھا مگر اب اس کے شریک و ہمسر کھڑے ہو گئے، ایک جانب متہرا (سورج) خدا بن چکا تھا اور دوسری جانب انہ ہتہ (= ناہید) کو مرتبہ ایزدی مل چکا تھا —

فصل دوم

۲/ اوستا

باب اول میں ہم نے اوستا کی اصلیت اور اُس کے عہد و وطن کے متعلق بعض باتوں کو سر سری طور پر بیان کیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ان امور کے متعلق بہت صحیح اور یقینی معلومات حاصل نہیں ہیں۔ یہاں ہم دو اکتھای اور متضاد رائیں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک گیلدندر ہے جس کا مضمون ”زرتشت“ انسائیکلو پیڈیا طبع نہم (۱۸۸۸) میں دیکھا جائے اور دوسرا دارم شتیتزر جس کا فرانسیسی ترجمہ اوستا ”جلد وقایع“ ۲۱، ۲۲ اور ۲۳ (۱۸۹۲-۱۸۹۳) ملاحظہ ہو۔

گیلدندر کی پہلی رائے سنہ ۱۸۸۸ء | یا کم از کم ”گاتھا“ یا تو خود زوراستر یا ان کے حواریوں کے اصل الفاظ میں ہے، ان کی تعلیم کا مرکز باختر اور باختر کی زبان ان کی تعلیم کا آلہ تھی۔ شاہ وستاسپ (گشتاسپ، ہستاسپیز) جو ان کی ہدایت پر ایمان لایا اور جو بعد میں ان کی جان کا سپر اور اُن کے مذہب کا محافظ بن گیا تھا ”وقائع تاریخ میں کہیں مذکور نہیں“۔ اور اگر اس نام کا کوئی شخص تھا بھی تو اُس کا زمانہ ساسی رس سے کہیں پہلے کا تھا، تاہم ”اس کو دارا کے باپ ہستاسپیز سے

جدار کھنا چاہئے“ اور اس کا عہد ایک ہزار سے (بخیال تذکر) چودہ سو برس (بخیال گوت شمت) قبل مسیح کے اندر اندر سمجھا چاہئے۔ تارم شتیتر کو ان باتوں سے قطعی انکار ہے اُس کا بیان ہے کہ اگر ہخامنشی دور کی کوئی زرتشتی تارم شتیتر کی کتاب تھی تو وہ ہتھامہ حملہ سکندر کے بعد کی راے ۱۸۹۳ | نذر ہوئی؛ اوستا کی تدوین جس کا صرف

ایک حصہ اس وقت موجود ہے پہلی صدی عیسوی اور پارتھوی بادشاہ والوگی سیز اول (سنہ ۵۱ - ۷۸ ع) کے عہد حکومت میں شروع ہوئی اور ساسانی دور میں شاپور ثانی کے زمانے تک (سنہ ۳۰۹ - ۳۷۹ ع) اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا؛ اس کا آخری حصہ اسکندرانی یا جدید افلاطونی فلسفہ معرفت میں دوبا ہوا ہے؛ تعلیم زرتشت کا جنم بہوم میدیا تھا اور میدیا کی زبان ذریعہ اظہار؛ اور جیسا کہ بعض پہلوی کتب مثلاً اردہ ورات نامک اور بُندہش میں صاف صاف موجود ہے زرتشتی ملت کا آغاز ایام سکندری سے تقریباً تین اور اور حضرت عیسیٰ سے چھ یا سات صدی قبل ہوا تھا یا بالفاظ دیگر ہخامنشی خاندان کے ظہور سے کسی قدر پہلے —

گیلڈنر کی دوسری تارم شتیتر کی راے اگرچہ عام قبولیت حاصل نہ کر سکی لیکن اُس نے مخالفین کیلڈنر کی دوسری راے (۱۸۹۶)

خصوصاً گیلڈنر اور اس کے متبعین کے مسلمات کو بہت کچھ تھیلایا دیا اور اُن روایتوں کی اہمیت کو اس نے منوا لیا جو پہلوی، پارسی اور ابتدائی اسلامی مرقومات میں درج ہیں۔ چنانچہ گیلڈنر نے گانگر اور کوہن کی ”لسانیات عجم“

(۱۸۹۶) کے لئے جو دلچسپ مضمون لکھا ہے اُس میں اگرچہ مضمون نگار نے اوستا کی تاریخ تصنیف کے بارے میں تارم شتیتر کے انقلاب انگیز بیانات سے اختلاف ہی رکھا مگر بخلاف سابق پارسی روایات کو بغایت واثق تسلیم کیا ؛ زرتشت کے معتقد ہستاس پیز کو دارا کا باپ مان لیا جو تاریخی زمانے کا آدمی ہے اور ساسانیوں کے زرتشت کا معاصر ، اوستا کا قدیم ترین سال تدوین ق م ۵۶۰ کہنے کو تیار ہو گیا ، اصل نسخہ اوستا کے تلف و گم ہونے پر یقین لے آیا اور زمانہ تلفی کو وہی زمانہ تسلیم کیا جو سکندر کے حملے اور والوکی سیز کے درمیان ہے اور بالآخر یہ اقرار بھی کر لیا کہ دوسری اوستا کو والوکی سیز نے اُسر نو شروع کیا ، جسے اردشیر بائیء خاندان ساسان نے پھر تازہ کیا ، اور یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ شاپور ثانی (سنہ ۳۰۹ - ۳۷۹) کے عہد تک اس کی تدوین و اجتماع کا کام مسلسل جاری رہا ہوگا ۔ بائیں ہند نے اس خیال کا دامن نہیں چھوڑا کہ اوستا کا حصہ گاتھا نہ صرف سب سے پرانا حصہ ہے بلکہ وہ زرتشت کی اصلی تعلیم زرتشت کے اصل الفاظ میں ہے اور خود بائیء تعلیم ایک تاریخی اور واقعی انسان تھے اور تارم شتیتر کے خلاف عہدہ تاریخی دلائل پیش کر کے وہ باصرار تمام کہتا ہے کہ گاتھا کو ” سکندریا ادریت “ (Alexandrian Gnosticism) کی ہوا تک نہیں لگی اور نہ یہ کہ لفظ ” وہو منو “ (بہمن) جو گاتھا میں بار بار آیا ہے فیولوجوتی اس کے لفظ ” لوگوس تھوس “ (کلام ربانی) کے بطن سے نکلا —

آئکتے کے زمانے سے آج تک یہ خیال چلا آتا ہے کہ
 ساسانی اوستا | موجودہ اوستا ساسانیوں کی اوستا کا صرف ایک

جز ہے اور ساسانی اوستا بھی حتم میں بس اس قدر تھی
 کہ ”ایک دستور آسانی کے ساتھ لوح دل پر محفوظ
 کرسکتا تھا۔“ نیز وہ اُس کامل اوستا کا ایک حصہ ہے جو
 ”بیل کے مدبوغ چہروں پر آب زر سے نوشتہ“ اور احترام
 و احتیاط کے ساتھ ”ستخر پاپکان“ میں رکھی رہتی تھی اور
 حس کو ”ملعون سکندر رومی“ نے تباہ کر دیا۔ لیکن ویندیداد
 جو موجودہ اوستا کا جزو اعظم ہے ضخامت میں ایک معقول
 جلد ہے اور ان اکیس نسکوں میں سے ایک نسک ہے جن پر
 ساسانی اوستا مشتمل تھی، ان نسکوں کے مضامین ہم کو
 پہلوی ”دین کرد“ کے ذریعے سے بہت کچھ معلوم ہیں،
 یہ پہلوی کتاب نہایت کارآمد اور غالباً نویں صدی عیسوی
 کی تصنیف ہے۔ اکیس نسکوں کو جن کے پہلوی نام علمی
 دنیا میں پوشیدہ * نہیں، تین مساوی حصوں میں تقسیم
 کیا گیا تھا، ایک ”گاسانیک“ (جس میں زیادہ تر آئین عبادت
 اور دینی مسائل مذکور ہیں) تھا، دوسرا ”داتیک“
 (زیادہ تر قوانین معاشرت پر مشتمل) اور تیسرا ”ہاتک
 مان سریک“ (مشتمل بہ فلسفہ و حکمت)۔ پہلے سات نسکوں
 میں سے جن سے یہ حصہ مرتب اور جو دستوروں کے لئے

* دیکھو گیلڈنر کا مضمون مندرجہ ”لسانیات عجم“ جلد

مخصوص تھا تین کے اجزا اب تک باقی ہیں، ان کے نام یہ ہیں: (۱) استوت یشت (۲) بکو (۳) ہاتوخت، دوسرے سات نسکوں میں سے بھی (جو عوام کے لئے لکھے گئے ہیں) تین ڈسی قدر سلامت ہیں:—

(۱) ویندیہاد (۲) ہوس پارم (۳) بکان یشت: پچھلے دو جزوی حالت میں ہیں، رہا تیسرا نسک جو علمائے معققین کے معدود دائرے کے مطلب کا تھا، وہ بدقسمتی سے نابود ہو گیا، غالباً اس کی تباہی کا سبب یہ ہوا کہ وہ مفید خاص و اہل علم و فضل تھا۔ ویست کے حساب سے ان اکیس نسکوں کی کل تعداد الفاظ ۲۲۷۰۰۰ تھی، جن میں سے اب صرف ۸۳۰۰۰ الفاظ یا تقریباً ایک ربع باقی ہیں۔ تقسیم مذکورہ پر کیلڈنر کو اعتراض ہے کہ وہ ”ایک حد تک مصنوعی تقسیم ہے اور شاید اس وجہ سے پیدا کرائی گئی ہے کہ پوری اوستا اور نظم ”اھونہ ویریہ“ میں جو اوستا کی جان اور اُس کا لب لباب ہے ایک کامل مطابقت قائم ہو جائے۔“ کیلڈنر کے اعتراض پر ہم کو دو اور دلچسپ مگر بعد کے زمانے کی نظیریں یاد آگئیں جن سے اس امر کی شہادت بہم پہنچتی ہے کہ مشرق میں کیسے عجیب تواتر کے ساتھ خیالات کا اعادہ ہوتا رہتا ہے، اس مسئلے پر تفصیل کے لیے ایک عجیب نظیر

ساتھ ہم کسی اور مقام پر بحث کریں گے، پہلی نظیر ایک شیعہ روایت میں ملتی ہے جو حضرت علی سے منسوب کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے:—

”قرآن کا لب لباب سورہ فاتحہ میں“

ہے، سورۃ فاتحہ کا لب لباب بسم اللہ
میں ہے (بسم اللہ سوائے ایک کے
ہر ایک سورۃ کا عنوان ہے اور
مسلمان ہر کام بسم اللہ سے شروع
کرتے ہیں)، بسم اللہ کا خلاصہ بسم اللہ
کی ب میں اور ب کا ب کے نقطے میں
اور وہ نقطہ میں ہوں۔“

دوسری نظیر میں باب نے اس خیال کو وسعت دیکر
استعمال کیا ہے، باب انیسویں صدی میں ایک آخری مگر
عظیم الشان مذہبی تحریک کا بانی گزرا ہے، سنہ ۱۸۵۰ء
میں بمقام تبریز قتل کیا گیا؛ اس کی تعلیم ہے کہ ۱۹ کا
ہندسہ وحدت کا مراد ہے، کیونکہ بسم اللہ کے حروف بھی
تعداد میں ۱۹ ہیں اور لفظ ”واحد“ کی قیمت بھی بحساب
ابجد ۱۹، اس لئے ۱۹ کو خدائے حق قیوم کی وحدانیت کا
ایک صاف مظہر اور ہر گنتی کی بنیاد سمجھنی چاہئے۔
چنانچہ اُس نے اپنی کتابوں کو انیس ”واحدوں“ میں تقسیم
کیا اور ہر حصے کے ۱۹ باب رکھے، ہر سال کے ۱۹ مہینے اور
ہر ہفتے کے ۱۹ دن مقرر کئے (۳۶۱=۵ دن)۔

موجودہ اوستا کے	اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ساسانی اوستا کے
حصے	۲۱ نسک تھے اور موجودہ اوستا صرف

ایک نسک پر مشتمل ہے یعنی ویندیداد؛ یاسنا جو کم از کم
دوسرے چار نسکوں کے اجزا سے مرتب کر لی گئی ہے، نیز
کچھ اور جستہ جستہ ٹکڑے ہیں جو بعض پہلوؤں کتابوں

میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ ان میں سے ہسپارم خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو نیرنگستان میں محفوظ ہے۔ اوستا کے موجودہ اجزا اور مذہبی کلمات کو پارسیوں نے پانچ بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:-

یا سنا	۱۔ یاسنا، اس میں عبادت کے طریقے اور مذہبی گیت درج ہیں جو مختلف فرشتوں، مقدس روحوں اور پاک ہستیوں کی شان میں گائے جاتے ہیں، اس کے ۷۲ باب ہیں (جو ہائنتی یا ہا کہلاتے ہیں)۔ انہی کی تعداد کے تلازمے سے گُشتی یا زَنار کو ۷۲ تاروں سے بناتے ہیں۔ پارسی طفل کو دین زرتشتی میں داخل کرنے کی رسم اسی کشتی کے پہنانے سے ادا کی جاتی ہے۔ قدیم گاتھا جس کا تذکرہ بارہا آچکا ہے یا سنا میں شامل ہے۔

و سپیرید	۲۔ و سپیرید کے ابواب ۲۳ سے ۲۷ تک ہیں اور کر دے کہلاتے ہیں، مگر یہ کوئی علیحدہ مربوط اور مستقل کتاب نہیں بلکہ مذہبی وظائف اور تسبیحات و تعہیدات کا ایک مجموعہ ہے، یا سنا کے مثل اور اسی کا ضمیمہ، عبادت کے لئے یا سنا کے ساتھ کام میں آتا ہے۔

ویندیداد	۳۔ ویندیداد یا ”قانون دافع شیطاں“ کو با لفاظ گیاندز یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ پارسیوں کے احبار یا قوانین مذہبیہ کی کتاب ہے جس میں آداب طہارت و استغفار، اور کفاروں کی ترکیبیں دی ہوئی ہیں۔ ویندیداد کی تعداد ابواب (فرگرد) ۲۲ اور پہلے باب میں

ان پاکیزہ اقطاع زمین کی پیدائش کا بیان ہے جو اھر مزد (اھورمزدہ) نے تخلیق کیں اور اھر مزد کے مقابلے میں اھرمسن (انرومین یوش) کی خراب سر زمینوں کی تخلیق کا حال ہے، ان ممالک کے متعلق جو اھل اوستا کو معلوم تھے تھام بحثوں کا دار و مدار اسی باب پر ہے۔

۴۔ یشت تعداد میں ۲۱ اور ایک قسم کے بھجن یشت | ہیں جو مختلف ملائکہ اور ارواح مقدسہ کے لئے

مخصوص ہیں یعنی آمشسپندوں اور ایزدون کے لئے پارسی مہینے کا ہر دن ان میں سے ہر ایک کی طرت منسوب ہوا ہے اور اس کے نام پر اُس دن کا نام مقرر ہوا ہے۔ پارسیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر پاک روح کے لئے ایک یشت مخصوص تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں یشتوں کی مجموعی تعداد تیس تھی۔ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ مشرق میں قدیم مذہبی عقاید اور رسوم مت مت کر زندہ ہوتے رہتے ہیں، زرتشتوں کے سال و ماہ کی تقسیم سے ہمیں اس کلیہ کی ایک اور مثال یاد آگئی۔ پارسیوں کا سال بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے جس

مشرق میں قدیم مذہبی عقائد و رسوم کی احیا کی ایک اور مثال

میں پانچ دن جو گاتھا کہلاتے ہیں جوڑ دئے جاتے ہیں۔ ان کا سال ہمارے مافند ۳۶۵ دن کا شمسی سال ہے اور کچھ اور ایام فستی کا اضافہ بھی مناسب طریقے سے کر لیا جاتا ہے۔ بابیوں نے جن کی ابتدا کلیۃً ایک اسلامی فرقے کی صورت میں ہوئی اور جو شروع شروع میں غلاۃ شیعہ میں سے تھے، مسلمانوں کا قہری

سال جو شمسی سے تقریباً ۱۱ دن کم ہے ترکہ کر دیا اور اپنے محبوب عدد ۱۹ کو ہر ایک شہار کی بنیاد سمجھ کر انیس ماہ کا ایک شمسی سال اور ۱۹ دن کا ایک ماہ تجویز کیا ، تعداد ایام و ماہ کی ضرب سے سال کے (19×19 یعنی) ۳۶۱ دن نکلتے ہیں ، تقویم اور فصلی سال میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے باقی کے دن یا تو پانچ یا اس سے کم اور ملالیتے ہیں ، ان پانچ دنوں کی تعداد اپنے پیرو مرشد یاب کے (ب - ۲ ، الف - ۱ ، ب - ۲) حروف سے نکالتے ہیں ، ان کی اصطلاح میں یہ عدد عربی کے حرف ہ کے عدد ۵ کے مطابق مقرر ہوا ہے۔ اس کے سوا بابی مہینے کا ہر دن اور بابی سال کا ہر مہینہ خدائے تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت یا مظہر فعل کی طرف منسوب اور اسی سے موسوم ہے۔ یہ صورت وہی ہے جو پارسیوں کے ہاں موجود ہے کہ ان کا ہر دن اور ہر مہینہ ان کے فرشتوں کی طرف منسوب اور اس کے نام سے موسوم ہے۔ ان نظاموں میں ایک قدیم ترین اور دوسرا جدید ترین ہے مگر دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اول تو بابیوں نے پارسی فرشتوں کی جگہ صفات کو رکھ لیا اور دوسرے پارسیوں کے ۳۰ امشسپند اور ایزدون میں سے جو جدا گانہ طور پر مہینے کے تیس دنوں کی صدارت کرتے ہیں بارہ ایسے ہیں جو سال کے بارہ مہینوں پر بھی اپنا اقتدار و تصرف رکھتے ہیں۔ لیکن برخلاف اس کے بابی نظام میں انیس نام مہینوں اور ایام ماہ دونوں پر اطلاق پاتے ہیں۔ غرض دونوں نظاموں میں ہفتہ کسی شہار و قطار میں نہیں ، دونوں میں ماہانہ ایک بار دن

اور مہینے کا نام ایک ہی واقع ہوتا ہے اور دونوں میں ایسا دن یوم جشن سمجھا جاتا ہے، پارسیوں اور بابیوں میں یہ مشابہت تو ہے مگر یہ بہت ہی غیر اغلب ہے کہ باب نے براہ راست پارسی مذہب و رواج سے واقفیت پیدا کرنا منظور کیا ہے۔ ذات کا وہ سید تھا، رسالت کے دعوے (سنہ ۱۸۴۶ع) سے قبل بغایت سرگرم شیعہ تھا۔ کافروں کو نجس اور لائق اجتناب سمجھتا تھا، (وہ اپنی تعلیمات کی فارسی کتاب ”بیان“ میں حکم دیتا ہے کہ جو لوگ مجھ پر ایمان نہ لائیں ان سب کو باستثنائے مفید اہل حرفہ ایران کے پانچ بڑے بڑے صوبوں سے جلا وطن کر دیا جائے) یہی مشابہت بابی و اسماعیلی بلکہ دوسرے فرقوں کی تعلیم حتیٰ کہ ان کی مصطلحات میں پائی جاتی ہے؛ مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ ایران میں مذہبی اور فلسفی خیالات کا ایک دور ہے جو مقامی طور پر ہمیشہ موجود رہتا ہے اور مناسب محرک کے اثر سے متعدی بن جانے پر ہمہ وقت آمادہ رہتا ہے، آئندہ اوراق میں اس مسئلے کا حوالہ متعدد بار آئے گا —

خوردہ اوستا (۵) خورد اوستا یا چھوٹی اوستا ایک قسم کا رسالہ نہاڑ ہے جو شاپور ثانی (سنہ ۳۱۰ء -

۳۷۹ع) کے عہد میں دنیا داروں کے لئے تالیف ہوئی تھی، مؤلف کا نام آذرپاد مہراسپند ہے، اس کا متن کچھ تو اوستا کے انتخابات اور کچھ پاژند میں لکھے ہوئے وظائف سے بھرا ہوا ہے اور پانچ فیماںشوں یعنی مناجاتوں پر مشتمل ہے جن میں سورج، چاند، مٹھرا پانی رب النجوم اور آتش بہرام کو مخاطب

کیا گیا ہے۔ اس کے سوا اس مجموعے میں نمازوں کے سوا پانچ گاہیں، خورد و کلاں سی روزہ اور چار آفرینگاں (برکتیں) بھی شامل ہیں —

اوستا بحیثیت	زر تشتی کتاب مقدس کا جو حصہ ہم تک پہنچا
مجموعی	ہے اور جس کو اب ہم اوستا سمجھتے ہیں

وہ یہی اجزا ہیں۔ ان کے علاوہ وہ قطعات ہیں جو بالکل علیحدہ طور پر بعض پہلوئی کتابوں جیسے نیرونگستان (خاص کر اس کے آؤگ میدیا اور ہادوخت فسک میں پائے جاتے ہیں) اگرچہ اوستا ایک قدیم نوشتے کی حیثیت سے، جس میں زرتشت جیسے شہرہ آفاق انسان کی تعلیم اور اس افتہا درجہ قدیم ملت کے عقائد قلمبند ہوں جس نے ایک زمانے میں تاریخ عالم میں بہت اہمیت پائی اور اس کے پیرو آج کل ایران میں دس ہزار اور ہندوستان * میں نوے ہزار سے زائد نہیں، دوسرے زیادہ قوی مذاہب پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے، بغایت دلچسپ کتاب ہے، لیکن اس کا مطالعہ ناگوار اور کراں گزرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے بعض مقامات ہنوز مشتبہ ہیں اور جب ان کے مطالب صاف ہوں گے تو اس کا پایہ قدرے بلند ہو جائے گا لیکن میں اپنی بابت تو کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید کا میں جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہوں اور اس کی روح کو اکتساب کرنے کی کوشش کرتا ہوں اسی قدر مجھ کو اس میں

* دیکھو میتھموازیل تی مہناں کی کتاب ”پاوسی“ صفحہ

زیادہ لطف آتا جاتا ہے لیکن اوستا کو لسانی یا قصص یا مقابلے کی ضرورتوں کے علاوہ کسی اور ارادے سے پڑھنا دو بھر اور بلاے جان معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ مذاہب میں اس کا رتبہ، قدامت اور تدقیق زبان میں اس کا درجہ بعض ارباب تحقیق کو اور اس کی الہامی حیثیت اس کے متبعین کو اپنی جانب ہمیشہ کھینچتی رہے گی۔ لیکن ہمیں شک ہے کہ اس کا کوئی ترجمہ ایسا بھی کیا جاسکتا ہے جو ایک معمولی عقل اور معمولی شوق کے شخص کو سوائے خاص ضرورت کے اس کا ایک ایک صفحہ ختم کرنے پر آمادہ کر سکے۔ بہر کیف اوستا کے ترجمے انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں کثرت کے ساتھ ہو چکے ہیں، ان کو پڑھ کر ہر شخص ذاتی طور پر ہماری رائے کا تجربہ کر سکتا ہے۔ اوستا کے منتخب اقتباسات یہاں نقل کرنا بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے —

✓ فصل سوم

پہلوی ادب

پہلوی افسانے سکوں پر | بتایا جا چکا ہے کہ پہلوی کی نمایاں
 ۳۰۰ ق م سے ۶۹۵ ع تک | خصوصیت ایرانی اور سامی الفاظ کی
 آمیزش تھی جس کا باعث ہزوارش تھی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے
 کہ پہلوی کی قدیم ترین مرقومات کیا تھیں۔ سنہ ۱۸۶۷ ع *
 میں سب سے پہلے لیوی باشندہ بریسلو نے سراغ لگایا کہ پہلوی

کے قدیم ترین نمونے ان پارتھوی سکوں کے کلمات ہیں جو حضرت عیسیٰ سے قبل چوتھی صدی کے اختتام اور تیسری کے آغاز میں رائج تھے، یا بالفاظ دیگر پہلوی کا رواج دور ہخامنشی کے خاتمے کے بعد جلد ہی شروع ہو گیا تھا اور پہلوی نقوش پارتھیوں کے متاخر، ساسانیوں کے پورے دور اور مسلمانوں کے ابتدائی زمانے کے ایرانی سکوں پر بھی موجود ہیں؛ آخر الذکر میں وہ سکے بھی شامل سمجھنے چاہئیں جو طبرستان کے خون مختار سپہبد اور ابتدا کے عربی گورنروں نے تہلواے تھے، لہذا پہلوی کی روایات سکے ۳۰۰ قبل مسیح سے ۹۵۰ ع تک پھیلتی ہیں، جب کہ اموی خلیفہ عبدالملک نے ایرانی سکے اڑا کر عربی سکے جاری کیا اور اس پر عربی کلمات کندہ کرائے * —

پہلوی کتبے ساسانی دور کے ساتھ شروع ہوتے ہیں، سب سے قدیم تاریخ کے دو ہیں، ایک ارد شیر کا اور دوسرا شاپور کا جو ممتاز آل ساسان کے پہلے دو بادشاہ تھے (۲۲۶ - ۲۴۱ اور ۲۴۱ - ۲۷۲)؛ ان کتبوں کا سلسلہ گیارہویں صدی تک پہنچتا ہے، آخری کتبے وہ ہیں جن کو بھٹی کے نزدیکی بمقام سیلس بدھوں کے کنہیری غاروں میں بعض پارسی سیاحوں نے ۱۰۰۹ ع اور ۱۰۲۱ ع میں کندہ کیا تھا۔ قدیم و جدید ترین کتبوں کی درسیانی یادگار

* اس سلسلہ میں عربی تاریخوں پڑھنی چاہئیں مثلاً دینوری کی تاریخ (مترجمہ گرگس سنہ ۱۸۸۸) صفحہ ۳۲۲ —

دس گواہوں کے پہلوی دستخط ہیں جو ایک فرمان پر ثبت ہیں۔ یہ فرمان ساحل مالابار کے شامی عیسائیوں کی سند عطیہ ہے جو تانبے کے پتروں پر کندہ ہے۔ پانچ پتروں پر قدیم تامل کی عبارت ہے اور چھتے تکڑے پر پچیس گواہوں کے دستخط ہیں، ۱۱ عربی کے خط کوفی میں، دس ساسانی پہلوی میں اور چار فارسی زبان میں بھرت عبرانی—

پہلوی ادب | پہلوی ادب کے صحیح زمانے کا حال صفحات ۸، ۹ اور ۱۰ میں آچکا ہے۔ یہ ادب خالص طور پر ساسانی دور کا فارسی ادب تھا، اس خاندان کے زوال پر بھی کچھ عرصہ تک اُس کا قائم رہنا ایک قدرتی امر تھا۔ چنانچہ بیان ہو چکا ہے کہ ساسانیوں کے بعد عباسی خلیفہ مامون رشید کے دربار میں (۸۱۳ - ۸۳۳ ع) دستور آنور فرن بگ بن فرخ زاد اور کسی ثنویت پرست (شاید پیرو مانی مذہب) کے درمیان مناظرے کا جو میدان گرم ہوا تھا اس کی قلمبند روئداد پہلوی کتاب گجستک ابالش نامک میں موجود ہے۔ لہذا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلوی ادب تین سے نوں یا دسویں صدی عیسوی تک زندہ رہا، بظاہر اس کے بعد پہلوی

* دیکھو ہاگ کا نوشتہ مضمون ”پہلوی“ صفحہ ۸۰ تا ۸۲ اور ویسٹ کا آرٹیکل ”پہلوی ادب“ جو ”لسانیات عجم“ جلد دوم صفحہ ۷۹ مہں درج ہے، وہ حوالے بھی دیکھنے چاہئیں جو اُس کتاب میں دیے گئے ہیں—

کا قدرتی استعمال معدوم ہو گیا اگرچہ تعلیم یافتہ پارسی
 ہر زمانے میں حتیٰ کہ آج تک اس میں تصنیف و تالیف
 کرسکتے ہیں۔ اس زبان کی جعلی پہلوی کا تصنع عموماً
 جہت ظاہر ہو جاتا ہے؛ خاص کر اس طرح کہ اس میں صفتی
 لاحقہ 'اک' کو اسمی لاحقہ 'ایہ' کے ساتھ خلط ملط کر دیا
 گیا، اس لئے کہ اب ان دونوں کی جگہ 'ای' استعمال
 ہوتی ہے۔

پہلوی کے قدیم ترین مسودے وہ تحریریں | پہلوی مسودات
 ہیں جو بردی کے پریشان قطعہات پر قلمبند
 اور فیوم (مصر) سے برآمد ہوئے ہیں۔ ویسٹ کا خیال
 ہے کہ ان کا سال تصنیف آٹھویں صدی عیسوی ہے، ان
 کے بعد پہلوی یا سنا کے قلمی نسخے سے زیادہ پرانا
 کوئی نسخہ نہیں جو "جے-م" کے نام سے معروف ہے
 اور جسے ۲۵ جنوری سنہ ۱۳۲۳ کو کاتب نے ختم کیا تھا۔
 پارسی نقل نویس قدرتاً پہلوی کتابوں کو آج تک نقل کرتے
 چلے آتے ہیں مگر پہلوی ٹائپ اور لیتھو کی ایجاد نے
 زیادہ قیمتی کتابوں کے معاملے میں دوسری مشرقی
 زبانوں کے مثل پہلوی کو بھی کتابت کے بار سے ایک
 گونہ سبکدوش کر دیا ہے۔

پہلوی ادب کی | پہلوی ادب پر اول درجے کی زندہ سند
 مقدار و نوعیت | ویسٹا ہے کتاب کے اس حصے میں ہمارا
 اصل رہنما یہی فاضل ہوگا، اس نے پہلوی

ادب کو تین مدارج میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) متون اوستا کے پہلوی تراجم ، تعداد میں ۲۷ ، بعض مکمل اور بعض ٹکڑوں میں ہیں ، ان کے مجموعی الفاظ ایک لاکھ اکتالیس ہزار * تضمینہ کئے جاتے ہیں ، اگرچہ تراجم اوستا کے لئے وہ بیش بہا ہیں لیکن بالفاظ ویست ” اُن کا شمار ادبیات میں نہیں ہو سکتا کیونکہ مترجموں نے اوستا کی عبارت کا اتباع اسدرجہ کیا ہے کہ لفظ کے نیچے لفظ رکھ دیا ہے —

(۲) پہلوی متون جو ۰ مذہبی مضامین پر مشتمل ہیں ، تعداد متون ۵۵ ، تعداد الفاظ ۴۴۶۰۰۰ ، ان میں تفاسیر ، ادعیہ روایات ، پند و نصائح ، وصایا ، اقوال مقدس وغیرہ کے علاوہ ذیل کی مہتم بالشان اور دلچسپ کتابیں ہیں :-

دین کرت	دین کرت (کردار ہائے دینی) ” ایک
(نویں صدی عیسوی)	عظیم الشان ذخیرہ معلومات ہے ۔ پارسی
مسائل ، رسوم و روایات ، تاریخ و ادب کا ،	آتور فرن بگ ،
جو دین زرتشت کا پہلوان بنکر الہاموں کے روبرو ” مردود	
ابالیش ” کے مقابلے کو آیا تھا ، اس کا مؤلف ہے + کتاب نویں	
صدی کے آخر میں تالیف ہوئی ۔ بن دہشن (بنیاد بخش)	

* اعداد کی تفصیل ویست کے مضمون مطبوعہ ” لسانہات عجم “

میں ملے گی —

+ ویست نے اس کے مضامین کو نہایت تفصیل کے ساتھ

تجزیہ کر کے دکھایا ہے —

بن دہشتن | ایک ضخیم مذہبی رسالہ ہے ' اس کا
(بارہویں صدی) | ایدت شدہ نسخہ چوبیس ابواب پر مشتمل

ہے اور "ایرانی" کے نام سے موسوم، یہ غالباً گیارہویں یا بارہویں
صدی میں اتمام کو پہنچ گئی تھی، اگرچہ بظاہر اس کا
زیادہ حصہ بہت پہلے لکھا جا چکا تھا —

داتستان دینیک | داتستان دینیک یا "آراء مذہبیہ"
(نویں صدی) | یہ کتاب مانوش چیر پسیروان یم

دستورالاساتیر فارس و کرمان کی تصنیف ہے جو نویں صدی کے
اواخر میں گزرا ہے اس کے بانویں موضوعات ہیں اور حسبِ رائے
ویست سہجھنے اور ترجمہ کرنے کے لئے یہ کتاب جس قدر مشکل
ہے پہلوی میں اس کی نظیر نہیں —

شکند گمانیک ویجار | شکند گمانیک ویجار + یعنی شرح شک
ابا، نویں صدی کے اواخر میں لکھی گئی

تھی، اس میں مذہب کے متنازعہ فیہ مسائل درج ہیں، زرتشتی

+ ترجمہ کے لئے "مشرق کی کتب مقدسہ" جلد پنجم
صفحہ ۵۱۰ (اوکسفورڈ ۱۸۸۰ء) میں ویست کا مضمون
"پہلوی متون" اور تجزیہ مضامین کے لئے اسی محقق کا
مضمون منسلک "لسانویات عجم" صفحہ ۱۰۲-۱۰۱ ملاحظہ
کرنا چاہئے —

+ "سلسلہ مشرق کی کتب مقدسہ" کی چودھویں کتاب کے
صفحہ ۱۱۵-۲۵۱ (۱۸۸۵ء) میں ویست نے اس کا ترجمہ کر دیا
ہے اور ۱۸۷۷ء میں اس فاضل نے پارسی ہوشنگ کی مدد سے اس
کتاب کو بزبان پازند چھاپا ہے —

ڈنویسٹ کی حمایت اور برائی کی حقیقت اور ابتدا کے متعلق یہودی ، عیسوی ، مانوی اور اسلامی خیالات کی تردید کرتی ہے ، بقول ویسٹ ” موجودہ پہلوی ادب میں صرف یہی کتاب ایسی ہے جو فلسفہ کی سرحد سے گزرتی ہے “ —

اس کتاب کے دو نام اور ہیں ” دینائے منیو | منیوے خرد (یا مائے نوگ) خرد “ (روح دانش کی رائیں)

اس میں یہ روح زرتشتی مذہب کے متعلق ۶۲ سوالوں کے جواب دیتی ہے ، کتاب کا پہلو متن ایندیریاس (کیل ۱۸۸۲) اور پاژندی متن معہ ترجمہ سنسکرت از فیروسینگ ، ویسٹ نے طبع کرایا ہے (اشقت گارت ۱۸۷۱ ع) ، موخرالذکر نے دونوں قسم کے متون کا انگریزی ترجمہ بھی کر دیا ہے (۱۸۷۱ اور ۱۸۸۵) ، اس صورت سے دوسری پہلوی کتب کے مقابلے میں اس کے مطالب پانی ہو گئے ہیں اور ہر شخص اسے آسانی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے ، نولڈیکی ” کارنامک ارتخ شتر پاکان “ کے ترجمہ میں ہدایت کرتا ہے کہ کتابی پہلوی سیکھنے کے لئے شروع کی سب سے بہتر کتاب یہی ہے —

اردہ ویرات نامک | یہ کتاب مشہور پہلوی کتابوں میں سے ہے ، اصل نسخے کو دیکھنا چاہیں تو

مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۸۷۲ ع مذگانی چاہئے ورنہ فرانسیسی اور انگریزی میں اس کے تراجم موجود ہیں ، کتاب کا مبحث مختصراً ” پارسی بہشت و دوزخ “ کہہ سکتے ہیں ۔ اردہ ویرات اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس میں ” ملعون سکندر روسی “ کے حلقے سے ملک کے مادی و مذہبی انتشار ، تیسری صدی عیسوی

میں سلاطین ساسان کے مذہبی و قومی احیاء اور حیات بعد الموت کی نسبت زرتشتی عقائد کا مفصل حال مذکور ہے۔ دوزخ کے بیان میں چینوت پل اور اسلام کے پل صراط میں جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے اور جسے بائون نے اپنے مشہور اشعار میں نظم کیا ہے اس قدر گہری مشابہت پائی جاتی ہے کہ اس مشابہت پر ذہن فوراً منتقل ہوتا ہے۔ اسلام کی حوروں کا زیادہ روحانی نہونہ بظاہر اُس خوبرو دوشیزہ میں پایا جاتا ہے جو نیک پارسی کی موت کے بعد اُس کی روح سے ملاقات کرتی ہے اور روح کے سوال پر اپنے آپ کو اُن نیک اعمال، نیک الفاظ اور نیک خیالات کا مجسمہ بیان کرتی ہے جو پارسی سے حیات دنیا میں سرزد ہوئے۔

ماتی گان گجستک ابالش	"سردود ابالش" کی کتاب کا حوالہ کئی بار آچکا ہے، سنہ ۱۸۸۷ ع میں بارتیلیمی

نے اس کو پاژندی، پارسیوں کی فارسی اور فرانسیسی ترجمے کے ساتھ چھاپا تھا، جاماسپ نامک مکمل تو پاژندی اور فارسی ترجمے ہی کی صورت میں موجود ہے جس میں ایران کے قدیم روایتی اور قصے کہانیوں کے بادشاہوں کے متعلق دلچسپ پرانی روایات و قصص موجود ہیں۔

اندرز خسروئے کواکان	اندرز میں وہ وصایا قلمبند ہیں جو نوشیروان بادشاہ (= افوشک ربان سنہ

۵۳۱-۵۷۸ ع) نے بستر مرگ پر اہل ایران کو خطاب کی تھیں، یہ کتاب ہے تو بہت ہی مختصر مگر اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ زالمان نے اپنی کتاب "فارسی متوسط پر مہامین" (میلانرز

ایشیاتیک جلد نہم صفحات ۲۴۲-۲۵۳، سینٹ پیٹرزبرگ (۱۸۸۷) میں ایک دلچسپ اور روشن مضمون کو اس پر مبنی کیا ہے اور اس میں دکھایا ہے کہ ایک پہلوی متن بلند آواز سے پڑھے جانے پر غالباً کس طرح مسجوع ہوتا ہوگا۔ یہ کتاب محققانہ طور پر پاژندہ لکھنے کی ایک قابل داد کوشش ہے۔

(۳) غیر مذہبی پہلوی متون، اس صنف کی کتابیں تعداد میں گیارہ اور ان کے مجموعی الفاظ ۴۱۱۱۱ ہیں، دلچسپی میں سب پر فائق ہیں لیکن مقدار میں سب سے کم۔ کچھ شک نہیں کہ ساسانی دور میں غیر مذہبی کتابیں بہ تعداد کثیر موجود تھیں لیکن ان میں سے اکثر، خصوصاً خدائے نامک یا سیرالہوک جس پر آئندہ فصل میں بحث کی جائے گی، ناپید ہو چکی ہیں اور اس وقت ہم صرف ان کے نام سے واقف ہیں یا ان کے جستہ جستہ مطالب سے اور وہ بھی ابتدائی زمانے کے فارسی و عربی لکھنے والے مسلمان اہل قلم کے ذریعے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اوستا کے محققانہ اور فلسفیانہ نسخوں یعنی ہاتک مان سربیک صفحہ ۱۶۹ بالا) کا پتہ نہیں اور اس کا سبب زرتشتی ہادیوں کی ان کتابوں کے ساتھ بے اعتنائی تھی جو ان کی ذاتی اغراض پوری نہیں کرتی تھیں۔ ساسانی دور کے قدیم مگر غیر مذہبی ادب کے حامل و نگراں زرتشتی ہادی تھے اور چونکہ اس سے بھی ان کے ذاتی مقاصد کی گراہ نہیں گھلتی تھی اس لئے یہ ادب بھی بہت کچھ تاف ہو گیا، باقی ماندہ کتابیں اس قدر کم ہیں کہ ان کے نام و حالات تفصیل کے ساتھ پیش کئے جاسکتے ہیں:-

(۱) ساسانی دور کے زرتشتیوں کے آداب معاشرت

(۲) یات کار زیروان' اسے شاہنامہ گشتاسپ اور پہلوی شاہنامہ بھی کہتے تھے' گائگر نے رسالہ "تاریخ و زبان" (جلد دوم بابت ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۴۳ - ۲۸۳) میں بزبان جرمنی اس کا ترجمہ کیا ہے، دو سال بعد فولڈیکی نے بھی اس رسالے* میں اس پر بحث کی —

(۳) خسروے کواتان (— نوشیرواں) اور اس کے غلام کا قصہ
(۴) کارنامک ارتخشتر پاپکان یا بانی آل ساسان ارد شیر بابکان کے کارنامے، کتاب بغایت دلچسپ ہے، اس کا پہلوی متن بظاہر بلا تنقید کے ۱۸۹۶ء میں کیقباد آذر باد دستور نوشیرواں نے مرتب کر کے بمقام بہمنی طبع کرایا تھا، لیکن پروفیسر فولڈیکی نے تلیقدی حواشی اور نہایت روشن مقدمے کے ساتھ ۱۸۷۸ء میں بمقام گوتنبرگ اس کو شایع کیا، شاہنامے کے ضمن میں ہم اس کتاب کا مفصل ذکر کریں گے + ساسانیوں کے تاریخی ناولوں میں ایک تو یہ کتاب باقی ہے اور دو اس سے قبل کی، اگرچہ دوسری ناولوں کے نام و مضامین کا حال عربی مصنفین مثلاً مسعودی، دینوری اور قابل قدر الفہرست کے مولف سے معلوم ہیں اور ایک کتاب یعنی داستان و وقایع بہرام چوبین کے سوا کے بعض اجزا فولڈیکی نے جا بجا سے فراہم

* فولڈیکی اس کتاب کو سنہ ۱۹۰۰ء کے قریب کی تصنیف

بتانا ہے —

+ بخمال فولڈیکی اس کی تاریخ تصنیف سنہ ۱۹۰۰ء کے قریب

کی ہے —

کر کے مرتب کئے ہیں (”ساسانیوں کی تاریخ“ ایڈن سنہ ۱۸۷۹ء صفحات ۴۷۴-۴۸۷) اس قسم کی باقی ماندہ کتابیں بہت چھوٹی اور یہ ہیں :-

(۵) بلاد ایران

(۶) عجائبات سجستان

(۷) درخت آسوریگ (آسوریہ کا درخت)

(۸) چترنگ نامک (شطرنج نامہ)

(۹) افشا

(۱۰) نکاح نامہ (اس کی تاریخ ۱۶ نومبر سنہ ۱۲۷۸ء سے

مطابق ہوتی ہے) اور (۱۱) مشہور فرنگ پهلویک ۷ یعنی

قدیم پهلوی پاژند فرہنگ جس کو سنہ ۱۸۷۰ء میں موشنگ

وہوگ نے بمبئی اور لندن میں طبع کرایا —

فارسی کا | زرتشتی ادب | ایرانی پارسیوں نے تصنیف و تالیف کی؛ اس

قبیل کی اہم تصنیفات حسب ذیل ہیں :-

(۱) زرتشت نامہ، نظم میں ہے، تیرہویں صدی میں

بہقام رے تصنیف ہوا —

(۲) صد در (صد ابواب) ایک قسم کا خلاصہ دین

زرتشت ہے، اس کے تین متن ہیں، ایک نثر میں اور دو نظم

میں، حصہ نثر قدیم ترین ہے —

(۳) علماے اسلام —

(۴) روایات یا مذہبی روایتوں کا مجموعہ —

(۵) قصہ سنجان (اسلامی فتوحات کے بعد پارسیوں کے ہند

میں وارد ہونے کا حال) —

(۶) پہلوی کتب کے متعدد فارسی ترجمے ویست نے ”لسانیات عجم“ کے ضمیمے میں (صفحہ ۱۲۲ - ۱۲۹) ان سب پر تنقید کی ہے —

جہاں تک ہم کو علم ہے زمانہ حال میں کرمان و یزد کے پارسیوں میں تعلیم و تعلم کا چرچا نہیں اگرچہ وہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے آپس میں گہری بولتے ہیں مگر جب مسلمان ایرانیوں میں جا بیٹھتے ہیں تو ان کی زبان اور فارسی میں تقریباً کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور ان کے خطوں کی تحریر تو بالکل مساجدوں کے طرز پر ہوتی ہے —

ساسانی دور میں صفحات ۱۹ لغایت ۲۵ میں یہ بحث گزر چکی ہے
نظم کا وجود کہ دور ساسانی میں یا تو نظم کا وجود تھا

ہی نہیں یا اگر تھا تو جہاں تک معلوم ہو سکا ہے اس کا آج ایک مصرع بھی نہیں ملتا —

اشارۃً بتاچکے ہیں کہ بعض معدوم پہلوی کتابوں کے اجزا بعض اسلامی اہل قلم خصوصاً اسلام کے ابتدائی زمانے کے عربی لکھنے والے مصنف مثلاً طبری، مسعودی، دینوری وغیرہ نے اپنی تصانیف میں محفوظ کر لئے ہیں، ان کا ماخذ پہلوی کے عربی تراجم تھے جن کو ابن المقفع جیسے ماہران عربی و پہلوی نے پورا کیا تھا۔ ترجموں کے ذخیر نام الفہرست میں درج ہیں لیکن مکمل ترجمہ جو ہم تک پہنچا ہے صرف ابن المقفع کا ترجمہ کلیلہ دمنہ ہے، یہ کتاب نوشیروان عادل کے عہد میں شطرنج کے ساتھ ہندوستان سے ایران پہنچے تھے

اور اسی بادشاہ کے لئے اس کا پہلوی میں ترجمہ ہوا - اسلام کے ابتدائی مصنفوں میں جو مسائل عجم سے پوری واقفیت رکھتے تھے، ارباب ذیل شامل ہیں :-

- ۱ - طبری (ت ۹۲۳* ت = فوت ہوا)
- ۲ - الجاحظ (ت ۸۶۹ ع)
- ۳ - الکسروی (ت ۸۷۰ ع)
- ۴ - بن قتیبہ (ت ۸۸۹ ع)
- ۵ - الیعقوبی (ت ۹۰۰ ع)
- ۶ - دینوری (ت ۸۹۰ ع)
- ۷ - مسعودی ، دسویں صدی کے وسط میں کُزرا ہے خصوصاً اس کی تصانیف مروج الذہب اور کتاب التبیئہ والاشرات میں اس قسم کا مواد موجود ہے —
- ۸ - حمزہ اصفہانی (ت ۹۶۱ ع)
- ۹ - البیرونی ، دسویں کے آخر اور گیارہویں کی ابتدا میں ہوا ہے —
- ۱۰ - البلاذری (ت ۸۹۴ ع)
- ۱۱ - محمد بن اسحاق ، مؤلف کتاب الفہرست ، (اواخر دسویں صدی) وغیرہ - فقط زیر بحث کے لحاظ سے فارسی کی اہم ترین کتابوں میں شاید بلعمی کا ترجمہ تاریخ طبری (۹۶۳ ع) ، معجل التواریخ جس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں اور شاہنامہ فردوسی ہے —

فصل چہارم

ایران کا ”قوسی افسانہ“

یہاں تک ہم ایران قدیم کی اصل تاریخ پر گفتگو کر رہے تھے اور ہمارا ماخذ کتبات تھے، سکے تھے یا مصنفین ماضیہ جن کی قداست و صداقت شبہ سے پاک ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خود اہل ایران اپنے قدیم سلاطین اور شاہی خاندانوں کی بابت کیا خیالات رکھتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں اُن کے ”قوسی افسانہ“ کی روئداد کیا ہے جو صورت ساسانی عہد سے حقیقی تاریخ کا ہم عنان ہو کر واقعات بیان کرتا ہے اور مشہور شاہنامے کی صورت میں اوج کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ شاہنامہ ایک مبسوط نظم ہے، عموماً ساٹھ ہزار ابیات پر مشتمل سمجھی جاتی ہے، فردوسی نے تقریباً چالیس سال کی کاوش سے سلطان محمود کے لئے اس کو ۱۰۱۰ ع میں ختم کیا تھا۔ اس جلیل القدر نظم کی ادبی حیثیت پر کسی آئندہ باب میں بحث کی جائے گی لیکن چونکہ اہل ایران اس کو آج بھی اپنی قوم کی قدیم تاریخ کا سرچشمہ مانتے ہیں اس لئے مناسب ہو گا کہ اس کی نوعیت و قداست کو اس جگہ مجمل تنقید کے حوالے کیا جائے۔ پروفیسر نولڈیکی نے شاہنامے کو

اس لحاظ سے اپنے مضمون ” ایران کا قومی افسانہ “ میں نہایت تحقیق و جامعیت سے کہنکالا ہے اور مضمون کو ” لسانیات عجم “ جلد دوم کے سوا علیحدہ بھی طبع کرایا ہے (تریب فر اسٹراس برگ ۱۸۹۶ ع) ، یہ پاکیزہ مضمون اس قدر مبسوط و مکمل ہے کہ غالباً اس مباحث پر علم اس سے آگے نہیں جا سکتا۔ ذیل کے مختصر بیان میں ، جو ” قومی افسانہ “ کے تاریخی پہلو کو پیش کرتا ہے یہ مضمون نہایت آزادی و بسط کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے —

شاہ نامہ قبل الاسلامی قاجداران عجم
شاہ نامے کے مضامین | نے چار خاندان پیش کرتا ہے (۱)

پیشدادی (۲) کیانی (۳) اشکانی (یا پارتھوی جو عربی میں ملوک الطوائف بھی کہلاتا ہے) اور (۴) ساسانی - ان میں سے پہلے دو خاندان بالکل غیر تاریخی ہیں اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اوستا کی کتھاؤں اور ہندی - ایرانی افسانوں سے تعلق رکھتے ہیں ، تیسرا خاندان ایک لحاظ سے تاریخی کہا جاسکتا ہے مگر اسماء ملوک کے سوا جو بے ترتیبی سے مذکور ہیں باقی حالات روایت کے حافظے سے اتر گئے ہیں ، البتہ اتنا یاد رہا ہے کہ سکندر اعظم اور اردشیر ساسانی کے درمیان کا وقفہ اشکانیوں کی حکومت کا زمانہ ہے - چوتھا خاندان اس اعتبار سے کامل طور پر تاریخی ہے کہ اس کے مالکان تاج رجال التاریخ ہیں اور ان کا حال صحت ترتیب کے ساتھ لکھا گیا ہے ، اگرچہ ان کے خصوصاً ابتدائی اورنگ نشینوں کے واقعات اور کار نامے افسانے کے رنگ میں

تو بے ہوئے ہیں —

پیشدادیاں | پیشدادی خاندان کا پہلا بادشاہ گیو سرث ،
اوستا کا پہلا شخص گیو سربتھ اور زر تیشیتوں

کا باوا آدم ہے ۔ وہ پہاڑوں میں ہون و باش رکھتا ہے ، تیندوے
کی کھال خود بھی پہنتا ہے اور اپنی قوم کو بھی پہناتا ہے ،
میدان کے درندوں کو مطیع بناتا ہے ، دیووں پر فوج کشی
کرتا ہے اور لڑائی میں اس کا بیٹا سپامک مارا جاتا ہے ،
آخر میں سی سالہ حکومت کے بعد وہ خود جاں بحق تسلیم اور
اس کا پوتا ہوشنگ (عربی اوشنج) اس کا جانشین ہوتا ہے ۔
ہوشنگ تخت سلطنت کو چالیس سال تک زینت بخشتا ہے ،
اتفاقاً چھماق سے آگ نکالنے کا گر اس کے ہاتھ آتا ہے اور اس
عظیم الشان انکشاف کی یاد گار میں جشن ” سدہ “ قائم کرتا
ہے ۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تھورث تاج شاہی سرپر رکھتا ہے ،
دیووں کو زیر کر کے ” دیوبند “ کا لقب حاصل کرتا ہے ، اور
دیووں کو اس شرط پر جان کی امان دیتا ہے کہ وہ اس کو فن
کتابت سکھائیں لیکن اس میں ایک خط پر بس نہیں کرتا
بلکہ اکتھی تیس زبانوں کی طرز تحریر سیکھتا ہے اور تیس
برس کے بعد تخت کو اپنے مشہور بیٹے جمشید کے لئے خالی
کردیتا ہے جو فسادات عجم میں اپنے پیشروں کی نسبت
زیادہ اہمیت رکھتا ہے —

جمشید | ابتدای زمانے کے عربی (یعنی عربی لکھنے والے)
مورخ جو بحالت اکثر ایرانی افسانوں کو سامی



اور بائبل کے قصوں سے منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، عام طور پر جمشید کو حضرت سلیمان بتاتے ہیں ۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو اہل ایران استخر کے تمام ہخامنشی کتبوں کو جمشید یا حضرت سلیمان سے منسوب کرتے ہیں ، اقتساب کی دلیل بظاہر اس سے زیادہ نہیں کہ یہ جلیل القدر عمارتیں تنہا قدیم انسانوں کے ہاتھ کا کام نہیں ہو سکتیں ، لہذا ان کا بانی خواہ کوئی ہو وہ اپنے قابو میں دیووں کی جماعت رکھتا تھا ۔ لیکن ہر شخص واقف ہے کہ دیو صرت دو بادشاہوں کے تابع فرمان تھے یعنی سلیمان اور جمشید کے ؛ لہذا سلیمان اور جمشید نے ان یادگاروں کو تعمیر کیا ۔ چنانچہ وہ پرسی پولس (استخر) کو تخت جمشید اور سائی رس کی قبر کو مسجد مادر سلیمان کہتے ہیں ؛ اسی طرح مرغاب کے میدان میں ایک چبوترہ سا بنا ہوا ہے جو تخت سلیمان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ مسلمانوں کے دور میں خود آتش پرستوں نے اس قسم کی تطبیقوں کی تائید کی تاکہ ان کے فائدوں کی نظر میں ان کی عزت بڑھ جائے اور ان کو وہی حقوق عطا کئے جائیں جو فیروز مند اسلام نے اہل کتاب مثلاً یہود و نصاریٰ کو دئے تھے جو خود تو قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن ایسی کتابوں کو مانتے تھے جنہیں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تسلیم کیا ہے ۔ ان میں سب سے زیادہ اہم لیکن جھوٹی تطبیق زرتشت کی ابراہیم اور اوستا کی صغ سے ہے ، صغ کی نسبت مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ حضرت ابراہیم پر فازل ہوئے تھے

اور اُن پانچ الہامی کتابوں میں سے ہیں، جو پانچ انبیائے کبار پر اُتری تھیں، باقی چار میں توریت، زبور یا مزامیر، انجیل اور قرآن پاک ہیں، اسی طرح ابن المہفح کے مثل تہام با خبر مصنف جانتے تھے کہ عجیبوں کی تہام تطبیقین غلط اور فرضی ہیں، بعینہ جس طرح ہم کو معلوم ہے کہ سر ولیم جونز کا سائی رس کو کیخسرو اور شیروہ کو زرخسبز کہنا غلط تھا چنانچہ ابن المہفح (دیکھو دینوری مرتبہ گرگاس صفحہ ۹) کا قول ہے ”جاہل اور نا تعلیم یافتہ ایرانی خیال کرتے ہیں کہ بادشاہ جم اور حضرت سلیمان بن داود دونوں ایک شخص ہیں، مگر یہ اُن کی غلطی ہے، حضرت سلیمان اور جم کے زمانے میں تین ہزار برس کا فصل ہے۔“ جدید تحقیق اس قول کی تائید کرتی ہے، جہشید کے آخر سے شید کو گرا دیں (کیونکہ یہ نام کا جزو نہیں ہے بلکہ لقب ہے جیسا خورشید کا شید جو اوستا کے ”خشثیت“ بمعنی اعظم، منور کا قائم مقام ہے اور اکثر گرا دیا جاتا ہے) تو جم رہ جائے گا اور وہی جم جو ہندوؤں کی دہومالا میں یہہ اور اوستا کے افسانوں میں یہہ کے نام سے مذکور ہے، اگرچہ اس ہندی - ایرانی فسانیات کے (بطل) کے حالات ہندوؤں کے افسانوں میں جدا ہیں اوستا میں جدا اور شاہنامہ میں جدا - ہندو کہتے ہیں کہ یہہ پہلا انسان فانی ہے جو اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم آخرت میں داخل ہوا اور پلوٹو (یونانی دیوتا) کی طرح تحت الثریٰ کا بادشاہ ہوا۔ اوستا کے الفاظ یہہ ہیں ”اچھے ریوڑوں والا پاکیزہ یہہ“ جو ویوی ہاؤ (یہ نام شاہنامے میں تو مفقود ہے

لیکن اسلام کے ابتدائی مورخین مثلاً دینوری اور طبری وغیرہ میں ویون جہان کی صورت میں آیا ہے اور اس کو ابن ایران یا ارفخشذ ابن سام یا شیم ابن نوح بیان کیا گیا ہے) کا بیٹا تھا اس کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اہرمزد کی ہدایتوں کو مغلوں کے پاس لے جائے مگر اُس نے انکار کر دیا ، اسی کو ”چوگوشہ درنہ“ تعبیر کرنے کے لئے مقرر کیا تھا تاکہ لوگ انرا مین یوش کی پھیلائی ہوئی سردی کی وبا سے محفوظ و مامون ہو جائیں - شاہنامے میں وہ ایک سلطان با جبروت کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے ، سات سو برس حکومت کرتا ہے ، انسان و طیور ، شیا طین اور پریاں سب اُس کے تابع فرمان ہیں ؛ لڑائی کے ہتھیار اور نوربافی کے آلات ایجاد کرتا ہے ، انسان کو جانوروں کا استعمال سکھاتا ہے ؛ رعایا کو پیشوں کے لحاظ سے تقسیم کرتا ہے ، مذہب کو جنگ سے اور زراعت کو صنعت سے جدا کر کے علحدہ علحدہ طبقے قائم کرتا ہے ، دیووں سے تعبیر کا کام لیتا ہے ، جواہرات ، فلزات ، عطریات اور ادویات کو رواج دیتا ہے ، جہاز تیار کرتا ہے ؛ اسلامی سلیمان کی طرح ہوائی تخت پر سوار ہو کر جہاں چاہتا ہے اُڑ کر چلا جاتا ہے اور آفتاب کے برج حمل میں داخل ہونے پر ۲۱ مارچ کو قومی تہوار نوروز کی بنیاد ڈالتا ہے - اس کے بعد جم کی قسمت پلٹا کھاتی ہے ، غرور اُس کو خدائی اعزاز کے دعوے پر مائل کرتا ہے اور وہ فاصب ضحاک کے ہاتھ سے مغلوب و قتل ہوتا ہے -

دھاک اوستا کے سانپ اڑی دھاک کا قائم مقام ہے ، بعد میں اس لفظ نے اڑدھاک

اڑی دھاک یا دھاک

اور پھر اڑدھا کا روپ لیا ؛ اس شخص کے شافوں پر دو سانپ نکلتے ہیں جو آدمی کا بھیجا کھا کر جیتے ہیں ، دیگر آریائی اقوام کے تین سروا لے ناگ کا یہ ایرانی قائم مقام ہے ۔ لیکن فردوسی ، جس کے زمانے میں فتوحات عرب کی یاد تازی اور قومی تنفر کا جذبہ ہر ایک سینے پر قابض تھا ، اس انسان کو ایک عرب کی شخصیت عطا کرتا ہے ، و کو س سے اور ہ کو ح سے بدل کر اس کا عربی نام ضحاک رکھتا ہے ؛ پھر اسے مادر و پدر کش ، ظالم اور شیطان کا خاص چیلہ بیان کیا جاتا ہے ، شیطان اس کو قدیم اور بے گناہ نبات خوری سے جو اس وقت تک رائج تھی حیوان خوری اور اس سے مردم خوری پر لگا دیتا ہے ۔ تقریباً ایک ہزار سالہ حکومت کے بعد جب وہ اپنے سانپوں کے لئے اور آدمی مانگتا ہے تو اس کی مصیبت زدہ رعایا سرکشی پر اُتر آتی ہے ، چونکہ سرکشی کی روح و رواں کاوائے آہن گرتھا اس لئے قومی جوش میں کاوہ کا چرمی پیش بند قومی آزادی کا پھریرا بن جاتا ہے ، پھر فریدوں (اوستا میں تہوئی تَوْنہ ، ہلدووں میں تہرائی تنہ) پسر آبتین جو تہمورت کی نسل اور کیانی تخم سے تھا اور کہیں چھپا پڑا تھا تھوندہ کر نکالا جاتا ہے ، وہ قومی تاج سرپر رکھ کر ضحاک کو شکست دیتا ہے اور زندہ پا بہ زنجیر کر کے اسے دماوند کی چوٹی کے قریب ، جو طہران کے شمال مغرب میں ایک عظیم مخروط کی صورت میں نظر آتی ہے ، ایک غار میں قید کر دیتا ہے ۔ اس کے بعد ایک عام جشن کے درمیان وہ شخص پر متمکن ہوتا ہے اور بڑی شان و شوکت ، انصاف

و معدلت کے ساتھ پانسو برس حکومت کرتا ہے یہاں تک کہ
لوگ اُس کو ان اشعار سے یاد کرتے ہیں :—

فریدون فرخ فرشتہ نہ بود
زمشک وز عنبر سرشتہ نہ بود
بہ داد و دہش یافت آن نیکوئی
تو داد و دہش کن فریدون توئی

با این ہمہ وہ خانگی نزاعوں کی تکلیف سے نہ بچ سکا ،
اس کے تین لڑکے تھے تینوں کی شادیاں سرو (البغدادی نے
شاہ نامے کے منثور عربی ترجمے میں اس کو سرو لکھا ہے) *
کی تین بیٹیوں کے ساتھ ہوئیں ۔ جب فریدون شادیوں سے
فارغ ہوا تو اُس نے اپنی وسیع سلطنت کو تینوں میں
تقسیم کیا ، سب سے چھوٹے بیٹے ایرج کو ایران (ایران شہر)
کا ملک ملا ۔ لیکن یہ حصہ شادابی اور آبادی کے لحاظ سے
سب پر فوق رکھتا تھا اس لئے فریدون کے بڑے بیٹے سلم اور
تور ایرج کی خوش قسمتی کو نہ دیکھ سکے ، حسد کی آگ سے
بھڑک اٹھے اور نامردانہ چال سے ایرج کا کام تھام کر دیا ۔
بیٹے کی لاش بوڑھے باپ کے پاس پہنچی تو اُس نے غم سے اپنا
حال برا کر لیا اور سلم و تور کے خلاف انتقام کا حلف اُٹھایا ۔
قتل ایرج کے بعد اُس کی بیوی ماہ آفرید سے
منوچہر

* کہمبرج والا نسخہ (64 ' Qq) اس اہم تصنیف کا
چودھویں صدی کا ایک عمدہ نسخہ ہے ، اس کے متعلق نولڈیکی
کی (Suabon) صفحہ ۷۷ حاشیہ ۲ ملاحظہ کرنی چاہئے —

لے کر اس نے شریو چچاؤں پر حملہ کیا ، اور ان کے سروں کو باپ کی خدمت میں بھیج دیا ۔ اس واقعہ کے کچھ دن بعد فریدوں نے عنان حکومت پوتے کے سپرد کی اور پھر دنیا سے رخصت ہو گیا ۔

افراسیاب | ایرانی افسانوں میں فریدوں کے تینوں بیٹوں کو ایرانی روایات کا سام حام اور یافث سمجھنا چاہئے۔ اس جنگ برادر کشی سے تور کی اولاد (= تورانیوں یا ترکوں) اور ایرج کے بیٹوں (ایرانیوں) میں عرصہ تک معرکہ آرائیاں رہیں ، تورانیوں کا ہیبت ناک سپہ سالار افراسیاب تھا ؛ ان لڑائیوں سے نہ صرف ایران کے افسانے سیستانی داستان | بلکہ ایران کی تاریخ کا جزو اعظم مرتب ہوتا ہے ؛ اور یہ وہ مقام ہے جہاں قومی مثنوی ایسے واقعات سے مالا مال نظر آتی ہے جن کا اوستا میں کوئی ذکر نہیں ہے اور جن سے سیستان و زابلستان کے ایک شریف خاندان کے مشاہیر یعنی فریہان ، سام ، زال ، رستم اور سہراب کا نام وابستہ ہے ۔ ان میں رستم کا رستم | پایہ سب سے بلند ہے ، صدیوں پر صدیاں گزر جاتی ہیں مگر وہ بقید حیات رہتا ہے اور کبکلاہان کیانی بالخصوص کیتباد ، کیکاوس اور کیخسرو پر جب کوئی بلا نازل ہوتی ہے تو وہ مدد کے لئے دفعۃً نمودار ہو جاتا ہے اور اُن کو بلا سے چھڑاتا ہے ، اس کا ایک گھوڑا رخس اُس کے دم کے ساتھ لگا رہتا ہے اور وہ قوی ہیکل پہلوانوں اور دیو زادوں کو بڑے بڑے معرکوں میں فیچا دکھاتا ہے ۔ آخر الامر جب وہ زرتشت

اسفندیار کے جنگجو حامی گشتاسپ (= وشتاسپہ) کے بیٹے

اسفندیار (اسفندیاد، اسپندیادات) کے قتل سے

ہاتھ رنگ چکتا ہے تو اپنے بھائی کی غدارانہ چالوں سے خود لقمہ

اجل بنتا ہے۔ اسپیگل کی راے* میں رستم کا اوستا کے صفحوں

میں نہ پائے جانے کا سبب یہ ہے کہ وہ ”مذہب حق“ کا دشمن

تھا اس لئے مصنفین اوستا نے دیدہ و دانستہ اس کا نام دبا دیا،

لیکن فولادیکی† کو اسپیگل سے اتفاق نہیں اور وہ اس راے کی

طوط مائل نظر آتا ہے کہ سیستانی روایت جس میں رستم و

آبے رستم کے کارناموں کا ذکر آتا ہے اس سے اوستا کے لکھنے والے

تقریباً یا مطلق بے خبر تھے۔ بہر کیف رستم کا ذکر آخر زمانے

کی پہلوی تحریروں میں صرف ایک یا دو جگہ آیا ہے اگرچہ

ساتویں یا آٹھویں صدی عیسوی میں آرمینیہ کا موسیٰ

خوریثی رستم کے جلیل القدر کارناموں سے اپنی واقفیت کا

اظہار کرتا ہے اور اسی زمانے کے قریب عرب حملہ آوروں کو

سیستان‡ میں رستم کا اصطبل بھی بتایا گیا تھا۔ اس کے

سوا قاسمیہ کی ہولناک لڑائی (سنہ ۶۳۵ ع) میں جس نے

کیانی تاج عربوں کے حوالے کر دیا، ایران کا سپہ سالار رستم کا

ہمنام تھا جو مغلوب اور قتل ہوا۔

بہمن آرتا زرخسیز | رستم کی موت پر شاہنامے کے کیانی افسانہ

لونگی سے نس | آمیز حالات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ اسفندیار

پسر گشتاسپ اپنے بعد اپنا بیٹا بہمن (یا و ہمنو) چھوڑ جاتا

ہے جو اپنے دادا کا جانشین ہوتا ہے۔ کچھ مدت بعد جب قومی

* دیکھو ”مطالعہ“ صفحہ ۱۴۶ + ”مثنوی عجم“ صفحہ ۹

† ”مثنوی عجم“ صفحہ ۹

افسانہ پھر مرتب ہوا تو آرتا زرخسیر (ارتخشتر، ارد شیر) کے لونگی سے نس (دراز دست*) کے نام سے مذکور ہونے لگتا ہے، اس کا حال اس وقت کسی سریانی مصنف سے لیا گیا جس نے یونانی ماخذوں سے کام لیا تھا۔ پھر حال ارد شیر مجوسی رسم کے مطابق اپنی ہمشیر خومانی

خومانی

(ہومائے) کو اپنی زوجیت میں لایا، اس کا بیٹا

دارا اس کی موت کے بعد پیدا ہوا۔ ارد شیر کے

دارا

بعد خومانی کے بھائی ساسان کو وارث تخت و

ساسان

تاج کی امید تھی مگر جب اس کو معلوم ہوا کہ

دارا کے بلوغ تک اس کی بہن یعنی دارا کی ماں سلطنت کا

انتظام کرے گی تو وہ صدمے کے مارے پہاڑوں میں چلا گیا اور

کردوں کے ساتھ مل کر گذریا ہو گیا۔ اہل ایران کا عقیدہ ہے

کہ ساسانی بادشاہ اسی کی نسل سے ہیں اور آل ساسان کو

وہ کیانیوں کے جائز وارث اور فرکیانی کو زندہ کرنے والے

مانتے ہیں۔ اس خاندان کے بانی ارد شیر بابکان (ارتخشتر ابن

پاپک) کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ساسان (پسر بہمن

پسر گشتاسپ مربیء زرتشت) کی چھٹی پشت میں تھا۔ غرض

اس قسم کا نسب نامہ بیان کر کے ثابت کرنا چاہا کہ وہ ایران

کے علی الاستحقاق بادشاہ اور حامی دین زرتشت ہیں اور یہ

حیثیت سوائے ایک دو کے ہر ساسانی بادشاہ نے قائم رکھنے

کی کوشش کی —

* مثنوی معجم صفحہ ۱۲ اور حاشیہ (۳) دغیرہ —

† دغیرہ صفحہ ۲۹ —

سکندر کا قصہ | ہم دیکھ چکے ہیں کہ ”قومی افسانہ“ میں
پارتھویوں (آشکانیاں یا ملوک الطوائف) کا تذکرہ

برائے نام ہے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قومی افسانہ کے
رو سے ایرانی حکومت کی عنان دارائے ثانی کے ہاتھ سے نکل کر
فوراً تاج پوشان ساسانی کے ہاتھوں میں آگئی ہوگی۔ مگر اس
مقام پر ایک اجنبی واقعہ ”افسانہ سکندر“ کے نام سے سر
ابھارتا ہے، اس افسانے کا اصل ماخذ تو فرضی کیلس تھنیز
کا گم شدہ یوڈنی متن ہے مگر ایشیا میں اس کے تراجم سریانی،
مصری، حبشی * عربی اور جدید فارسی زبان میں موجود
ہیں۔ عجیبی افسانوں میں سکندر کی قسمت کا عجیب حشر
سکندر زرتشتی | ہوا ہے۔ خالص زرتشتی روایت مثلاً
روایت میں | پہلوی اردہ ویرات نامک + میں وہ

”مردود سکندر روسی“ کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اور شیطان
کے ایما سے ایران کو ویران کرتا ہے، استخر اور اہل ایران کے
سرمایہ ایماں یعنی زرتشت نامہ کو جو بارہ ہزار † بیلوں کی
مدبوغ کھالوں پر آب زر سے فوشہ ستاخر پاپکان کے دفاتروں
میں محفوظ تھا بلا کر خاکستر بناتا ہے اور آخر میں ”خود کشی
کر کے جہنم واصل ہوتا ہے“ —

* کتاب سکندر از بیج —

+ مرتبہ ہوگ ویسٹ صفحہ ۴ اور ۱۱۴

† کتاب التذہیہ مسعودی صفحہ ۹۱

سکندر شاہد امے میر | بعد کے زمانے میں اہل ایران نے جن میں
فردوسی بھی داخل ہے سکندر اعظم کو

اپنے بادشاہوں کی فہرست میں منساک کرلیا ، اس کا ایک
سبب تو یہ تھا کہ ان کو فرضی کیلس تھی نیز کے افسانے کے
خوبصورت واقعات بہت پسند آئے اور دوسرا یہ کہ سکندر کی
تلوار سے ان کے قومی افتخار کو جو زخم پہنچا تھا اُس کو وہ
مزمحل کرنا چاہتے تھے ۔ ہماری تاریخ میں ولیم فاتح اُس
خواہش کی مثال ہے یعنی انگلستان کے قدیم مورخوں نے ولیم کو
بھی اپنے فرمانرواؤں میں شامل کرنا چاہا تھا ، بھرکیف اہل
ایران نے واقعات گھڑ کر سکندر پر اس طرح قبضہ کیا

فیلقوس مقدونی کی بیٹی دارائے اول کی زوجیت میں
آئی ، بعد میں جب وہ اپنی بیوی سے ناراض ہو گیا تو اسے
طلاق دیکر باپ کے گھر بھیج دیا ، واپسی پر اُسکے بطن سے
سکندر پیدا ہوا جو فی الحقیقت دارا کے صلب سے تھا ، لیکن
فیلقوس چونکہ اس اہانت کو لپیٹنا چاہتا تھا جو ایرانی
تاجدار کی طرف سے اس کی بیٹی پر عائد ہو چکی تھی اس
لئے اس نے یہ مشہور کیا کہ سکندر میرا بیٹا ہے اور میری
ایک بیوی کے بطن سے پیدا ہوا ہے ۔ پس جس وقت سکندر نے
اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی دارائے ثانی سے ایران کی سلطنت
چھینی تو گویا بڑے بھائی اور ولیعہد کی حیثیت سے اس نے
اپنا وہ حق واپس لے لیا جس کا وہ پہلے سے حقدار تھا ، اس
صورت سے ایرانی قدیم سلاطین پیشدادی و کیانی کے پر عظمت
دور کو سکندر کے نام سے ختم کر دیتے ہیں ۔ سکندر کا تیسرا

قصہ سکندر نامہ نظامی (بارہویں صدی) میں درج ہے ،
یہاں اس کو ایک پر اسرار شخص ذوالقرنین سے مطابق
کیا گیا ہے جو حسب تعلیم قرآن موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر
تھا (اگرچہ بعضوں کے نزدیک وہ خود ہی موسیٰ تھا) اس
سکندر نامہ کے دانا اور خدا ترس معلم ارسطویا ارسطاطالیس
کا سکندر کی تعلیم کے اثر سے وہ ایک اعلیٰ قسم

کا موحد بادشاہ بن گیا تھا اور کافر ایرانیوں کے جھوٹے
عقائد کی بیخ کنی پر قتل کیا تھا ۔ سکندر کے متعلق یہ
مختلف خیالات ذہن نشین رکھنے چاہئیں ۔ اور ان کے ساتھ یہ
واقعہ بھی کہ ایرانیوں کے قومی حافظے سے سکندر کی یاد
حقیقتہً محو ہوئی ہے اور اس کی دارا کے ساتھ اس کا ذکر
ایک اجنبی مآخذ سے لے کر کیا گیا ہے ، ان کے قومی حافظے
میں سا ۔ نیوں کے عہد سے پہلے کا کوئی واقعہ محفوظ نہیں رہا ۔

پارتھوی دور
ہے کہ عجیبی وقائع میں اُن کا حال نہ صرف

مختصر ہے اور بے رغبتی سے لکھا گیا ہے بلکہ ایرانی اور عرب
مورخوں نے سکندر کی موت اور ساسانیوں کے عروج کے
درمیان ان کے عہد کے ۵۵۰ سال کو عادتاً گھٹا کر ۲۲۶ کر دیا
ہے ۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں اس مغالطہ
آسیز اور خود ساختہ تاریخ کی لغویت اور اس کا سبب یہ
بہان کیا ہے • ۔ جب اردشیر بابکان نے ۲۶۶ ع میں یعنی

سکندر کے ۵۵۰ برس بعد آل ساسان کی بنا دالی تو تھام ملک
 [میں ایک عام پیشین گوئی کشت لگا رہی تھی کہ زرتشت کے
 ایک ہزار سال بعد ان کا دین اور ایران کی سلطنت تباہ
 ہو جائے گی۔ زرتشت کا زمانہ سکندر سے ۲۸۰ یا ۳۰۰ برس
 قبل سمجھا جاتا تھا اس حساب سے اس وقت تک تقریباً ۸۵۰
 سال گزر چکے تھے ارد شیر کو خوف ہوا کہ مبادا پیشین گوئی
 (بظاہر ارد شیر کو اس پر پورا یقین نہ تھا ورنہ وہ اس رد و
 بدل سے کیا امید کر سکتا تھا) عوام میں ہل چل ڈال کے اپنے آپ
 کو پورا نہ کر دے اور اس کے خاندان کو عرصہ دراز تک حکومت
 کا موقع نہ مل سکے لہذا اس نے جان بوجہ کر اس مدت میں
 سے کوئی تین سو سال خارج کر دیے اور مشہور کیا کہ ایک ہزار
 میں سے اس وقت تک صرف ۵۶۶ سال گزرے ہیں، اور اس
 کی اولاد کو ابھی ۴۴ سال تک اور حکومت کرنے کی گنجائش
 ہے؛ اور واقعہ یہ ہے کہ ساسانی دور رہا بوی اتنی ہی مدت
 کیونکہ آخری شاہ ساسان یزد گرد سوم ۴۵۱ - ۴۵۲ میں قتل
 کیا گیا۔ مسعودی نے اس تاریخ میں اس حیوت انگیز
 کذب آمیزی کو ایک ”سیاسی و مذہبی راز“ بیان کیا ہے۔ ارد شیر کا
 اس دروغ کو فروغ دے سکنا اس امر کا ثبوت ہے کہ سرکاری کاغذات
 اور فنِ نوشت و خواند کس قدر کامل طور پر مذہب و دوات
 کے ہاتھ میں تھا —

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ساسانیوں کے آغاز سے قومی ”افسانہ“
 اصل تاریخ کی اقلیم میں قدم رکھتا ہے اور جس قدر آگے بڑھتا
 جاتا ہے مستقل طور پر تاریخ بنتا جاتا ہے، اگرچہ فرضی قصے

اور جھوٹے واقعات بھی آزادی کے ساتھ اس کے دامن سے لپٹتے رہتے ہیں۔ چونکہ ساسانیوں کی بحث آئندہ باب کے لئے مخصوص ہے اس لئے ہم اس کو یہیں چھوڑتے ہیں اور ”قومی افسانہ“ کی تاریخی حیثیت اور اس کی قدامت کی بحث شروع کرتے ہیں —

قومی افسانہ کی | اوستا میں شاہنامے کے مشاہیر ابطال کے
تاریخ و قدامت | حوالے کافی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ
اول الذکر کی تصنیف کے وقت تک ”قومی افسانہ“ کے ضروری
خط و خال موجود تھے۔ لیکن ان کی قدامت کی صرف یہی دلیل
فہمیں کیونکہ فولادیکی نے ثابت کیا ہے کہ یونانی مورخوں نے
قدیم سلاطین عجم کے جو حالات لکھے ہیں ان میں ”قومی
افسانہ“ کے بعض اجزا مغلوٹ ہیں خصوصاً مورخ تھسی آز کے
صفحوں میں جو ارد شیرینوں کا درباری طبیب تھا اور جس
نے اپنی تاریخ کو یقیناً ایرانی ماخذوں سے مرتب کیا ہے۔ اس
کے سوا ”قومی افسانہ“ کے یہ اجزا بار بار اعادہ کرتے ہیں اور
ایک بادشاہ بلکہ ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل ہوتے ہیں،
مثلاً ہخامنشی خاندان کا پہلا بادشاہ سائی رس جب میدیوں کے
خلاف جد و جہد کر رہا تھا تو اس کی ابتدائی اور لڑکپن کی
سہمیں جن حالات سے گھری ہوئی تھیں وہ ان حالات سے بغایت
مشابہ ہیں جو آل ساسان کے پہلے بادشاہ ارد شیر کو پارتھیوں
کے مقابلے میں پیش آئے۔ ذیل کے قصوں میں اسی طرح کی قابل
ذکر مماثلت پائی جاتی ہے۔ اول سیمرغ یا ہما کا (جو ان سب
قصوں میں ایک عظیم شاہی پرنس ہے) بادشاہ ہخامنشی زال

اور اردشیر کی حفاظت کے لئے فہودار ہو جانا“ دوسرا بلند پایہ خاندان قارین کے دو شخصوں کا جو نوڈر کیانی اور پیروز ساسانی کو تورانی دشمنوں کے چنگل سے بچانے کے لئے اسی طرح ہر وقت پہنچ جانا جس طرح داراے نوپائی رس اور پیروز آخسندار کے قصے کے اشخاص پہنچتے ہیں —

سکندر کی تاریخ میں سے جو اس کے حاجب کرس ساکن متی لینی نے لکھی تھی، گشتاسپ کے بھائی زیری ایتدیز اور شہزادی آداتس کا قصہ آج تک باقی ہے اور مورخ ایتھی فی اس کے ذریعہ سے ہمارے پاس پہنچا ہے، یہی قصہ پہلوی کی سب سے پرانی داستان یات کار زریوان (صفحہ بالا

یات کار زریوان ۱۸۶) کا موضوع ہے جو ۵۰۰ عیسوی کے قریب تصنیف ہوئی تھی یہ کتاب ضخامت میں چھوٹی لیکن اہمیت میں بیش بہا ہے اور فارسی زبان میں قدیم ترین ہے لیکن اس میں ”قومی افسانہ“ کے سچے اجزا پائے جاتے ہیں، اگرچہ وہ اس کے صورت ایک قصے سے بحث کرتی ہے لیکن وہ سر بسر ناظرین سے توقع کرتی ہے، وہ ”قومی افسانہ“ کے پورے سلسلے سے آشنا ہیں، فولڈیکی نے لکھا ہے — :

”یا تو ہم سر تا پا دھوکے میں ہیں یا اس کتاب میں ایک بات نظر آئی ہے جس کا ظہور ہم مختلف قوموں کے تاریخی فسانوں میں بھی دیکھتے ہیں: قصے سب کو معلوم ہوتے ہیں، انکے بعض حصوں کی فصاحت و تخیل کی مدد سے

طوں دیا جاتا ہے ؛ پھر حذت و تخلیط‘
 انتخب و بیوند اور اصلاح و ترمیم کی
 بدولت ان واقعات سے ایک مربوط اور
 جامع داستان طویل پیدا کی جا سکتی
 ہے۔ افسانہ زریں کی ضروری خصوصیات
 طبری کے مختصر ترجمہ عربی میں
 دوبارہ نمودار ہوتی ہیں اور طبری
 کا بیان شاہنامے کے بالہقابل حصے سے
 تہام و کمال مطابق ہوتا ہے بلکہ بعض
 مقامات پر لفظی مطابقت بھی موجود
 ہے ، لہذا افسانہ مذکور کا ماخذ عام
 قدیم روایات ہیں جو ” افسانہ اعظم“
 کی بنیاد میں بھری ہوئی ہیں —

اصلاح و ترمیم سے جیسا کہ ذوالذہبی خود بیان کرتا ہے
 ایسی تبدیلیاں مقصود ہیں جو ایک طویل افسانے کے
 مختلف قصوں کو باسلوب احسن آپس میں ضم کرنے کے لئے کی
 گئیں۔ فردوسی کے شاہنامے اور اسی افسانے کی دوسری صورتوں
 میں ان تبدیلیوں میں ایسے الفاظ اور خصوصیات کا حذت بھی
 شامل ہے جو مسلمان ناظرین کے لئے ناگوار خاطر تھی —

” قومی افسانے“ کے سائنسی حصے کا ایک پہلوی قصہ کارنامک
 ارتخشتر پاپکان کے نام سے باقی ہے ، یہ کتاب اب شائع ہوگئی
 ہے ، اصل اور اس کا جرمن ترجمہ (۱۸۶ صفحہ بالا) دونوں
 متداول ہیں۔ شاہنامہ سے اس کا مقابلہ ، جو آئندہ باب میں

کیا جائے گا ، فردوسی کی دیانت کے متعلق ہماری رائے بہت بلند کر دیتا ہے ، اس نے اپنے ماخذوں کی ایسی اچھی طرح پیروی کی ہے کہ سر بسر واقعہ سے واقعہ ملتا چلا جاتا ہے کار نامہ غالباً ۶۰۰ عیسوی کے قریب تالیف ہوئی ہوگی ، ساسان ، پاپک اور اردشیر کے بیان میں سورخ آگے تھی اس (۵۸۰ ع) نے جو فارسی زبان میں لکھی ہوئی تاریخ بادشاہی کا حوالہ درج کیا ہے اس سے مزید ثبوت ملتا ہے کہ اس دور کے پہلوی ادبیات میں ” قومی افسانہ “ کے کم از کم انفرادی قصے ضرور موجود تھے —

شاہنامہ کی پہلوی | تیمور کے پوتے ہمسفر (۱۴۲۵)
 میں آخری نظر ثانی | (۱۴۲۶ ع) کے حکم سے شاہنامہ فردوسی
 کے شروع میں ایک مقدمہ منسلک کیا گیا تھا ، اس میں لکھا
 ہے کہ ساسانیوں کے آخری بادشاہ یزد گرد سوم کے عہد میں
 دہقان وانشور نے کیوسوٹ سے خسرو پرویز تک (۶۲۷ ع تک)
 ” قومی افسانہ “ کا مکمل اور صحیح شدہ پہلوی متن
 تیار کیا تھا ، فولدیکی نے اس پر یہ تنقید کی ہے کہ بجائے
 خود اس بیان کی قیمت خواہ کچھ قرار دی جائے لیکن
 خسرو پرویز کے واقعہ وفات تک عرب مورخین اور شاہنامے
 کے بیانات کی باہمی مطابقت اور اس واقعہ کے بعد سے ان کا
 باہمی سخت اختلاف یہ ثابت کرتا ہے کہ اس خاص لحاظ سے
 مقدمہ صحیح ہے ، مزید برائیں اس میں قوم پرستی کا جوش
 اور جائز حقوق کی حمایت کا رنگ پھیلا ہوا ہے اور ان
 باتوں سے کافی طور پر عیاں ہوتا ہے کہ یہ کتاب سرکاری

نگرانی اور شاہی سرپرستی میں تدوین ہوئی تھی —

اس پہلوی کتاب کا نام خدائے نامہ (نامک) ہے ، خہرہ اور مؤلف فہرست جیسے عرب مصنفوں نے اس کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے اور آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ابن المقفع نے اس کا عربی میں بھی ترجمہ کیا ، اس طرح وہ ادبیات کے عرب کے دائرہ میں عام طور پر معروف ہو گئی لیکن شومی پہلوی شاہنامہ کے | بخت سے ابن المقفع کا ترجمہ آج عربی اور فارسی ترجمے | ناپید ہے ۔ اسی طرح اور فارسی نثر کا وہ ترجمہ بھی ہم تک نہیں پہنچا جو (۹۵۸ - ۹۵۷) میں ابو منصور معمری نے حاکم وقت ابو منصور بن عبدالرزاق کے لئے ہرات ، سیستان ، شاپور اور طوس * کے چار زر تشتیوں سے کرایا تھا ، ۔ فارسی کے منظوم شاہنامہ کا قالب زیادہ تر اسی کتاب سے تیار ہوا ہے ، شاہنامہ سب سے پہلے دقیقی نے سامانی شہزادہ فوح بن منصور (۹۷۶ - ۹۹۷ ع) کے لئے شروع کیا تھا لیکن عہد گشتناپ اور ظہور زرتشت کی نسبت صرف ایک ہزار شعر لکھنے پایا تھا کہ اس کو ایک تر کی غلام نے قتل کر دیا ، یہ فردوسی کی قسمت میں تھا کہ جس کام کو دقیقی نے شروع کیا تھا چند سال کے بعد وہ اس کو پورا کرے اور دقیقی کے اشعار ملا کر تقریباً ساٹھ ہزار بیتوں میں ” قومی افسانہ “ کا مرقع تکمیل اور خاتمہ

* دیکھو آثارالباقیہ البیرونی مترجمہ زخاؤ ، صفحہ ۱۱۹

اور ۴۵ ، ” مثنوی عجم “ از نولدکی صفحہ ۱۴ - ۱۵

کو پہنچا دے - جدید ادبیات ایران کی بحث میں ہم دقیقہ اور فردوسی کی طرف دوبارہ متوجہ ہوں گے اس لئے باب ہذا میں ان کے متعلق زیادہ صراحت کی ضرورت نہیں ، صرف اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ شاہنامہ قومی افسانہ کی آخری اور وزمیدہ مثنوی کی صورت ہے -



چوتھا باب

۴

دور ساسان (۲۲۹ - ۶۵۲ م)

اس باب میں نہ تو یہ مناسب ہے اور نہ ممکن کہ ساسانیوں کی مفصل تاریخ بیان کی جائے لیکن ان کا زمانہ اس قدر اہم اور دلچسپ ہے کہ اس کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس دور کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں ملک پرانی حالت سے نکل کر نئی حالت میں داخل ہوتا ہے ، مگر دونوں حالتوں سے بخوبی روشناس رہتا ہے ۔ فرّ ہخامنشی کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے لیکن تاریخی روشنی اس دور سے کہیں زیادہ اس پر پڑتی ہے اور یہ وہ روشنی ہے جس کا منبع صرف اُس زمانے کے کتبات ، سکے ، مہر اور ملکی مرقومات (جو عرب اور ایرانی مورخ اور افسانہ نگاروں کے ہاں محفوظ ہیں) ہی نہیں بلکہ بزنطی ، شامی ، ارمنی اور یہودی تحریریں بھی ہیں ۔ آل ساسان وہ فرمانروا تھے جن کو یونانیوں نے خسرو اور عربوں نے کسری (جمع اکسرو) کا لقب دیا تھا ، جو ایران کی دوات قدیم اور زرتشت کے

” بہ دین “ کو زندہ کرنے والے تھے اور جن کی نسبت مسعودی (۹۵۶ ع) اپنی کتاب التذبیہ والاشراف کے دیباچہ صفحہ ۶ میں لکھتا ہے :—

” ہم اپنی اس کتاب میں ان مہالک کے بیان پر ہی اکتفا کرتے ہیں کیونکہ شاہان عجم کی مہلکت نہایت وسیع ، ان کی حکومت نہایت قدیم اور بادشاہت مسلسل تھی ، ان کا نظم و نسق اعلیٰ ، ان کا اصول عمل باقاعدہ اور ان کا علاقہ خوش حال تھا ، وہ اپنی رعایا کی خبر گیری کرتے تھے اور سلاطین عالم ان کے حلیفان اطاعت شعار تھے ، اور ان کو خراج ادا کرتے تھے ، اسی طرح ان کا تسلط اقلیم چہارم پر بھی تھا جو بابل کی اقلیم اور کرۂ زمین کا وسط ہے اور ہفت اقلیم میں سب سے عمدہ ہے “

کتاب مذکور کے صفحہ ۳۷ میں ایک شاعر کے اشعار نقل ہیں جو مسعودی کی طرح رطب اللسان ہے ، اگر چہ یہ شاعر تصنیف میں عربی زبان سے کام لیتا ہے لیکن اپنے آپ کو فخریہ طور پر ایران کے شاہی خاندان سے منسوب کرتا ہے ، اشعار یہ ہیں :—

وقسمنا ملکنا فی دھرنا اپنے زمانہ میں ہم نے اپنی سلطنت کی تقسیم کی —

قسمۃ اللحم علی ظهر الوضی جس طرح تم ہتھی پر گوشت
کے ٹکڑے بناتے ہو

فجعلنا الشام والروم الی یونان اور شام ان ملکوں تک
مغرب الشمس سلم جہاں سورج دیور میں غروب
ہوتا ہے سلم کو دیا

و لطوج جعل التریک لا اور طوج کو ترکوں پر حکمران
بنایا جہاں

فبلاد التریک یحویہا ابن عم ہمارا ابن عم ابھی تک
فرمانروائی کرتا ہے

ولا یران جعلنا عنوة اور فارس کو ہم نے بزور
ایران کا ملک بنا دیا

فارس الہاک وفزنا (ورفا) بالنعیم جہاں سے ہم کو ابھی تک
برکتیں حاصل ہوتی ہیں —

ساسانی بادشاہوں | ذکر کیا جا چکا ہے کہ ساسانی بادشاہ
کا ربانی وجود اپنے آپ کو ”دیوتا“ یا ”ربانی وجود“

(پہلوی بخ، کلدانی الاہا اور یونانی تھیاس) کہتے تھے اور
قدیم کیانی خاندان ان کی اولاد ہونے کے علاوہ اپنے آپ کو
حکومت و ”فرکیانی“ کا جائز وارث سمجھتے تھے اور اپنا
علو، منصب ہر ممکن ذریعے سے رعایا کے دلوں میں جاگزیں
کرتے تھے۔ ”فرکیانی“ ایک طرح کا ”سکینہ“ یا ”اسہانی حق“
کی ایک مادی صورت تھی اس کی وجہ سے صرف آل ساسان
کو عجمی تاج پہننے کا حق حاصل تھا۔ ساسانیوں کے خاندان
میں اس کے منتقل ہونے کی نسبت ہم عنقریب ایک عجیب

روایت درج کریں گے ، یہاں سیوت رسول اللہ مرتبہ ابن
ہشام (مرتبہ وستن فیملڈ کا صفحہ ۱۴۲) سے ایک اقتباس نقل
کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ اپنا دبدبہ کس طرح
قائم رکھتے تھے —

” کسری (یہاں خسرو انوشیروان
ساسانی شکوہ مراد ہے) اپنے تخت والے “ ایوان
عام میں جلوہ آرا ہوتا جہاں اس
کا تاج تھا ، لوگ بیان کرتے ہیں
کہ تاج ایک بڑے قنقل کی مانند تھا
اور اس میں یاقوت زبرجد اور موتی
سونے چاندی میں جڑے ہوئے تھے ۔
یہ تاج شاہی نشست گاہ کی ایک
محراب سے سونے کی زنجیر کے ذریعہ
لٹکتا رہتا تھا ۔ بادشاہ کی گردن
تاج کا بوجھ سہار نہ سکتی تھی اس
لئے وہ کپڑوں میں لپیٹ کر دیوان
میں جاتا اور تاج کے فیچے بیٹھ کر
جہاں اس کی نشست گاہ تھی تاج
میں اپنا سر داخل کر لیا کرتا تھا ۔
جب بادشاہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ
جاتا تو کپڑے ہٹا دئے جاتے ، جس
شخص نے بادشاہ کو پہلے کبھی نہیں
دیکھا تھا وہ اس کو دیکھتے ہی

مرعوب ہو کر گھٹنوں کے بل تعظیم
بجا لاتا تھا۔“ —

”آسمانی حق“ کا ”آسمانی حق“ کا عقیدہ جس تعظیم اور شد و مد کے ساتھ ایران میں پالا گیا ہے	ساسانیوں کے عہد میں بادشاہوں کے مسئلہ ایران میں

غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی،
شاہی خاندان کے علاوہ کسی متنفس کی مجال نہ تھی کہ وہ
شاہی لقب اختیار کر لیتا، اس کی جرأت زعم و شرارت کا
ایک ایسا فعل سمجھا جاتا تھا جو بالائے فہم بلکہ بالائے وہم
ہوتا، فولتیکہ نے باغی سردار بہرام چوبین اور غاصب شہر براز
کے حوالوں میں اس خیال کی تصریح * کی ہے۔ دنیوری نے
(صفحہ ۹۸) خسرو پرویز اور اس کے معارفان بزنطینی کے
مقابلے میں بہرام چوبین کی شکست و فرار کا ایک قصہ
لکھا ہے جس میں خاص طور پر اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ
”آسمانی حق“ کی بابت اہل ایران کا خیال کیا تھا: —

بہرام چوبین کا قصہ	”اور بہرام چوبین سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا، راستے میں اسے ایک بستی ملی

یہاں وہ اُتر پڑا اور اپنے ہمراہیوں
سروان سینہ و یزداں گشتاسپ کے
ساتھ ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں
تھرا، اس کے بعد انہوں نے کچھ کھانا

* تاریخ عہد ساسانی صفحہ ۳۸۸ اور حاشیہ ۷ صفحہ ۴۷۷

نکالا جو اُن کے ساتھ تھا، خود کھایا اور بچا گچا بڑھیا کو دیدیا، پھر شراب نکالی اور بڑھیا سے کہا، ”بڑی بی تمہارے پاس پینے کا کوئی برتن نہیں ہے۔“ اس نے جواب دیا ”ایک چھوٹا سا گھپا تو ہے۔“ چنانچہ وہ گھپا لائی، انہوں نے اس کا ایک سرا کات کے شراب کا پیالہ بنایا اور اس میں سے نوشی شروع کر دی۔ پھر کچھہ نقل اور میوہ نکالا، اور بڑھیا سے کہا، ”بڑی بی تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں میوہ رکھ کر کھاؤں؟“ بڑھیا ایک چھاج اُٹھا لائی، جس میں انہوں نے اُلت دیا، بہرام نے حکم دیا کہ بڑھیا کو بھی شراب دی جائے، پھر بہرام بولا ”کہو بڑی بی کیا خبریں ہیں؟“ بڑھیا نے جواب دیا کہ ”آج کل تو یہ خبریں آرہی ہیں کہ کسریٰ یونانی فوج کے ساتھ بڑھا تھا اور بہرام سے لڑا تھا، اب اس کو زیر کر کے اپنی سلطنت پر دوبارہ مسلط ہو گیا ہے۔“ بہرام نے پوچھا ”بڑی بی بہرام کی بابت تمہارا کیا خیال ہے؟“

بڑھیا نے کہا ”بہرام احق ہے“ شاہی
 خاندان سے اسے کوئی تعلق نہیں اور
 پھر بادشاہی کا دعویٰ کرتا ہے۔“ بہرام
 بولا ”جب ہی تو وہ گھپے میں شراب
 پیتا ہے اور چہاج میں میوہ کھاتا ہے۔“
 یہ ایرانیوں کا ایک مقولہ ہو گیا اور
 وہ اس کو ضرب المثل کے طور پر نقل
 کرتے ہیں۔“

بعد کے زمانے میں اس | بذات خود ہم گوبی نیو کے اس خیال کو
 مسئلہ کا اثر | تسلیم کرتے ہیں کہ ”آسمانی حق“ کی
 تعلیم نے ایران کی تمام آئندہ تاریخ پر نہایت وسیع و وسیع
 اثر ڈالا۔ مذہب شیعہ یا علی کی ہمنوائی پر ایرانیوں کا
 اصرار اس کی نہایت بین مثال ہے، آنحضرت کے خلیفہ یا
 روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کے لئے
 تو بالکل قدرتی چیز تھا لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب
 غیر طبعی اور نفرت خیز تھا، راشدین میں سے دوسرے خلیفہ
 حضرت عمر سے جو اہل عجم اس سے متنفر ہیں تو اس کی
 ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمر غارت گر عجم تھے۔ اگرچہ
 اس نفرت کو مذہبی رنگ دیدیا گیا ہے لیکن اصل حقیقت
 اندر سے صاف نظر آتی ہے بغلات اس کے آنحضرت کی دختر
 فاطمہ اور ان کے چچا زاد بھائی علیؑ کے چھوٹے صاحبزادے
 حسین کی نسبت چونکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ انہوں نے

ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہربانو سے عقد کیا تھا اس لئے شیعوں کے دونوں بڑے بڑے فریق یعنی اثنا عشریہ جو آجکل ایران میں غالب ہیں اور سبعیہ یا اسماعیلوں کے باقی ائمہ نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق و صفات کے وارث بھی ہیں، پیغمبر عربی (رسول کریم) سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آل ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے، اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہو گیا، جسکی نسبت محقق گوپی نیو نے ذیل کی عبارت (” وسط ایشیا کا مذہب و فلسفہ “ صفحہ ۲۷۵) میں اشارہ کیا ہے —

سیاست شیعہ	ایران میں سیاسی تعلیم کا یہ ایک
کی بنیاد	نا متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کہ صرف

بنی علی ہی جایز طور پر تاج و تخت کے مالک ہیں اور یہ اس ادھرے حق سے کہ ادھر تو وہ آخری تاجدار یزدگرد کی بیٹی بی بی شہربانو کی طرف سے ساسانیوں کے وارث ہیں اور ادھر ملت حقہ کے سرداروں یعنی اماموں کی اولاد ہیں، بنی علی کے سوا اور بادشاہ زور بازو سے بادشاہ ہیں نہ استحقاق سے اور کامل متشرع لوگ ان کو غاصب ہی سمجھتے ہیں، اور کوئی شخص ان کو سلطنت کا جایز وارث

تسلیم نہیں کرتا، ہم یہاں اس حتمی
 اور قطعی رائے کے متعلق مطول گفتگو
 نہیں کریں گے جسکو ہمیشہ دستور العمل
 نہیں بنایا گیا، ہم نے ایک دوسری کتاب
 میں اس مسئلے پر کافی مفصل بحث
 کی ہے، لیکن یہی وہ بنیاد ہے جس پر
 سیاسیات بابی کی ساری عمارت تعمیر
 کی گئی، —

امام حسین اور شہر بائو کی یہ شادی واقعہ ہوئی یا نہیں
 ہوئی لیکن صدیوں سے اہل تشیع اس کو ایک تاریخی واقعہ
 ماننے چلے آئے ہیں۔ متقدمین میں جن مصنفوں نے اس کا حوالہ
 دیا ہے ایک نام یعقوبی (مرتبہ ہوتس ما جلد دوم صفحہ ۲۹۳)
 کا بھی ہے جو عربی مورخ تھا اور نویں صدی عیسوی کے اواخر
 میں ہوا ہے۔ اس نے امام حسین کے دردناک قتل کا بیان ان سطروں
 سے ختم کیا ہے —

” امام حسین کے صاحبزادوں میں ایک
 علی اکبر تھے، طفلاً میں قتل ہوئے،“
 انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، ان
 کی والدہ کا نام لیلیٰ تھا جو ابو مرہ
 بن عروہ بن مسعود الثقفی کی بیٹی
 تھیں، اور دوسرے علی اصغر جن کی

والدہ یزد گرد کی بیٹی حرارہ تھیں اور

جن کو امام حسین غزالہ کہا کرتے تھے۔

شہر بانو فارسی | بی بی شہر بانو چوتھے سے بارہویں امام
تعزیوں میں | تک نو اماموں کی والدہ ہیں ان کے ابنائے

وطن آج تک ان کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ ان کے نام سے ایک
پہاڑ (کوہ بی بی شہر بانو) بڑی مشہور ہو گیا ہے جو طہران
سے جنوباً تین یا چار میل کے فاصلے پر ہے، یہاں سردووں کے
ناپاک قدم نہیں پہنچ سکتے اور صرف وہ مستورات جاتی
ہیں جو اپنی منتوں کے لئے اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ
چاہتی ہیں، اس کے سوا شہر بانو ان داسوز اور رقت انگیز
ماتمی نقاوں، تعزیوں کی خواتین میں سے ایک ہیں جن کا
تماشہ ہر سال بلاد و دیہات ایران میں اشکبار انبوہ کو دکھایا
جاتا ہے۔ تعزیہ غائب شدن شہر بانو، ایک تراما (مطبوعہ
طہران سنہ ۱۳۱۴ھ) کا نام ہے جس کے صفحہ ۱۹ پر شہر بانو
کی زبان سے یہ ادا کرایا جاتا ہے :-

ز فصل یزد گرد شہریارم میں بادشاہ یزد گرد کی فصل
ز نوشیرواں بود اصل نزارم اور نوشیرواں کی پشت سے ہوں
دراں وقتے کہ بختم کامراں بود جب کہ میرا نصیبہ زور پر تھا
بدان شہریریم اندر مکان بود میں شہر رے میں تھی

• سوائے شہر بانو کے جو موجودہ ایرانیوں میں سب سے زیادہ
مشہور ہے اور مسمون نے ان کو اور ناموں سے بھی یاد کیا ہے مثلاً السلافہ
اور شاہ زنان ہیں۔

شعبے رفتہ بسوے قصر بابم ایک شب کو میں اپنے باپ کے
قصر میں سو رہی تھی

پیامد حضرت زہرا بخوابم کہ حضرت فاطمہ زہرا مرے
خواب میں آئیں

بگفت اے شہر بانو با صد آئیں خواب میں آواز آئی کہ اے
شہر بانو

ترا من بر حسین آرم بکاہیں میں تجھ کو حسین کی عروسی
میں دیتی ہوں

بگفتم من فشستہ در مدائن میں نے کہا میں مدائن میں ہوں
حسین اندر مدینہ هست ساکن اور حضرت امام حسین مدینہ *
میں

محال ست این سخن فرمود زہرا یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے
حضرت زہرا نے فرمایا

حسن آید بسرداری در اینجا حضرت امام حسن مدائن پر
لشکر کشی کریں گے

تو گودی اسیر اے بے قرینہ اے بے قرینہ تو اسیر ہو گی
برفدت از مدائن در مدینہ اور تھکو مدائن سے مدینہ لیجائیں گے

* مدینہ کے معنی شہر اور مدائن اسکی جمع ہے۔ مدینہ کا قدیم
نام یثرب تھا، اس شہر نے جب ہجرت نبی سے مشرف پایا تو اس کا
نام مدینۃ النبی یا صرف مدینہ ہو گیا، یہاں مدائن سے طیبوں مراد
ہے جو کالقدیا میں ساسانہوں کا دارالحکومت تھا، عرب جغرافیہ
کا بیان ہے کہ مدائن اس لئے مدائن کہلاتا ہے کہ وہ سات شہروں سے
ملا کر بنایا گیا تھا دیکھو ”فرہنگ پارس“ برہتے میلارۃ.....

بغرز قدم حسین پیوند سازی تو ان کے فلاح میں آجائے گی
مرا از نسل خود خرسند سازی اور مجھ کو اپنی اولاد سے خوش
کوئے گی

زنسلست نو امام آید بدوران تیروی نسل سے ایسے نو امام دنیا
میں آئیں گے

کہ نبود مثل شان در دار دوران کہ جن کا نظیر صفحہ ہستی پر
کوئی نہ ہوگا

چند سطر آگے چل کر ایک مقام آتا ہے جس سے حضرت عمرؓ کے
خلاف ایرانیوں کی نفرت اور حضرت علیؓ کے ساتھ ان کی
الفت اس قدر عیاں ہے کہ ہم اس کو یہاں نقل کئے بغیر نہیں
رہ سکتے ، بہادر حضرت امام حسینؓ شہر بانو کو پنیس میں
شاہانہ احترام کے ساتھ لاتے ہیں اور اس کے بعد شہزادی
کی مصائب کا آغاز ہوتا ہے :-

وے چون شد مدینہ منزل ما لیکن جب میں مدینہ پہنچی
غم عالم فزون شد بر دل ما تو مجھ پر مصیبت کا آسمان
توت پڑا

یکے گفتہ کہ این دختر کنیز است ایک نے کہا کہ یہ کوئی کنیز ہے
یکے گفتہ بشہر خود عزیز است دوسرے نے کہا نہیں اپنے وطن
میں معزز ہے

بہ مسجد مردوزن در بام معصر مسجد میں مرد اور کوٹھوں میں
عورتیں جمع ہو گئیں

مرا نزد عمر بردند مادر اور ہمارے ہی اماں ! مجھ کو لوگ
حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے

کلامے گفت کا زو در خروشم انہوں نے ایسے کلجے کہے کہ میرے
تن بدن میں آگ لگ گئی
بگفت این بیکساں را می فروشم کہنے لگے ان لا وارثوں کو فیلام
کروں گا

چوتھے باب کی فصیل ”شہر بانو فارسی تگریوں میں“
ایک نظم پر ختم ہوتی ہے جس کے پانچویں چھتے شعر میں
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ”دون“ ”نادان“
”ملعون“ ”غدار کہا ہے — استغفر اللہ من ذلک
علی جدت چوبر آمد خروشان لیکن پھر علی موقع پر آئے
تو چلائے

بگفت لب بہ بندای دون نادان کہ اے دون نادان زبان بند کر!
نہ شاید برون ای ملعون غدار اے.....یہ منا سب نہیں کہ
بزرگان را سر عریاں بہ بازار شریف زادیوں کو بے پردا کرے
بازار میں کھڑا کیا جائے
پس ازان خواری اے نور دو عینم اے میری آنکھوں کے نور اس
ذلت کے بعد

بہ بخشیدند بر بابت حسینم انہوں نے مجھے کو تیرے باپ
حضرت حسین کے حوالہ کر دیا
حسین کردہ وصیت بر من زار امام حسین نے مجھے کو وصیت کی
نہ مانم در میان آل اطہار کہ میرے بعد آل اطہار کے درمیان
تمہارا رہنا ٹھیک نہیں
اگر مانم اسہر و خوار کردم ورنہ ذلت اور اسیری کا منہ
دیکھنا پڑے گا

برہنہ سر بہر بازار گردم سر کھلا ہو گا اور ماری ماری
پھرو گی

تو چون ہستی امام و شہر یارم اب تم ہی میرے لئے امام ہو
اور میرے سر تاج ہو

بدست تست مادر اختیارم اے اماں میں اپنا اختیار آپ
کو دیتی ہوں

اگر گوئی روم دردت بجانم میں تم پر قربان ! اگر تم کہو تو
میں چلی جاؤں

صلاحم کو نہیدانی بھانم اگر تم اس میں میری بہتری
نہیں سمجھتے تو پھر میں
یہیں رہ جاؤنگی

ساسانیوں کے نسبت	عہد ساسان کی تصویر عیسائیوں خاصکر
ان کی عسائی رعیایا	سریانی مصنفوں نے نسبتاً تاریک تر
اور معاصرین کی رائے	دکھائی ہے - سریانی ماخذوں کی نسبت

ذولذیکی کا یہ بیان ہے کہ اس کو اکثر مستشرقین نے کافی
طور پر استعمال نہیں کیا ، تاہم تاریخ ایران کے مطالعہ کرنے
والوں کو جو راقم کے مثل سریانی سے نا بلد ہیں اور اصل
متون تک نہیں پہنچ سکتے دو کتابوں کی طرٹ رجوع کرنا
چاہئے ان میں سے ایک کتاب تاریخ نیوشع اسطوانی * کی ہے

* اس کا متن و ترجمہ ڈاکٹر ڈبلیو رائٹ نے سنہ ۱۸۸۲ء

سند ۵۰۷ ع میں لکھی گئی تھی اس میں ایرانیوں کے اس حملے کا حال قلمبند ہے جو قباد نے ایشپائے کو چک پر کیا تھا، اور مخصوص طور پر اہا لیان ”رہاو آمد“ (جن کو اب عرفہ و دیار بکر کہتے ہیں) کی وہ مصائب درج ہیں جو شروع ۶۰۰ ع میں ان پر نازل ہوئی تھیں دوسری کتاب کا نام ”العال شہدائے عجم“ ہے، جارج ہاف مان نے اس کو مختلف سریانی مخطوطات کے اقتباسوں سے مرتب کیا ہے اور جرمن میں ترجمہ کر کے اس کے ساتھ نہایت فاضلانہ حواشی لگائے ہیں، ان دونوں کتابوں میں مذہبی و سیاسی وجوہ سے ایرانیوں کی تصویر قدرتاً بد نما کھینچی گئی ہے، لیکن کم از کم تاریخ ”نیوشع“ کے پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایرانیوں نے اپنے عیسائی دشمنوں کی نسبت زیادہ تشدد و غدارۃ سے کام لیا ہو، چونکہ مصنف نے کتاب کو حملہ کے دو تین سال بعد لکھا تھا اور دوران جنگ میں اس کا وطن بھی برباد کر دیا گیا تھا اس لئے یہ بالکل قدرتی امر ہے کہ وہ ایرانیوں کو کہیں کہیں ان الناظ سے یاد کرتا ہے؛ —

”اس شریر قوم کا سرمایہ مسرت

اس بات سے خوب واضح ہو جائے گا

کہ انہوں نے ان شخصوں پر بھی

رحم نہ کیا، جو اُن کے حوالے کر دئے

* اقتباسات از امسال شہدائے عجم بزبان سریانی مرتبہ

کھورگ ہوف مان (لیپزگی سلہ ۱۸۸۰)

گئے ، سبب یہ ہے کہ وہ بنی آدم
کی تکالیف پر خوشیاں منانے کے
عادی ہیں —

مذہبی تعصب | عیسائی اور زرتشتیوں کے قاب مذہبی
کی مثالیں | تعصب سے ہر وقت مشتعل رہتے تھے اور
رد اداری کے نقطہ نگاہ سے ایک کو دوسرے پر کوئی وجہ
ترجیح نہ تھی ایک شخص کے فضائل اخلاق اور رذائل طبع
کے تعین میں جس حد تک اس کے مذہب کو دخل تھا اس
کی عمدہ مثال ”یزد گرد اول“ (۳۹۹ - ۴۲۰) کے حالات
کے مقابلے سے ملتی ہے ، اس کے حالات ایک طرف تو عرب
مورخوں نے پہلوی خدائے نامہ سے جو معوسوں کے
(یزد گرد الاثیم) کے زیر اثر قلمبند ہوا تھا سرقب کئے
ہیں ، دوسری طرف ایک سریانی عیسائی مصنف نے جو یز
د گرد کا ہم دور تھا اس کی خصلت کا حاکم کھینچا ہے ،
اول الذکر نے اسکو گڈا گار (فارسی ، بزہ گرد - عربی ، الاثیم)
کالقب عطا کیا ، اور اُس کی شرارت نفس ، ضد و جہالت اور
وحشت و سفاکی حد بشری سے آگے بڑھا دی ہے ، اور عیسائی
مصنف نے اسکی نسبت یہ الفاظ کہے ہیں :—

” نیک و رحم دل عیسائی بادشاہ
یزد گرد ، برکت مآب سلاطین ! وہ
برکتوں سے یاد کیا جائے اور اس
کا مستقبل اوائل زندگی سے بہتر
ثابت ہو ، وہ ہر روز غریبوں

اور مصیبت زدوں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے • —

✓ اسی طرح خسرو اول کو نوشیروان (انوشکربان - لافانی روح والا) نوشیروان ”عادل“ کا خطاب ملا اور اب تک وہ اس ہی نام سے یاد کیا جاتا ہے ، گویا کہ وہ سلطانی

۵۳۱ - ۵۷۸ ع

شہاڈت اور عدل و انصاف کا مجسم نمونہ تھا ، کیوں ؟ اس لئے کہ اس نے مزدک اشتراکی کی بدعتوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا ، اور مطاق اعتدال و نرمی سے کام نہیں لیا ، اور یہی ایک وصف تھا جو مجوسی موبدون کی نظر میں اس کے ’ لافانی ‘ ہونے کا کافی سبب تھا ، موبدون کی قدر دانی نے اس کا رتبہ یہاں تک بڑھا دیا کہ شیخ سعدی جو ایک جوشیلے مسلمان تھے ، کہتے ہیں :—

زندہ است نام فروخ نوشیروان بعدل

گر چہ بسے گذشت کہ نوشیروان نہاند

✓ عیسائیوں کی نسبت | دنیووری صفحہ ۷۲ کے دیکھنے سے معلوم نوشیروان کا خیال ہوتا ہے کہ نوشیروان کو عیسائیوں سے

بھی بدرجہ غائت تنفر تھا ، جب اُس کا بیٹا انوش زادہ اپنی عیسائی مان کے عیسائی مذہب میں داخل ہوا ، اور باپ کے خلاف بغاوت کر بیٹھا ، تو نوشیروان نے ”طیبون“ کے ایرانی گورنر کو جواباً ہدایت کی کہ ”اسے عیسائیوں کے کثیر غول سے ہراسان نہ ہونا چاہئے“ کیونکہ ان میں باقی رہنے والی شوکت نہیں ہے اور حقیقت میں وہ زندہ

نہیں رہ سکتے ، جب کہ ان کے مذہب میں لکھا ہے کہ ” اگر کسی عیسائی نے بائیں گال پر طمانچہ رسید کیا جائے تو اسے چاھئے کہ وہ اپنا دایاں گال بھی پیش کر دے —“

اس باب کا مبحث	اب ہم اس باب کا موضوع بیان کرتے ہیں
اور اس کا خاکہ	چونکہ اس دور کے بعض تاریخی حالات

کے سوا زیادہ قلم فرمائی ہم نہیں کر سکتے اس لئے ہم اپنی توجہ خاص طور پر اس دور کی ابتدا و انتہا تک محدود رکھیں گے ، ابتدائی دور کو جس میں زیادہ تر قصص و روایات شامل ہیں ، ہم اس لئے زیر بحث لائینگے کہ اس کے ذریعے سے ہمیں ” شاہنامہ “ فردوسی کے بعض قصوں کو پہلوی کے کارنامک ارتخشتر پادکان کے مراد قصوں سے مقابلہ کرنے کا موقعہ ملے ، افتتاحی دور کے بیان کی وجہ یہ ہے کہ اس کو عربی فتوحات سے بے حد قریب کا تعلق ہے ، اور عربی فتوحات ایران کے جدید یا اسلامی عہد کا سرچشمہ ہیں ، علاوہ ازیں ساسانی دور کے اواخر میں دو مذہبی تحریکیں ، جن کا تعلق مانوی اور مزدک کے مشہور فاموں سے ہے ، پیدا ہوئیں اور کسی قدر توجہ کی مستحق ہیں ۔ یہ تحریک اس فکر فلسفیانہ کی قدیم مثالیں ہیں ، جو ایرانیوں کا خاص حصہ ہے ، کیونکہ انہوں نے مذہب میں جتنی بدعتی پیدا کئے غالباً دنیا کے کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی ، ان دونوں پیشواؤں میں

جتنے بدعتی پیدا کئے ، غالباً دنیا کے کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی ، ان دونوں پیشواؤں میں سے پہلا جیسا کہ وہ خود بیان کرتا ہے * آخری حکمران پارٹھید اردوان (ارتبانس) کے عہد میں پیدا ہوا تھا ، اور آل ساسان کے بانی اردشیر کا معاصر تھا ، دوسرے کی نسبت مسطور ہوچکا ہے کہ سنہ ۵۲۸ یا ۵۲۹ء میں نوشیروان نے اس کو قتل کرایا تھا اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ ساسانی اقبال کا ستارہ آسمان عروج پر تھا ، گو کہ اس زوال کی ابتدائی علامات بھی دکھائی دینے لگی تھیں ۔ اس باب کے چار عنوان بالفاظ ذیل پیدا ہوتے ہیں :—

- ۱ - اردشیر کا افسانہ اور خاندان ساسان کی ابتدا ۔
- ۲ - مافی اور تعلیم مافی ۔
- ۳ - نوشیروان اور مزدک ۔
- ۴ - آل ساسان کے آخری ایام ۔

(۱)

اردشیر کا افسانہ

اس افسانے کے ممتاز قصے جس ترکیب سے پہلوی کارنامک اور شاہنامے میں درج ہیں بجنسہ اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں اس وقت کارنامک (کانفیس جرمن ترجمہ از قلم نولڈیکی

* آثار الباقیہ البہرونی ، مترجمہ سخاؤ (لندن سنہ ۱۸۷۹ء)

طبع علیحدہ • صفحہ ۲۱ تا ۶۹ جس کا مقدمہ ۲۲ سے ۳۶ صفحہ تک چلا جاتا ہے (اور شاہ نامہ (میکن مطبوعہ کلکتہ جلد سوم صفحات ۱۳۶۵ تا ۱۴۱۶) ہمارے سامنے موجود ہے - (۱) ساسان نے جو بہمن دراز دست (لونگی مے نس) دیکھو گزشتہ صفحہ ...) کی پانچویں پشت میں تھا ، شہزادہ پارس پاپک (بابک) کے پاس شہبانی کی خدمت اختیار کی ، پاپک کو خواب میں آگاہی ہوئی کہ ساسان شاہی نسل سے ہے تو اس نے ساسان کو اعلیٰ عہدہ پر ممتاز کیا اور اپنی بیٹی کو اس کے عقد میں دیدیا - اردشیر اسی رشتہ مذاکحت سے پیدا ہوا ، (کار نامہ + صفحہ ۳۶ ؛ ۳۸ شاہ نامہ صفحہ ۱۳۶۵) —

(۲) پاپک نے اردشیر کو گول لے لیا ، جب وہ ہوشیار ہوا تو اس کی شجاعت و فطانت اور فوسیت کا شہرہ پارتھیا کے آخری

* یہ ترجمہ دراصل ایک مجموعہ مضامین میں چھپا تھا جو پروفیسر نیلمی کو ڈاکٹر کی ڈگری ملنے کی پندرہویں سالگرہ پر ان کے احباب نے ان کو پیش کیا تھا ، پھر گوئنجن سے ترجمے کے صفحات جو مجموعے میں ۲۱ سے ۷۹ تک تھے سنہ ۱۸۷۹ء میں مستقل رسالہ کی صورت میں شائع کئے گئے -

+ ان حوالوں کے لئے دیکھو —

صفحہ ۵ و بعد ، کارنامہ کا ترجمہ انگریزی حامل المثنی مرتبہ ” داراب دستور شہزہی سخانا “ (بمبئی سنہ ۱۸۹۶ء) شاہ نامہ کے اقتباسات بھی اسی کتاب میں بطور ضمیمہ شامل ہیں —

بادشاہ اردوان کے کانوں تک پہنچا۔ اردوان نے اس کو دارالحکومت رے میں بلا بھیجا اور عزت و احترام کے ساتھ دربار میں جگہ دی، ایک دن شکار میں اردشیر نے کوئی اعلیٰ نشانہ سر کیا مگر اس کا مدعی اردوان کا ایک بیٹا بن گیا۔ اردشیر نے اس کو جھٹلایا تو اردوان کو غصہ آیا اور اُسے ذات و رسوائی کے ساتھ شامی اصطبل میں کام کرنے کو بھیج دیا۔
(کارنامک صفحہ ۳۸ تا ۴۱؛ شاہنامہ ۱۲۶۶) —

۳۔ ایک حسین و دانشمند لڑکی نے جو اردوان کی محترم راز تھی، اردشیر پر ترس کیا یا اور دو تیز گھوڑے مہیا کر کے اردشیر کے ساتھ پارس کا رخ کیا، اردوان بھی ان کے تعائب میں چلا مگر جب اس کو معلوم ہوا کہ ”فریبانی“ ایک نفیس مینڈھے (شاہنامے میں اسے غرم لکھا ہے) کی شکل میں اردشیر کے ساتھ گھوڑے پر سوار جارہی ہے تو اس نے تعائب سے ہات کھینچا اور واپس چلا آیا (کارنامک ۴۱ تا ۴۶؛ شاہنامہ ۱۳۷۰) —

۴۔ اردشیر نے پارتھیوں وغیرہ سے جنگ کی اور اردوان کو مع اس کے بیٹے کے شکست دی مگر کردوں کے مقابلے میں خرد شکست کھاتا ہے (کارنامک ۴۶ تا ۴۹؛ شاہنامہ ۱۳۷۴) —

۵۔ داستان ہفتان بوخت (ہفتواد) اور کرمان کے ہیبت ناک کوم کی سرگزشت جس میں متھوک (مہرک) کی لڑائی بھی شامل ہے (کارنامک ۴۹ تا ۵۷؛ شاہنامہ ۱۳۸۱) —

۶۔ اردوان کس طرح اپنی بیٹی کو جو اردشیر کے عقد میں آئی تھی سزائے مرگ کا حکم دیتا ہے، اور وہ کس طرح موبہ اعلیٰ کی (جس کو طبری نے ابرسام لکھا ہے) اعانت سے بچ جاتی ہے۔

پور کس طرح اس لڑکی کے بطن سے شاہ پور (شاہ پُہر یعنی شاہ زادہ) پیدا ہوتا ہے اور کس طرح ارد شیر اس کو پہچان لیتا ہے (کارنامک ۵۷ تا ۶۳: شاہ نامہ ۱۳۹۲) —

۷ — ارد شیر کو جب ہندوستان کے ایک راجہ کیت یا کید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کا تخت یا تو اس کے خاندان میں رہے گا یا اس کے دشمن مہرک کے خاندان میں، تو وہ آخرالذکر کی بیخ کنی کے درپے ہوتا ہے۔ مہرک کی ایک لڑکی جنگ کے مشغلوں سے بچ کر دھقان کے گھر میں پرورش پاتی ہے۔ جب وہ جوان ہوتی ہے تو شاہ پور اس کے دام محبت میں پھنستا ہے، شادی کے بعد ”ہرمزد“ پیدا ہوتا ہے، مگر شادی اور لڑکے کی پیدائش دونوں کو اپنے باپ ارد شیر سے چھپاتا ہے۔ آخرش ”ہرمزد“ سات برس کی عمر میں چوگان بازی کے لئے میدان میں اترتا ہے اور اس کی دلیری کے سبب سے اس کا دادا ارد شیر اس کو شناخت کر لیتا ہے (کارنامک ۶۴ تا ۶۸: شاہنامہ ۱۳۹۷) —

جس شخص نے کارنامک اور شاہنامے کے ان اجزا کو پہلو بہ پہلو رکھ کر پڑھا ہوگا وہ اس بات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا ہوگا کہ شاہنامے میں کارنامک کا نہ صرف بڑے بڑے واقعات میں کامل طور پر اتباع کیا گیا ہے بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس کے نقش قدم پر چلا گیا ہے۔ اسی طرح اگر ہم پہلوی داستان زریر (یات کار زریران - مترجمہ گائگر بزبان جرمن) اور شاہنامے کے بیانات کو مقابلے کر کے دیکھیں تو ہماری اس رائے کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ فردوسی نے نہایت پابندی کے ساتھ اصلی قدیم افسانوں کی اتباع کی ہے۔

معص ایک اتفاقیہ بات ہے کہ ہم اصل کے ذریعے سے ان بیانات کی تلقیح کرسکتے ہیں ، لیکن جن مقامات کی اصل موجود نہیں ہے اور تنقیم ہمارے اختیار سے باہر ہے ان کی نسبت ہم آسانی کے ساتھ فرض کرسکتے ہیں کہ فردوسی نے ان میں بھی اپنے قلب صداقت شعار کی تعمیل کی ہوگی اور قدیم روایتوں کو اپنے قلم کی تعریف و تصرف کی ہوا نہ لگنے دی ہوگی ۔ ہمیں طوالت کا خیال ہے اس لئے ہم افسانہ اردشیر کے صورت ایک یا دو واقعات کے مقابلے پر بس کرتے ہیں اور پہلے اردشیر کی پیدائش کا حال لکھتے ہیں —

کارنامک

” اسکندر رومی کی وفات کے بعد ایران میں ۲۴۰ کتخدا (ملوک طوائف) تھے ان میں سب سے بڑا شہزادہ ” اردوان “ تھا ، جو سپاہیان ، پارس اور نواح کے اضلاع کا مالک تھا ، شہریار پاک مرزبان فارس تھا اور اردبان نے اسے مرزبان مقرر کیا تھا ، اردوان ، استخر میں رہتا تھا ، اُس کے کوئی بیٹا نہ تھا جو اس کا نام زندہ رکھتا ، ساسان پاک کا شہنشاہ تھا اور ہمیشہ اپنے مویشیوں میں اپنی زندگی بسر کرتا تھا مگر وہ

دارا ابن دارا کی نسل سے تھا ، سکندر*
 کے ناپاک عہد میں وطن چھوڑ کر کرد
 قوم کے شہانوں میں جا بسا تھا پاپک+
 معلوم نہ تھا کہ ساسان کا تخرم دارا+ ،
 دارا سے تھا ۔ ایک رات پاپک نے خواب
 میں دیکھا کہ ساسان کے سر سے سورج
 چمک رہا ہے ، اور اس سے تمام عالم
 روشن ہو گیا ہے ، دوسری شب کو پاپک
 نے پھر خواب دیکھا کہ ، ساسان ایک
 سفید آراستہ ہاتھی پر سوار ہے اور
 کشور کی تمام خلقت اس کے گرد و پیش
 جمع ہے ، اُس کو آداب و کورنش کرتی
 ہے ، اور ستائش و آفرین کہتی ہے ۔
 تیسری شب اس نے دیکھا کہ تینوں
 قسم کی (مقدس آگ یعنی فروباک †
 کشسپ اور متھر § ساسان کے مکان میں
 شعلوں سے بلند ہو رہی ہے اور اس نے
 سارے عالم کو منور کر دیا ہے یہ دیکھ کر

* پہلوی دستخداؤی اسکندریہ —

+ سنجانا ، داراب دارایان —

† ذولت یکی فرد با —

§ پہلوی متن میں بزرین مترا —

پاپک کو بڑی حیرت ہوئی اور اُس نے دانوں اور معبروں کو طلب کر کے تینوں رات جو کچھ دیکھا تھا ان کو کہہ سنایا اور اس کی تعبیر پوچھی - معبروں نے کہا، ”یا تو خود وہ شخص جس کی نسبت تو نے خواب دیکھے ہیں یا اُس کی اولاد میں سے ایک جہاں کی پادشاہی پائے گا، کیونکہ خورشید اور پیل سپید آراستہ چیرگی اور توان و فیروزی کی دلیل ہیں، اور آذر فرو باگ⁺ علہائے موبدان کی دین دانائی کا پتہ دیتی ہے، اسی طرح آذر کشسپ پہلوانوں اور سپہبدوں پر اور آذر برزین مترا، جہاں کے کاشتکاروں اور برزگیروں پر دلالت کرتی ہے، پس تاج شاہی یا تو اس شخص کے سر پر رکھا جائے گا یا اس کی اولاد میں کسی ایک کے سر پر“۔ جب پاپکان یہ تعبیر سن چکا تو اس نے معبروں کو رخصت کیا اور ساسان کو طلب کر کے دریافت

* متن سنجانا میں واؤ نہیں ہے —

+ نولڈیکی فرو با —

کیا ” تو کس خاندان اور کس نسل سے
 ہے ، کیا تیرے باپ داداؤں میں کوئی
 حاکم یا بادشاہ ہوا ہے ؟ “ - اس پر
 ساسان نے زلفار خواہی کی اور کہا کہ
 ” مجھے کزند و زیاں سے امان ملے “ -
 پاپک نے اسے منظور کیا ؛ اس پر ساسان
 نے سارا بھید کھول دیا ، اور بتاتا ہے
 کہ وہ کون ہے - پاپک خوش ہوا اور کہا
 ” میں • تیرا مرتبہ بڑھاؤنگا “ - پھر
 بادشاہ نے خلعت فاخرہ طلب کی اور
 ساسان سے کہا اس کو پہن لے ، ساسان
 نے اس کی تعمیل کی ، اس کے بعد وہ
 چند روز تک پاپک کے حکم سے عہدہ
 اور مناسب غذائیں کھاتا رہا ، تاکہ
 اس کے بدن میں قوت پیدا ہو پھر
 پاپک نے اپنی لڑکی کے ساتھ اس کی
 شادی کر دی اور جب وقت آیا تو لڑکی
 حاملہ ہوئی اور اس سے ارتخشیر
 پیدا ہوا “ -

• سلجانا نے متن کو جس طرح پڑھا ہے وہ فارسی میں
 ہوں ہے ” تن بہ افزوں کن “ بمعنی بقول سلجانا اپنے تن کو
 (فصل سے) بلند کر - شاہ نامہ میں ہے ” بہ گر ما بہ شو “ -

شاہنامہ

(مرتبہ میکن، جلد سوم، صفحہ ۱۳۶۵ تا ۱۳۶۷)

چو دارا بہ رزم اندروں کشتہ شد جب دارا لڑائی میں مارا گیا تو
 ہمہ دودہ را روز برگشتہ شد تہام خاندان کا نصیبہ پلت گیا
 پسر بد ورا در یکے شاد کام دارا کا ایک خوش نصیب بیٹا تھا
 خرد مند و جنگی و ساساں پیام خرد مند تھا اور پہلوان، نام
 اُس کا ساساں تھا۔

پدر را بہ آن گوشہ چوں کشتہ دید جب اس نے باپ کو اس طرح
 سر بخت ایرافیاں کشتہ دید مرتے اور ایرانیوں کی قسمت کا
 ستارہ اُس طرح تو بتے دیکھا

ازاں لشکر روم بگر یخت روی تو یونانیوں کے ہاتھ سے
 بدام بلا در فیماویخت روی بچ نکلا اور ان کے دام بلا میں
 بہندوستان در بزاری بہرہ گرفتار ہوا پھر ہندوستان

ز ساساں یکی کوہ کی ماند خورد پہنچ کہیں مر گیا اور ایک
 بریں ہم فشان تا چہارم پسر خورد سال لڑکا چھوڑتا گیا
 ہمیں نام ساسانش کر دے پدر اُس کا نام بھی ساساں ہی
 تھا اور یہ نام چار نسلوں تک

باب سے بیٹے کو پہنچتا رہا
 شبانان بد ندی دگر ساردان یہ اوگ شہبانی اور
 ہمہ سالہ با رفیع و کارگران ساربانہ کرتے اور زندگی
 رفیع و محنت سے کاتتے تھے

چوں کہتر پسر سوی پاک رسید اس فصل کا آخر لڑکا جب پاک
 بدشت آمد و سرشباں را بدید کی طرت چلا تو جلگل میں
 کداریوں کے سردار کو آسلا
 بدو گفت مزدورت آید بکار اور اس سے کہا کیا تجھے کو
 کہ ایدر گزارد بہ بدروزگار کسی نوکری کی ضرورت ہے
 میں موجود ہوں اور یہاں
 تکلیف کے ساتھ بھی بسر کرنے
 کو تیار ہوں

بپند رفت بد بخت را سرشباں سرشباں نے اُس کو نوکر رکھ لیا
 ہمہ داشت بارنج روز و شباں شبانہ روز اس سے سخت محنت
 لینے لگا

چو شد کار گر مرد آمد پسند آدمی کام کرنے والا ہو تو پسند
 شباں سرشباں گشت بر گوسپند آتا ہی ہے وہ شباں بگریوں کا
 سرشباں بن گیا

شبی خفته بد بابک رودیاب ایک شب کا ذکر ہے کہ بابک
 چنان دید روشن روانش بخواب سو رہا تھا اور اس کی روشن
 روح نے خواب میں دیکھا

کہ ساسان بہ پیل ژیاں برفشست کہ ساسان ایک فیل مست پر
 گرفته یکے تیغ ہندی بہ دست سوار اور اس کے ہاتھ میں
 ایک ہندی تلوار ہے

ہر آنکس کہ آمد بر اودر فراز جو شخص اس کے پاس آتا ہے
 براو آفریں کرد و بردش نماز اس کی تعظیم بجا لاتا ہے اور
 اس کی صفت و ثنا کرتا ہے

زباں را بھوبی بیاراستی ساسان نے اپلی دالائی اور
دل تیورہ از غم بہ پیراستی عدل وانصاف سے دنیا کو آراستہ
اور غمگین دلوں کو غم سے
خالی کر دیا ہے

بدیگرشب اندرچوں بابک بغفت دوسرے دن شب کو جب بابک
ہمی بود مغزہں بہ اندیشہ جفت پھر سونے لگا تو اس کے دل
و دماغ پر ایک قسم کی فکر
طاری ہوئی

چناں دید درخواب کاتش پرست اس نے خواب میں دیکھا کہ
سہ آتش فروزاں ببردے بدست ایک دستور تین قسم کی آگ
کو ہاتھ میں لئے جاتا ہے

چو آذرکشسپ و چو خراد و سہر* یہ آگ آذرکشسپ تھی، خراد تھی
فروزاں چو بہرام و فہید و سہر اور سہر تھی اور بہرام و فہید
و آفتاب کی مانند روشن تھیں
ہمہ پیش ساساں فروزاں بدی سب ساسان کے سامنے شعلے
بہر آتشی عود سوزاں بدی اُگل رہی تھیں اور ہر آگ میں
عود لکڑی جل رہی تھی

سر بابک از خواب بیدار شد جب بابک نیند سے ہوشیار ہوا
روان و دلش پر ز قیہار شد تو اس کا دل صدمے سے بیتھا
جاتا تھا

* ان تینوں آذرہاے مقدسہ ۳ نسبت نولدہ کی کے ترجمہ
کارنامک میں صفحہ ۳۷ اور نوت (۳) دیکھو۔ فروبا، فرونگ کی
بجائے فردوسی نے لفظ خراد استعمال کیا ہے۔

کسانی کہ در خواب دانا بدند وہ لوگ جو تعبیر خواب میں
بدان دانش اندر توانا بدند مشق رکھتے تھے اور ان امور
میں صاحب فہم و ذکا تھے

بایوان بابک شدند انجمن بزرگان فرزائے و راے زن
بزرگ اور اہل راے جمع ہوئے
چو بابک سخن برکشاد از نہفت ان لوگوں سے بابک نے دل کی
ہمہ خواب یکسر بدیشان بگفت بات کہی یعنی خواب کا ماجرا
کہہ سنایا

پراندیشہ شد زان سخن رهنمای فہادہ بد و گوش پاسخ سرائی
خواب سنتے سنتے یہ لوگ غور
میں دُوب گئے اور ساتھ کے
ساتھ جواب بھی سونچتے
جاتے تھے

سر انجام گفت ای سرافراز شاہ آخر کار افہوں نے کہا اے بادشاہ
بقاویل ایں کرد باید نگاہ عالیجہ اب خواب کے معنوں
پر متوجہ ہو

کسے را کہ تودیدی زیناں بخواب جس شخص کو تو نے خواب میں
بشاہی برآرد سر از آفتاب دیکھا ہے وہ شاہی تخت پر
جلوہ آرا ہوگا

کرایدوں کہ این خواب ازو بگذرد اگر اس کو تاج و تخت نہ ملا
پسر باشدش کز جہاں بر خورد تو اس کے بیٹے کو ملے گا
چو بابک شنید این سخن گشت شاد جب بابک نے یہ سنا تو بہت
خوش ہوا اور ہر ایک کو انعام
دے کر رخصت کیا

بفرمود تا سرشباں از رمدہ پھر بابک نے حکم دیا کہ سرشباں
 ہر بابک آمد بروز دمہ کو گلے سے لگاؤ گدڑیہ موسم کی
 تکلیف اٹھاتا ہوا حاضر ہوا

بیامد دسان پیش او با کلیم وہ دوڑتا ہوا شاہ کے حضور میں
 پراز بوت پشمین* و دل پر ز بیم اس طرح آیا کہ اس کی اونی
 گدڑی بوت سے اور دل خوت سے
 بھرا ہوا تھا

بپرداخت بابک ز بیگانہ جاے بادشاہ نے اجنبی لوگوں سے دربار کو
 بدر شد پرستندہ و رہنماے خالی کیا اسی طرح جان نثار اور
 مشیروں میں سے کوئی نہ رہا
 ز ساساں بپرسید و بنواختش ساساں کا حال پوچھا اور اسے
 بوخویش نزدیک بنشاختش فوازا اور اس کو اپنے پاس بٹھایا
 بپرسیدش از گوہر و از نژاد اس سے پوچھا کہ تیری اصل و
 شباں زو بترسید و پاسخ دادہ نسل کیا ہے گدڑیہ سہم گیا اور
 اس نے کچھ جواب نہ دیا

اڑاں پس بدو گفت کہ اے شہریار اس کے بعد اس نے کہا کہ اے
 شباں را بجای گو دہی زینہار بادشاہ اگر تو میری جان بخشی
 کرے

* نولڈیکی (ترجمہ کارنامک، صفحہ ۲۶) نے اس کو خوش بھائی
 کی ایک خاص مثال قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ فردوسی نے پہلوی
 اصل کے مختصر اور خشک بیان میں ان الفاظ سے رنگینی اور جان
 پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ —

بگویم ز گوهر ہمہ ہرچہ هست تو میں تجھ کو سارا حال
چو دستم بہ پیماں بگیری بدست سناؤں گا مگر شرط بھی ہے کہ
تو مرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے
اور پختہ وعدہ کرے

کہ بامن نہ سازی بدی در جہاں کہ تو میرے ساتھ کبھی کوئی
نہ در آشکار و نہ اندر نہاں برائی نہ کرے گا نہ علانیہ اور
نہ در پردہ

چوں بشنید بابک زباں بر کشاد بابک نے یہ سنا تو خدا کی حمد
ز یزدان نیگی دمش کرد یاد و ثنا کے بعد کہا

کہ بر تو نسازم بچیزے گزند کہ میں تجھ کو ذرہ برابر
بدارست شاداں دل و ارجمند گزند نہ پہونچاؤں گا اور تجھ
کو ہمیشہ خوش و خرم رکھوں گا

پہا بک چنیں گفت ازاں پس جوان اس کے بعد اس نوجوان نے بابک
کہ من پور ساسانم اے پہلواں سے کہا کہ میں ساسان کی اولاد
سے ہوں

نبیرہ جہاںدار شاہ ارد شیر جہاں کے بادشاہ ارد شیر کا
کہ بہمنش خواندی ہی یاد گیر پوتا ہوں وہی ارد شیر جس کا
دوسوا نام بہمن تھا

• ساسانیوں کے شجرہ نسب کا ”محافظ زرتشت اور اول
”حامی و معین مذہب زرتشت“ شاہ کشتا سب (وشتاسپ) تک پتہ
لگانا مقاصد تصنیف کا ایک رکن ہے۔ اس خاندان کے افراد کو قدیم
ایرانی بادشاہوں کے جایز اور بلا واسطہ جانشین ”بہ دین“ کا
”ارثا“ نام و معین قرار دینا اس کا مطمح نظر ہے —

سر افراز پوریل اسفندیار اور پہلوان اسفندیار کی نسل
ز گشتاسپ اندر جہاں یادگار سے تھا جو خود گشتاسپ کی
یادگار تھا

چو بشنید بابک فوریخت آب بابک نے یہ سنا تو اس کی
ازاں چشم روشن کد ایدیدہ خواب آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے جس
نے خواب دیکھا تھا

بیاورد پس جامہ پہلوی اس کے بعد بابک ایک شاہی
یکے اسپ با آلتے خسروی لباس نکال لایا اور ایک کھوڑا
بھی جس پر شاہی زین تھا آیا
بدو گفت بابک بہ گرما بد شو کدّریے کو حکم دیا کہ وہ حمام
ہمی باش نا خلعت آرند تو میں جائے اور لباس آنے تک
وہیں رہے

یکے کاخ پرمایہ او را بساخت پھر اس کے لئے ایک بڑا محل
ازاں سر شبانی سرش بر فراخت تیار کوا یا اور سر شبانی سے
اس کو بلند مرتبہ پر پہونچایا
چو اورا بداں کاخ در جائے کرد جب شاہ نے ساسان کو محل میں
غلام و پرستندہ بر پائے کرد پہونچایا دیا تو وہاں غلام اور
نوکروں کو مقرر کیا

بہر آلتی سرفرازش داد اس کو ہر قسم کا سامان مہیا
ہمہ از خراستہ بی فیازیش داد کیا اور مال و زر سے بے نیاز کر دیا

+ یہاں ہدست گہوی "کی نسبت دیکھو دیندیداد" فرد گرد
چہارم، پنجم - ۲ (تارم شتشتہ کا انگریزی ترجمہ مطبوعہ ایس۔
بی۔ ای کی جلد اول صفحہ ۳۵ پر)

بدو داد پس دختر خویش را سب سے آخر میں اسے اپنی لڑکی
پسندیدہ وافر خویش را دی جو اس کے لئے سرمایہ
ناز تھی

چون نوماء بگذشت ازین خوب چہر جب اس مہتاب رخ کو نو سہیلے
یکی کودک آمد چو تابندہ مہر گزر گئے تو آفتاب کے مثل ایک
لڑکا پیدا ہوا

بہا نندۂ نامدار اردشیر جو اردشیر نامدار کا ہم شکل تھا
فرآ نندۂ و فرخ و دل پذیر فرخ و دل پذیر اور ترقی کرنے
والا

ہماں اردشیرش پدر کرد نام باپ نے اس کا نام اردشیر رکھا
کہ باشد بدیدار اوشاد کام تا کہ اس کو دیکھ کر خوش
ہوا کرے

دوسرا قصہ جو ہم نقل کرنا چاہتے ہیں وہ اردشیر کی
فراری کی بابت ہوگا جب کہ وہ اردوان کے دربار بمقام رے سے
پارس چلا گیا، اس کے ساتھ وہ خوب صورت اور عقیل لڑکی
بھی تھی جو فردوسی کے اشعار میں گلنار کے نام سے مذکور
ہوئی ہے اور جو اب تک اردوان کے مشیر و صلاح کار کی
حیثیت رکھتی تھی لیکن اب اردشیر کی محبت سے مغلوب
ہو کر اس کی شریک قسمت ہو گئی تھی —

کارنامک •

” اردوان فوراً چار ہزار آدمیوں کو مسلح کر کے ارتخشیر کے تعاقب میں پارس کی سڑک پر چلا ، دوپہر کو وہ ایک مقام پر آیا جہاں سے پارس کو سیدھی سڑک جاتی تھی اور وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا ” وہ دو سوار جو اس جانب کا رخ کئے ہوئے تھے یہاں سے کس وقت گزرے ؟ “ - لوگوں نے جواب دیا ” صبح سویرے جب کہ آفتاب طلوع ہوا ، وہ ارتائی + ہوا کی مانند اُڑے ہوئے جارہے تھے اور اُن کے پیچھے ایک بہت بڑا منیڈھا بھی دروڑ رہا تھا ، جو اس قدر خوبصورت تھا کہ اس سے بہتر ملنا ناممکن ہے - اب تک تو وہ کئی فرسنگ نکل چکے ہیں اور تمہارے ہاتھ نہیں آسکتے “ - پس اردوان وہاں نہیں ٹھہرا اور آگے چل کھڑا ہوا ، جب وہ ایک اور مقام پر پہنچا تو وہاں بھی لوگوں سے پوچھا ” وہ دونوں سوار یہاں سے کب گزرے ؟ “ - انہوں نے جواب دیا ، ” آج دوپہر کو “

• سنجانا صفحہ ۱۶ و برنولڈیکی صفحہ ۴۴ و بعد مطابق میں

ترجمہ نولڈیکی و سنجانا —

+ نولڈیکی (ترجمہ کارنامک صفحہ ۴۴ نوت) کہتا ہے کہ کارنامک کے دونوں نسخوں میں اس ’ ہوا ‘ کو ارتائی اور متن میں ارتاک لکھا ہے ؛ لیکن اس کے معنی معلوم نہیں ہو سکے ، بقول سنجانا ترجمہ کارنامک صفحہ ۱۶ نوت ۴ اردابی پڑھنا چاہئے (یعنی لڑنے والی کھ مکش کرنے والی) جو فارسی کلمہ ” اردب “ بمعنی جنگ و جدل کے مطابق ہے —

ان کی رفتار ارتائی ہوا کی مانند تیز تھی اور ان کے پیچھے ایک مینڈھا بھی اُڑا جا رہا تھا ، اردوان کو بڑا تعجب ہوا اور وہ بولا ”ذرا سوچو * سواروں کو تو ہم جانتے ہیں لیکن ان کے ساتھ یہ مینڈھا کیسا ہے ؟“ - پھر اُس نے دستور سے دریافت کیا ، اس نے جواب دیا ” مینڈھا + شاہی جلال (خرّہ خدائید) ہے وہ ابھی سواروں تک نہیں پہنچا ہے اب ہمیں جلدی کرنا چاہئے ، ممکن ہے * کہ مینڈھے سے قبل ہم ان کو پکڑ لیں - اردوان اور اس کے ساتھیوں نے نہایت تیز رفتاری سے آگے کا رخ کیا ، دوسرے دن انہوں نے ۷۰ فرسنگ طے کر لئے ، پھر انہیں ایک قافلہ ملا ، اردوان نے اہل قافلہ سے سوال کیا ” وہ دو سوار تمہیں کس جگہ ملے تھے ؟“ - وہ بولے ” تمہارے اور اُن کے درمیان ہنوز ۲۰ فرسنگ کا فاصلہ اور ہے ، ہم نے دیکھا ہے کہ ان دو سواروں میں سے ایک کے ساتھ ایک کلاں و چابک مینڈھا بھی گھوڑے پر سوار تھا “ - اردوان نے

* متن فارسی میں یوں ہے :- انگار کہ اسوار دو گانہ را دانیم —

+ سندجانا - (ترجمہ انگریزی صفحہ ۱۶ نوٹ ۷) پہلی لفظ

کولوک فارسی لہو (یعنی عقاب) پڑھتا ہے اور نولدیکی ، برک ،

فارسی بڑہ - فردوسی اُس کو غرم کہتا ہے جس کی نسبت لغات الفرس

اسدی (مرتبہ ہارن ، صفحہ ۶۳) پر ہے ” میش کوہی بود “

معیار جمالی میں بھی اسی طرح - مگر فردوسی اُس کی نسبت

برابر کہتا ہے کہ وہ سیمرغ بال اور طاوس دم تھا اور سرد گوش و

سم اس کے رخس کی طرح ہیں —

+ سندجانا ، قاکہ ، بجائے ، ممکن ہے ، —

دستور سے پوچھا ”اس میندھے سے جو اردشیر کے پہلو میں گھوڑے پر ہے کیا مراد ہے؟“۔ اس نے جواب دیا ”اے + بادشاہ تو ہمیشہ زندہ رہے۔ شاہی جلال (یعنے خُزّ کِیاں = فردوسی - فرکیانی : اوستا میں کویم ھورینو) ارتخشیر کے پاس جا پہنچا، اب ہم اس کو کسی [ایسے] طریق سے اسیر نہیں کر سکتے، لہذا اب تم نہ اپنے آپ کو تھکاؤ اور نہ اپنے سواروں کو تھکاؤ، گھوڑوں کو بھی زیادہ نہ تھکانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ وہ تھک کر مر جائیں؛ ارتخشیر کو کسی اور ترکیب سے قابو میں کرنے کی فکر کرو۔“ جب اردوان نے یہ سنا تو وہ پلٹا اور اپنے جاے گاۓ میں واپس آیا —

شاہ نامہ

(صفحہ ۷۲۵)

ہم انگاہ شد شاہ را دل پذیر اب تو بادشاہ کو یقین آگیا کہ کہ گنجور اور رفت با اردشیر اس کی خزانہ دار (کنیز) بھی اردشیر کے ساتھ چل دی

دل مرد جنگی برآمد ز جای وہ طیش میں بھر آیا اور فوراً

ببالای بور اندر آورد پای گھوڑے پر سوار ہوا

سواران جنگی فراوان بہرہ اپنی کثیر جنگ آزما سپاہ کو تو کفتی ھمی پارہ آتش سپرد ساتھ لایا اور آگ کی طرح

روانہ ہو گیا

برہ بریکی نامور دید جائی راستے میں اس کو ایک
ہسی اندر او مردم و چار پائی بستی ملی جہاں بے شمار
آدمی اور مویشی تھے

پرسید از ایشان کہ شبگیر ہور اس نے اہل قریہ سے پوچھا کہ
شنید ایچ کس بانگ فعل ستور صبح کے وقت کسی نے تاپوں
کی آواز سنی تھی

دو تن بر گزشتند پویان براہ یاکسی نے دو سواروں کو جاتے
یکی بارہ فلک و دیگر سیاہ ہوئے دیکھا ایک سفید اور
دوسرا سیاہ گھوڑے پر سوار
تھا ایک شخص بولا کہ ہاں

یکی گفت کہ ایدر برہ بر گزشت اس راستے سے دو سوار آئے
دو تن برد و اسپ اندر آمد بدشت اور میدان کی جانب چلے گئے
سواروں کے پیچھے پیچھے

بدم سواران یکی غرم پاک ایک نورانی میندھا بھی تھا
چو اسپی ہمی بر پر اگند خاک جو گھوڑوں کی طرح خاک
ازاتا ہوا جا رہا تھا

بدستور گفت آن زمان اردوان اردوان نے دستور سے پوچھا
کہ این غرم یاری چرا شد روان کہ یہ میندھا ان کے پیچھے
کیوں بھاگ رہا ہے

چنین داد پاسخ کہ این فراوست انہوں نے جواب میں کہا کہ
بشاہی زنیک اختری بر اوست وہ فرکیانی ہے اپنے اقبال سے
اردشیر کو بادشاہ بنائے گی۔

گرین غرم دریابد اورا بتاز اگر اس سیندھے نے اردشیر کو
 ہمہ کار گردن بہا بر دراز پکڑ لیا تو ہمارے کرو فر سب
 خاک میں مل جائیگی

فرود آمد آن جائگہ اردوان اردوان اس مقام پر اُتر پڑا
 بخورد و بر آسود و آمدوان کچھ کھایا کچھ آرام لیا اور
 پھر روانہ ہو گیا

ہمی تاختند از پس اردشیر یہ اوگ اردشیر کے تعاقب میں
 ہم پیش اندرون اردوان با وزیر برابر گھوڑے دوڑاتے رہے اردوان
 وزیر کے ساتھ آگے آگے تھا

[پندرہ اشعار (۱۰ تا ۲۴) محفوظ کر دیئے گئے]

بدانگہ کہ بگذشت فیہی زروز جب آدھان تھل گیا اور آفتاب
 فلک راہ پیہود گیتی فروز نصف النہار پر پہنچا
 یکی شارسان دید باونگ و بوی تو شاہ کو ایک اور گلزار آبادی
 بسی مودم آمد بد فزدیک اوی نظر پڑی وہاں کے لوگ اس کے
 نزدیک جمع ہو گئے

چنین گفت با موبدان نامدار بادشاہ نے وہاں کے موبدوں سے
 کہ کی بر گزشتند آن دو سوار سوال کیا کہ دو سوار اس طرف
 سے کس طرح گزرے تھے

چنین داد پاسخ بدو رہنما انہوں نے..... کہا..... کہ
 کہ ای شاہ نیک اختر و پاک را اے خوش نصیب و فہیدہ سلطان
 بدانگہ کہ خورشید برگشت زرد جب آفتاب غروب ہونے لگا اور
 بگسترد شب چادر لاجورد شب نے اپنی تاریک چادر
 پھیلائی

برین شہر بگذشت پویدان دوتن تو دو سوار یہاں سے سرپت گزرے
 پراز گرد و بی آب گشتہ دهن ان کا بدن خاک آلود اور ان کا
 دهن خشک تھا

یکی غرم بود از پس یک سوار ان میں سے ایک سوار کے پیچھے
 کہ چون او ندیدم بایوان نگار ایک میندھا سوار تھا کہ معلوم
 کے نقش و نگار بھی ویسے خوب صورت نہیں ہوتے

چنین گفت بار دوان کہ خدائی اردوان کے صلاح کار نے اس سے
 کز ایدر مگر باز گردی بجای کہا اب یہاں سے واپس لوٹ
 جانا چاہئے

سپہ سازی و ساز جنگ آوری اور لڑائی کا سامان کرنا چاہئے
 کہ اکنون دگر گونہ شد داوری کیونکہ اب حالات کا رخ بدل گیا ہے
 دہ بختش پس پشت او در نشست ارتخشیر کا نصیب بلند اس کے
 ازیں تاختن یاد باشد بدست ساتھ اس کی پشت پر ہے پس
 ہماری کد و کاوش بے سود ہوگی

یکی نامہ بنویس نزد پسر اپنے پسر کو ایک خط لکھا اور
 بنامہ بگو این سخن در بدر اس میں اس واقعہ کا تمام و کمال
 حال قلمبند کر

نشانی مگر یابد از اردشیر ممکن ہے کہ تیرا بیتا ارتخشیر
 نباید • کہ او دوشد غرم شیر کا پتہ چلاے لیکن وہ میندھے کا
 دودھ نہ پینے پائے اور ہاتھ آجائے

* نیاید کہ گردون همان غرم شیر (کارنامک مرتبہ سنجانا -

اقتصادیات شاہنامہ صدحہ ۹) —

چوبشنید زواردوان ایں سخن اردوان نے جو یہ مشورہ سنا تو
بدانست کان کاراوشد کہن اس کو یقین ہو گیا کہ مرے ایام
گردش میں آگئے

ہمان شارسان اندر آمد فرود پھر اردوان اُسی آبانی میں
ہمی داد نیکی دہش را درود اُتر پڑا اور خدا کے سامنے
گڑ گزایا

چو شب روز شد باسدان پگاہ جب شب تمام ہوئی اور دن نکلا
بفرمود تا باز گردد سپاہ تو اس نے سپاہ سے کہا کہ وہ
واپس ہو جائے

بیامد او رخسارہ ہمرنگ نی وہ خود بھی اپنے افسردہ چہرہ
چو شب تیرہ گشت آندر آمد بہ ری کے ساتھ شب تک شہر رے میں
پہنچ گیا

داستان ہفتان بوخت ہفتواد اور سرگزشت کرم کرمان
اس قدر دلچسپ ہے کہ قلم انداز نہیں کیا جاسکتا ، تاہم طوالت
کے خیال سے ہم اس کے وہ اجزا نقل کرتے ہیں جن میں اس
خطرناک جانور کی ہلاکت کا ذکر ہے ، اس کرم کا شہر کرمان
سے تعلق لفظی اشتقاق عامیافہ پر نہیں ہے ، مگر اس سے یہ فکتہ
حل ہو جاتا ہے کہ بعض لوگ جو کرمان کو بافتح کات (کرمان)
لکھتے ہیں ایسے ہیجے کو استعمال کرتے ہیں جو کم سے کم گزشتہ
نویسویں صدیوں میں ایرانیوں نے کبھی استعمال نہیں کیا ، اس سے پہلے
خواہ اس کی صورت کچھ ہو ، اس قسم کا حسن لفظی بوستان
سعدی میں بھی وارد ہوا ہے (مرتبہ گراف صفحہ ۸۷ سطر ۵۳۵)
” ہفتان بوخت “ (ساتوں نے بچا لیا) پر فولدیکی نے نہایت

پر لطف نوت لکھا ہے (ترجمہ کارنامک صفحہ ۴۹ حاشیہ ۴)
 جس میں اس نے بتایا ہے کہ لفظ ” بوخت “ (بچالیا) سے بہت
 نام مرکب ہوئے ہیں، خصوصاً عیسیٰ ٹیوں کے مثلاً ” مارا بوخت “
 خدا نے * بچالیا۔ ” یشوع بوخت یا بوخت یشوع “ عیسیٰ نے
 بچالیا؛ زرتشتیوں میں ” سہ بوخت “ تین † نے (یعنی نیک
 خیالات ، نیک اقوال اور نیک اعمال) بچا لیا؛ ” چہار بوخت “
 چار نے بچالیا کہتے ہیں ، اس کے بعد نولتیکی لکھتا ہے کہ
 ” ہفت “ اردشیر کے مد مقابل کے نام میں سات سیاروں کے
 لئے آبا ہے جو اہرمین ناپاک کی تخلیق سے ہیں، پس یہ نام
 ایسے وجود کے لئے بے حد موزوں ہے جو دوزخ کی قوتوں اور
 شیاطین کے سحر پر مدار رکھتا ہو ، فردوسی نے شاید ضرورت
 بحر سے اس کو ” ہفتواو “ (شاہنامے کی فرہنگوں میں
 اس کے معنی ” سات بیٹوں والا “ درج ہے ‡) بنا لیا اور
 یہ صورت ہفتان بوخت کے درمیانی تین حروف یعنی ان ب
 کو خارج کرنے سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ آخری تین حروف
 (وخت) کو پہلوی رسم الخط میں اوخت بھی پڑے سکتے ہیں
 اور وات بھی § —

* مار سہتدم (سریانی) —

† ہومت ، ہوخت ، ہورشت —

‡ (کارنامک صفحہ ۵۱ سہجانا صفحہ ۲۷) میں بھی یہ لکھا

ہے کہ اس کے سات بیٹے تھے —

§ مگر دارم شعیتر نولتیکی کے اس گہرے خیال کو رد کرتا ہے،

دیکھو ” ایرانی علوم “ جلد دوم صفحہ ۸۲ اور ۸۳ —

کار نامک

پھر اُس نے لوگوں کو کرم کے مقابلے میں بھیجا، بُرجک اور
 بُرجاٹر کو اپنے رو برو بلایا اور ان سے صلاح و مشورہ کیا، پھر
 انہوں نے بہت سے چاندی سونے کے سکے اور کپڑے لٹے، خود
 ارتخشیر نے خراسانیوں کا سالباس پہن لیا اور برجک اور
 برجاٹر کو لیکر قلعہ گدار کے دامن میں جا پہنچا اور کہا ”میں
 خراسان کا باشندہ ہوں اپنے خداوندان + عالی مرتبہ کی اس
 مہربانی کا خواستگار ہوں کہ مجھے کو اس بارگاہ کی
 پرستش کی اجازت دی جائے“ بت پرستوں نے ارتخشیر کو
 مع اس کے دو ساتھیوں کے قلعہ میں داخل کر لیا اور خانہ
 کرم میں ان کو جگہ دی، تین دن تک ارتخشیر نے اداے
 عبادت اور خدمت کرم میں نہایت سرگرمی دکھائی
 خدام کو چاندی سونے کے سکے اور کپڑے دئے، ان چیزوں
 کو دیکھ کر ساکنان قلعہ حیران رہ گئے اور سب نے ارتخشیر
 کو آفریں کہی، آخر اردشیر نے کہا کہ ”میری آرزو ہے کہ
 مجھے تین دن تک کرم کو اپنے ہاتھ سے خورش دینے کی
 اجازت دی جائے“ خدام اور ملازم سب نے اس کی اجازت
 دے دی۔ پھر اردشیر نے سب کو رخصت کر دیا اور اپنی

* یہ عبارت پروفیسر براؤن نے کسی وجہ سے حذف

کر دی ہے۔ —

+ صلحانا مہین واحد

فوج کے چار سو ہنرمند اور جانشینار والا گوہر جوانوں کو حکم دیا کہ وہ قلعہ کے سامنے پہاڑ کی ایک جھوت میں چھپ کر بیٹھ جائیں اور فرمایا کہ ”آسمان * کے دن اگر تم قلعہ کرم سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھو تو مردانگی اور ہنرمندی دکھانا اور دامن قلعے میں آکھڑے ہونا“۔ اس دن ارتخشیر نے پگلا ہوا پیتل + خود اٹھایا اور برجک و برجاً تر نے خدا کی حمد و ثناء † کہی۔ پھر جب کرم کی خورش کا وقت آیا تو وہ روز کی طرح چلایا۔ ارتخشیر نے کرم کے خادم اور دربانوں کو پہلے ہی سے کھانے کے وقت شراب پلا کر مست و بے ہوش کر دیا تھا، پیر اردشیر خود نوکروں کے ساتھ کرم کے پاس گیا اور ہمراہ کرم کا راتب یعنی بیل اور بھیڑوں کا خون جس طرح اس کو روز دیتا تھا اس کے پاس لے گیا، لیکن جونہی کرم نے خون پینے کو اپنا منہ کھولا اردشیر نے پگلا ہوا تانبا اس کے منہ میں اتار دیا اور جب یہ جسم کے اندر پہنچا تو کرم پوت کر دو تکرے ہو گیا اور اس سے اتنا شور ہوا کہ قلعے کے سب آدمی اُس

• مہینے کی ستائیسویں —

+ پہلوی روٹی - پروفیسر براون اس کا ترجمہ کہیں پیتل کر رہے ہیں کہیں تانبا۔ اس لفظ پر دیکھو سنجانا کا نرت ۱۱ صفحہ ۳۳ کارنامک) —

† پہلوی مطابق ”فارسی“ نیرشلی وازیشنی یزدانی
فواز کردند —

جانب دروڑے اور سارے قلعے میں آشوب بپا ہو گیا، اردشیر نے شمشیر و سپر سلجھالی اور قلعے کے بہت لوگوں کو زخمی اور قتل کیا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ ”آگ روشن کرو تاکہ اس کا دھواں دلاوران غار کو نظر آ جائے، نوکروں نے اس کی تعمیل کی اور جس وقت ان بہادروں نے قلعہ سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھا تو وہ تیزی کے ساتھ اردشیر کی مدد کو قلعے کے دامن میں آئے اور یہ نعرہ مارتے ہوئے زبردستی اندر گھس گئے کہ ”پیروز پیروز باد ارتخشیر“ شاہ شاہان،
پاپکانی —

شاہ نامہ

(۷۳۲)

وزان جایگہ * شد سوئے جنگ کرم وہاں سے کرم کے ساتھ سپاہش ہمہ کردہ آہنگ کرم اترنے کے لئے چلا ادھر کو چلی فوج بھی

بیارود اشکردہ و دو ہزار بارہ ہزار فوج اس جہاندیدہ و کار کردہ سوار جہاندیدہ و کار کردہ نے جمع کی

* اقتباسات شاہنامہ ماحقق بہ کارنامک مرتبہ سنجانا

پراگندہ لشکر چو شد ہم گروہ بکھری ہوئی فوج جب اکٹھی
 بیاورد شان تا میان دو کوہ ہو گئی تو وہ اس کو دو
 پہاڑوں کے درمیان میں لے آیا

یکے مرد بد نام او شہر گیر فوج میں شہر گیر نام کا
 خرد مند و سالار شاہ اردشیر ایک خردمند سپہ سالار تھا
 چنیں گفت بس شاہ با پہلوان بادشاہ نے اس پہلوان سے کہا
 کہ ایدر بھی باش روشن روان کہ اے فرزاند فوج کو یہاں
 روک کر

شب و روز کردہ تلائے بیائی دن رات کا پھرہ قائم کر دے
 سواران با دانش و رہنمائی اور اس کام کے لئے ہوشیار
 سواروں کو چن

ہماں دیدہ بان دار و ہم پاسبان دیدہ بان اور پاسباں الگ ہوں
 نکھدار لشکر بروز و شبان اور لشکر ہر طرح سے
 محفوظ رہے

من اکنون بسازم یکے کیمیا میں ایک حکمت عملی
 چو اسفندیار آنکہ بودم نیا * سوچتا ہوں اور اپنے بزرگ
 اسفندیار کی طرح ترکیب
 سے کام نکالتا ہوں

* اس شعر میں دو ٹہن وڑ کی طرف اشارہ ہے جس
 میں اسفندیار سوداگر کا بھیس بدل کر داخل ہو گیا تھا - دیکھو
 شاہنامہ مرتبہ مہکن جلد سوم صفحہ ۱۱۴۳ و فیرہ —

اگر دیدہ بان دود بیند بروز اگر پہرہ والے دن کے وقت دھواں
شب آتش چو خورشید گیتی فروز دیکھیں یا شب کو آگ مثل

سورج کے روشن کونے والی بدافیدہ کامد بسر کار بکرم
تو جان لینا کہ کرم کا کام تھام

گزشت اختر و روز بازار کرم ہوا، اس کا ستارہ تاریکی میں
آگیا اور زور شور جاتا رہا

گزین کرد از ان مہتران ہفت مرد پھر فوج میں سے اس نے سات
دلیران و شیران روز نبرد آدسی چنے جو مثل شیروں کے

دلیر تھے —

ہم آفکس کہ بودے ہم آواز اوئی جتنے بھی اس کے صلاح کار اور
نگفتے بہاد ہوا راز اوئی مشیر تھے وہ ہوا کو بھی راز

بسے گوہر از گنج بگزید نیز پھر خزانے سے اس نے بہت سے
ز دیباہ و دینار و ہر گونہ چیز گوہر، ریشمی کپڑے، دینار اور

ہر قسم کی چیز لی ہر شے کو ناچیز سمجھ کر بھر لیا
اور دو صندوق سیسے اور قلعی سے بھرے

بچشم خرد چیز ناچیز کرد ہر شے کو ناچیز سمجھ کر بھر لیا
دو صندوق پر سرب و از ریز کرد

یکے دیگ روئین ببار اندرون اپنے سامان میں اس نے ایک پیتل
کہ استاد بود او بکار اندرون کی دیگ بھی رکھی کیونکہ وہ

ہر کام میں استاد تھا لینے کی چیزیں جب وہ آئے چکا تو
مہر آخور سے دس خر طلب کئے

چو از بردنی کارھا کرد راست ز سالار آخور خر دہ بخواست

چو خر بندھا جاسہائے کلیم گدھوں پر گدھوں کے بورے تھے
 بپوشید و بارش ہمہ زر و سیم مگر بوروں میں سامان تھا
 زر و سیم کا

ہمیشہ خلیدہ دل و راہ جوے اب سوچتے سمجھتے لشکر سے
 ز لشکر سوے وژ نہادند روے قلعے کی طرف چلے
 ہماں روستائی دو مرد جوان اس نے ان موجودہ جوان مردوں
 کہ بودند روزے ورا میزبان کو جنہوں نے اس کو ایک موقع
 پر پناہ دی تھی

ازان انجمن برد با خویشتن ہمراہیوں میں سے چھانتا
 کہ ہم دوست بودند و ہم راے زن کیونکہ وہ دوست بھی تھے اور
 صلاح کار بھی

چو از راہ نزدیک آن وژ شدند جب یہ لوگ قلعے کے قریب
 ببردند بر کوہ و دم بر زدند پہنچے تو پہاڑی پر چڑھ کر
 ذرا سستانے لگے

پرستندہ کرم بد شصت مرد کرم کی خدمت پر ۶۰ آدمی
 نہ پرداختے یک تن از کار کرد مامور تھے اور ہر وقت اس کے
 پاس حاضر رہتے تھے

نگہ کرد یک تن بآواژ گفت ان میں سے ایک آدمی نے اردشیر
 کہ صندوق را چیسٹ اندر نہفت کی جماعت کو دیکھا اور پوچھا
 کہ صندوق میں کیا ہے

چنین داد پاسخ بدو شہر یار اردشیر نے یہ جواب دیا
 کہ ہر کوئے چیز دارم ببار کہ سرے ساتھ ہر شے لدی
 ہوئی ہے

ز پیرایہ و جامہ و سیم و زر لباس کپڑے، سونا چاندی،
 ز دیبا و دینار و خز و گہر ریشم جواہرات اور جامہ زرنگار
 ببازار گانے خراسانیم میں خراسانی تاجر ہوں راحت
 برنج اندرون بد * تن آسانیم کورنج سے بدلنے کے لئے
 نکلا ہوں

بسے خواستہ دارم از بخت کرم کرم کے کرم سے بے شمار مال و
 کنون آمدن شاد تا تخت کرم دولت کا مالک ہوں اس
 وقت میں خوشی کے ساتھ اس
 کے حضور میں آیا ہوں

اگر بر پرستش فدایم رواست اگر میں اس کی خدمت کروں
 کہ از بخت وے کارماگشت راست تو مجھے کو زیبا ہے کیونکہ
 اس کی برکت سے میرا ستارہ
 بخت چمکا ہے

پرستندہ کرم بشنید راز جب کرم کے محافظوں نے یہ
 ہم انگہ در وژ کشادند باز عجیب بات سنی تو اسی وقت
 قلعہ کے دروازے کھول دیے
 چوں آن بارہا راند اندر حصار اور جب سامان قلعے کے اندر
 بیاراست کار آن شہ فامدار پہنچ گیا تو ارد شیر نے اپنا
 کام شروع کیا

سر بار بکشد زود ارد شیر توہمایوں کو جلد جلد کھول کر
 بہ بخشید چیزے کہ بد ناگزیر جس شخص کو جو چیز مطلوب
 تھی دی

یکے سفرہ پیش پرستندگان پھر اس نے محافظوں کے سامنے
 بگستردو برخاست چون بندگان کھانا چنا اور خود مثل فوکروں
 کے کھڑا ہو گیا

ز صندوق بکشاں بلد کلید اس کے بعد اس نے قفلوں کو
 برآورد و پر کرد جام نبید کھولا اور شراب سے جام بھرے
 ہر آنکس کہ زب کرم بردے خورش لیکن ہر اُس شخص نے جو کرم
 ز شیرو برنج انچہ بد پرورش کی غذا مثلاً شیرو برنج کرم کے
 پیاس لیجاتا تھا

بہ پیچید گردن ز جام نبید شراب کی طرف سے اپنا منہ
 کہ فوبت بدش جائے مستی بدید سوڑ لیا مبادا وہ بدمست ہو کر
 اپنے فرض سے نہ چوک جائے

چوبنشت برپائے جست اردشہر اس پر اردشیر اپنی جگہ سے
 کہ باسن فراوان بونج است و شیر تپ کر اُٹھا اور کہا کہ میرے
 پیاس برنج و شیر بہتیرا ہے

بدستوری سر پرستان سہ روز میں درخواست کرتا ہوں کہ
 سر اورا بخوردم منم دلفروز تین روز تک مجھے ہی کو اجازت
 ہو کہ میں کرم کو کھانا کھلا کر
 اپنا دل خوش کروں

مگر من شوم درجہان شہر اور اس طرح سے ایک عالم میں
 مرا باشد از اخترش بہرہ نام پیدا کروں اور کرم کی
 برکت سے مزید سعادت حاصل

کہو

شہامی گسارید خرم سہ روز تم لوگ مزے سے تین دن شراب
 چہارم چوخورشید گیتی فروز پیو اور چوتھہ روز طلوع آفتاب پر
 برآید یکی کلبہ سازم فواخ میں ایک کشادہ قیام گاہ اپنے
 سر طاق بوتور زیوار کاخ واسطے بذالونگا جو محل کی
 چوٹی سے زیادہ رفیع ہوگی
 فروشدہ ام ہم خریدار جوئی میں سوداگر تو ہوں لیکن
 فزاید مرا نزد کرم آبروئی مجھے خدمت کا بھی شوق ہے
 اس سے کرم کی نظروں میں
 میری آبرو بڑھ جائیگی

برآمد ہمہ کام وی زین سخن ایسی چکنی چپڑی باتوں نے
 بگفتند کورا پرستش توکن ان لوگوں پر اثر کیا اور وہ
 راضی ہو گئے کہ تم ہی کرم کی
 خدمت کرو

براور فرزندہ ہر گونہ رنگ اب اردشیر اپنے مقصد کے لئے
 پرستندہ بنفشست بائے بچنگ طرح طرح کے کام کرنے لگا اور
 کرم کے محافظ عیش و نشاط میں
 مصروف ہو گئے

بہ خوردند چیزى و مستان شدند انہوں نے شراب پی ہی تھی
 پرستندگان سے پرستان شدند کہ محافظوں سے بے خوار بن گئے
 چوا ز جام سے مستان شدروان جب وہ لوگ نشے میں بالکل
 بیامد جہاندار با میز بان چور ہو گئے تو اردشیر اپنے
 ساتھیوں کے ساتھ آیا

بیارود ارزیز و روئیں کوید قلعی لایا اور پیتل کی دیگ
 بر افروخت آتش بروز سفید پھر اس نے دن کے وقت آگ جلائی
 چون آن کرم را بود گاہے خورش کرم کے کھانا کھانے کا وقت آیا
 ز ارزیز جوشاں بدش پرورش تو اس کے لئے کھولتی ہوئی
 قلعی تیار ہوئی

سوے کندہ آورد ارزیز کرم اور کرم کرم اس کے گڑھے کے
 سراز کندہ برخاست آن کرم فرم پاس رکھی گئی کرم نے آہستہ
 سے اپنا سر اُٹھایا

زبانش بدیدند ہم رنگ سنج اس کی زبان پیتلی جھانچ
 بدانسان کہ از پیش خوردی برنج کے مانند نظر آئی ایسی حالت
 میں جب کہ وہ برنج کھایا
 کرتا تھا

فروریخت ارزیز مرد جوان اردشیر نے قلعی کو اس کے
 بکندہ درون کرم شد ناتوان جبروں میں الت دیا اور وہ
 اپنے گڑھے میں بے جان ہو کر
 تر پئے لگا

طراقی بر آمد ز حلقوم اوی اس کے حلق سے تراق سے ایک
 کہ لرزان شدہ کفدہ و بوم اوی آواز نکلی کہ قلعہ اور گڑھا
 دونوں متوازن ہو گئے

بشد با جوانان چو باد اردشیر اردشیر اور اس کے ساتھی
 کشیدند گویاں و شمشیر و تیر پھرتی کے ساتھ گویاں و شمشیر
 و تیر لے کر تیار ہو گئے —

پرستندگان را کہ بود نہ مست محافظ شراب سے بدست
 یکی زندہ از دست ایشان نہ رست تھے ہی، کسی کو ان کے ہاتھ
 سے نجات نہ ملی

بر انگیزت از بام دژ تیرہ دود قلعے سے سیاہ دھواں اٹھایا
 دلیری بہ سالار لشکر نمود تاکہ اطلاع کا مرانی سالار
 لشکر کو مل جائے

دوان دید بان شد بر شہر گیر دیدبان نے جب یہ دیکھا تو
 کہ فیروز گر گشت شاہ اردشیر شہر گیر کے پاس دوڑا اور
 اس کو اردشیر کی کامیابی
 سنائی

بیامد سبک پہلوان با سپاہ شہر گیر فوراً اردشیر کے پاس
 بیاورد لشکر بنزدیک شاہ مع سپاہ کے آیا اور سپاہ کو
 پیش کیا —

اردشیر کا تاریخی وجود افسانوں سے گھرا ہوا ہے	گزشتہ بیانات سے دو باتیں پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں ایک تو یہ کہ فردوسی نے پہلوی افسانوں کو کہاں دیانت کے

ساتھ استعمال کیا (فولدیکی نے ثابت کیا ہے کہ ان افسانوں
 کو فردوسی نے پہلوی متنوں سے نہیں لیا بلکہ ان کے فارسی
 ترجموں سے) - اور دوسری یہ کہ ” ارتخشیر ملکان ملکا ایران
 وان ایران بری پاپکا ملکا (یعنی اردشیر شہنشاہ ایران
 وغیر ایران بن شاہ پاپک) کی شخصیت کے گرد و پیش
 افسانوں کا کتنا زبردست جال پھیلا ہوا ہے ، حالانکہ وہ
 فی الحقیقت ایران کا بادشاہ تھا اور ایک تاریخی انسان

تھا، اس کی تصدیق نہ صرف تاریخی نوشتوں بلکہ ان سکے اور کتبوں * سے بھی ہوتی ہے جن پر اس کے عہد کی تاریخیں ثبت ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اردشیر ہی کے زمانے سے حالات ایران کتبات اور افسانوں کی تاریکی سے نکل کر تاریخ کی روشنی میں آنے لگے ہیں (فسانۂ سکندر جیسا کہ اوپر دیکھ چکے ہیں خارجی افسانہ ہے) اس نکتے کو ابن واضح الیعقوبی نے تاریخ یعقوبی (مرتبہ ہوتسما جلد اول صفحات ۱۷۸ - ۱۷۹) جو نوین صدی عیسوی کے آخر میں گزرا ہے، بالفاظ ذیل ادا کیا ہے : —

ایرانی روایات اور ایرانی تاریخ پر یعقوبی کا خیال	” اہل ایران کا عقیدہ ہے کہ شاہان ایران فوق الفطرت خصایل رکھتے تھے مگر کون

شخص ہے جو ایسی لغو باتوں پر کان
دھرتا ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ
ایک انسان کے متعدد منہ اور متعدد
آنکھیں نکل آئیں، یا کسی کا منہ
تانبے کا ہو + یا کسی کے شانوں پر
دونگ † ہوں اور آدمی کا بھیجا

• نقش رستم میں دیکھو کیر پورترج اول پلیمٹ ۲۳، صفحہ

۵۴۸؛ اور فلانڈین چہارم ۱۸۲ —

+ غالباً اسفلدیار روئیں تن سے مراد ہے —

† یہاں صعاک کی طرف اشارہ ہے —

کہا کر جیتے ہوں ، کوئی بادشاہ
 صدیوں تک زندہ رہے ، کوئی موت
 کو افسانہ سے دور رکھے ، وغیرہ
 یہ سب منخرافات اور معض
 گھڑے ہوئے افسانے ہیں ، ان
 کی کوئی بنیاد نہیں اور عقل ان
 کو تسلیم نہیں کرتی ۔ خود ایرانیوں
 میں وہ لوگ جن کو خدا نے عقل سلیم
 دی ہے علم و آگاہی بخشی ہے ، جو
 صاحب گوہر شاہزادے اور امیر زادے
 ہیں اور جو مہران روایت اور بہرہ
 اندوز شایستگی ہیں وہ نہ تو ایسی
 باتوں پر یقین لاتے ہیں ، نہ ان کا
 دعویٰ کرتے ہیں اور نہ اعادہ ، ان
 کے نزدیک دولت ایران کی تاریخ
 اردشیر بابکان کے عہد سے شروع ہوتی
 ہے ، لہذا ہم نے بھی ان افسانوں
 کو بے بنیاد سمجھ کر چھوڑ دیا ہے ،
 کیونکہ ہمارا طریق واقعہ نگاری اس
 کی اجازت نہیں دیتا ” —

شاہ پور اول | شاہ پور ابن اردشیر کی پیدائش اور شناخت
 کی بابت جو دل آویز افسانہ کار نامہ شاہ فانی
 اور عربی تاریخوں میں درج ہے اس کو ہم طوالت کے باعث

قلم انداز کرتے ہیں مگر شاپور کا نام مغربی تاریخوں میں
حلی قلم سے لکھا ہوا ہے ، اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے کامیاب
یورشوں سے رومیوں کا فاطقہ بند کر دیا تھا اور بادشاہ
ویلرین کو زندہ پکڑ لایا تھا ، نقش رستم اور شاپور * کی
نقاشی ! اور بت تراشی انہی واقعات کی

شاپور کے کتبے

یادگار ہیں ۔ یونانی ترجمہ جو نقش رجب
میں شاپور کے دو لسانی اور مختصر پہلوی کتبے (جس سے
ساسانی اور ہخامنشی کتبات پڑھنے کی ابتدا ہوئی) کے
ساتھ کندہ ہے وہ غالباً کسی یونانی اسیر جنگ کا کام معلوم
ہوتا ہے ۔ حاجی آباد کے بڑے کتبے میں ابھی بعض باتیں
حل نہیں ہو سکتیں ؛ گو قہامس (۱۸۶۸) ویست (۱۸۶۹)
حاجی آباد | ہاگ (۱۸۷۰) اور دیگر محققین نے بڑا زور
کا کتبہ لگایا ہے اور اس کی عمدہ نقالیں (سانچے) چرے

اور فوتو) بھی موجود ہیں ۔ قہامس نے پہلوی کے تہام
معلومات کتبات کو شایع کر کے ایک بہت بڑی خدمت انجام
دی ہے مگر جس قدر کامیابی کہ اس کو حروف شناسی میں
ہوئی ، اس قدر معنی سمجھنے میں فہم ہو سکی ، اس کا
ترجمہ عجیب و غریب معانی پر مشتمل ہے کیونکہ اس نے

* دیکھو ” پدرشیا “ مصنفہ لارڈ کرزن جلد دوم صفحہ

۱۲۰ اور ۲۱۱ —

+ ابن البخلی فارس نامہ (مطبوعہ برلن صفحہ ۵۰ سطر ۱)

پر اس اصطلاح کو Sculpturi کے معنی میں استعمال کیا ہے —

بعض کتبوں کی تشریح کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان میں سلاطین ساسان نے خدائے یہود و نصارا کو تسلیم کیا ہے۔ تھامس کے مفہوم اور دیگر محققین مذکور کے تراجم میں اقتدا زبردست فرق ہے کہ لارڈ کرزن اپنی تصنیف ”پرشیا“ کی جلد دوم صفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۷ میں لکھتا ہے:—

”کتبات حاجی آباد کے مختلف ترجموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو پہلوی حروف کی شناخت محققانہ درجے تک نہیں پہنچی، مجھے یہ تو مستور تھامس کے مائل بہ نصرانیت خیال کا یقین اور نہ ڈاکٹر ہاک کے غیر اندازی کے مضمون پر اعتبار، اگرچہ آخر الذکر اکثر اہل تحقیق کو اپنا ہم نوا کرچکا ہے، میں بے حجابانہ جہالت کو ان خیال آفرینیوں سے زیادہ محفوظ سمجھتا ہوں“—

تاہم جس شخص کو تفحص و توازن دلائل کی ذرا بھی تمیز ہے وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہاک اور ویست کے ترجمے عام طور پر صحیح ہیں اور یہ کہ ان دونوں کو تھامس پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ کتابی پہلوی سے بہرہ ور تھے اور یہ بالکل نا آشنا۔ ساسانی پہلوی عبارت کے ایک سو پندرہ الفاظ میں سے نصف درجن الفاظ کے معنی ہندو مشتبہ ہیں اور شومےء بغت سے یہ وہ الفاظ ہیں جن کے سبب سے پورا مطلب اٹکا ہوا ہے، باقی الفاظ اور کتبے کی

ساتھ چھ سطریں صاف ہیں۔ ابہام مطلب کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اُس رسم کی حقیقت سے نا بلد ہیں جو کتبے میں مذکور ہے اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ بادشاہ نے اپنے چھوٹے اور سونے غار سے جو تیر میدان میں پھینکا تھا اس کی اصل غرض کیا تھی۔ تاہم ان چیزوں کی فطائر بالکل مفقود نہیں، ساسانی عہد میں موقعہ انتخاب کرنے کے لئے اکثر تیر پھینکا جاتا تھا۔ چنانچہ طبری (مترجمہ فولادیکی صفحہ ۲۶۳ اور ۲۶۴) اور دنیوری صفحہ ۶۶ میں لکھتا ہے کہ ایرانی جنرل اور فاتح کورنر یمن و ہرز کا آخری وقت قریب آیا تو اس نے تیر و کھان طلب کر کے خادموں سے کہا کہ مجھے کو ذرا اوپر اُٹھاؤ اور ایک تیر ہوا میں چھوڑ کر نزدیک والوں کو حکم دیا کہ وہ تیر گرنے کی جگہ پر نشان بنالیں اور وہاں اس کے لئے ایک مقبرہ تیار کریں؛ اغلب ہے کہ شاپور کا تیر بھی جس کا حاجی آباد کے کتبے میں ذکر آتا ہے اسی مقصد کے ساتھ کھان سے جدا ہوا ہو، لیکن یہ تحقیق نہ ہو سکا ورنہ کتبے کا پورا مفہوم آئینہ * ہو جاتا۔

حاجی آباد کے کتبے	مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کے
کا ترجمہ ایف ملر	سلسلے میں فریڈرک ملر کے پر مغز اور
کے قلم سے	نئے ترجمے (مطبوعہ وائٹا اوری انٹل

* انتخاب موقعہ کے لئے تیر کا استعمال اسلامی دور تک رائج تھا بلکہ عرب و ایران دونوں قومیں اس ذریعے سے کام لیتی تھیں، دیکھو کتاب فتوح البلدان بلاذری (مترجمہ دخویہ صفحہ ۲۷۶) نیز کتب ثانی سلاطین باب ۱۳، آیات ۱۴ تا ۱۹ سے مقابلہ کرو۔

جرنل مال سنہ ۱۸۹۲ء جلد ششم صفحہ ۷۱ تا ۷۵) کا ذکر کیا جائے، فریڈرک نے ہومر کی الیڈ (۲۳ - ۸۵۲) کے ایک مقام اور چارلس ششم (”میریہ قہریسہ اور جو سف دوم“ از ایم برمن، صفحہ ۳۸) کے ایک واقعہ زندگی کی تمثیل و تشبیہ قائم کر کے بتایا ہے کہ کتبے کے لفظ ”مینو“ (= روح بخیاں ھاگ) کو ایک ایسا اعزاز و امتداد و شاہی لقب مان لینا چاہئے جیسے کہ آج کل ترکی و ایران کا لقب ”عالی“ اور چین کا ”آسمانی“ ہے، دوسرے لفظ ”چیتاک“ کو (= چیتگ = پتھر کا تیر، بلوچی زبان میں) ستون کے معنوں میں جو بطور نشانے (—؟ ہومر) کے کھڑا کر دیا گیا ہو سمجھنا چاہئے اور لفظ ”ویاک“ (— ہومر) کو بمعنی پرندے کے، اس کے بعد وہ حاجی آباد کے مبہم کتبے کے مفہوم کو یوں ترجمہ کرتا ہے:—

یہ میرا فرمان ہے پرستار مزد شاہپور کا
جو دیوتاؤں کی صف میں ہے، ایران
اور غیر ایران کے بادشاہوں کا بادشاہ
ہے اور خدا کی آسمانی نسل سے ہے، اور
بیٹا ہے پرستار مزد ارتخ شیر کا جو
دیوتاؤں کی صف میں تھا، ایران کے
بادشاہوں کا بادشاہ اور خدا کی آسمانی
نسل سے تھا اور پوتا ہے پاپک کا جو
دیوتاؤں کی صف میں اور بادشاہ تھا۔
اور جبکہ ہم نے یہ تیر چلایا تو
اسکو صوبہ داروں شہزادوں امرا و شرفا

کی موجودگی میں چلایا، ہم نے اس پتھر*
 پر قدم رکھ کر ان نشانوں میں سے ایک
 نشانے پر تیر مارا، مگر جہاں تیر پڑا
 اس کے نزدیک کوئی پرندہ نہ تھا اور
 اگر وہاں نشانہ سیدھا نصب ہوتا تو
 تیر صاٹ (یا زمین میں گڑا ہوا)
 نظر آتا۔ —

”پھر ہم نے حکم دیا کہ ایک نشانہ
 اعلیٰ حضرت کے لئے مخصوص کر کے الگ
 نصب کیا جائے، آسمانی ہاتھ (یعنی
 بادشاہ کے ہاتھ) نے یہ لکھا :-

”خبردار نہ کوئی شخص اس پتھر
 پر قدم رکھے اور نہ اس نشانے پر تیر
 چلائے۔“ اس کے بعد میں نے شاہی تیر سے
 ان نشانوں پر نشانہ لگایا -
 یہ (بادشاہ کے) ہاتھ کا نوشتہ ہے۔ —

مانی اور پیروان مانی

مانی اور اُس کی تعلیم	جیسا کہ علامہ البیرونی (گیارہویں صدی عیسوی) کے تصنیف آثارا لباقیہ مترجمہ

* غالباً ”اُس جگہ“ سے مراد ہے کیونکہ نولدکی (دیکھو
 پرسی پولس از شتوالت جلد دوم کا دیباچہ) اس لفظ کو
 جو اب تک دیگی یا دیگی تصور کیا گیا تھا، دو کی (= آرامی
 دوخا) بمعنی جگہ پڑھتا ہے۔ —

زخاؤں (صفحہ ۱۲۱) سے پتہ چلتا ہے مانیز یا مانی مذہب مانویہ کا بانی دور پارتھوی کے اختتام اور بادشاہ اردوان (۲۱۵ - ۲۱۶ ع) کے چوتھے سال میں پیدا ہوا تھا، اس کا مذہب ابتدا سے لیکر بدبخت فرقہ الہی جین سیہ کے اخراج یعنی تیرھویں صدی عیسوی تک ایشیا اور یورپ دونوں براعظموں میں بڑے بڑے مظالم کا تختہ مشق بنا رہا، زرتشتیوں نے اس کے استیصال میں کوئی کسر نہ کی، عیسائیوں نے اس کی جڑ کاٹی، مگر باوجود اس کے وہ صدیوں تک ہزارہا دلوں پر حکومت کرتا رہا اور مشرق و مغرب کے مذہبی خیالات کو اس نے اپنے شکنجہ اثر میں دبائے رکھا —

مانی نظام ملت خدما صفا کے اصول پر قائم تھا، اور اگرچہ مانی نے قدیم مذہب بابل اور بدعت کی تعلیمات سے بہت سا مواد حاصل کیا لیکن بقول مورخ گمن اُس کی تمام تر جدو جہد کا منشا یہ تھا کہ ”عیسویت اور زرتشتیت دونوں کے عقاید کو باہم بغل گیر کرادے“ مگر اس کا صلہ یہ ملا کہ اُس پر ایک جانب سے نصرانی اور دوسری طرف سے ایرانی ٹوٹ پڑے تاہم چونکہ وہ یقیناً ایرانی حکومت کی رعایا تھا اور غالباً وہ کم سے کم اُس ایک جانب سے ایرانی تھا اس لئے اس کے نظام میں مسیحیت پر زرتشتیت کا رنگ غالب ہے؛ اس نے ایک کتاب بادشاہ شاپور کے لئے لکھی تھی، اسے یقین تھا کہ وہ اس ترکیب سے بادشاہ کو اپنی تعلیم کا حلقہ بگوش

کرلے گا مگر شاپور کے جانشینوں میں سے ایک فرمانروا نے اس کو نہایت بے دردی سے قتل کرادیا * اس کتاب کا نام شاپورقان تھا یا شاپہرکان ' اس کی نسبت البیرونی کا خیال ہے کہ "فارسی کتب میں یہی ایک وثوق کے لایق ہے" کیونکہ "مانی نے اپنے احکامات میں دروغ بیانی سے روکا ہے اور اسے کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ تاریخی واقعات کو بدل دیتا" —

حالات اور تعلیم مانی کے ماخذ	مانی کی تفصیل حیات اور تعلیم و تصنیف کا حال مشرقی اور مغربی دونوں ماخذوں

سے فراہم ہو سکتا ہے لیکن جب سے کہ مورخان ایشیا کی بالخصوص فہرست ' البیرونی ' ابن واضح ' الیعقوبی ' اور ' شہرستانی * کی تصنیفات ملنے لگی ہیں ' عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ مشرقی بیانات اُن معلومات سے زیادہ قابل سند ہیں جو سینٹ آکسٹائن کی تالیف اور "اعمال آرکیلاس" وغیرہ میں

* فہرست (سنہ ۹۸۷ کی تصلیف) مرتبہ فلوگل صفحات ۳۲۸-۳۳۸، فلوگل نے مانی کے حالات فہرست سے لیکر مع ترجمہ جرمن الگ بھی شایع کئے ہیں اور اس پر مقدمہ اور حواشی لکھ ہیں (۱۸۶۲) —

آثار الباقیہ البیرونی مترجمہ ذخائر صفحات ۲۷ ' ۸۰ ' ۱۲۱ ' ۱۸۹ ' ۱۹۱ ' ۲۲۵ اور ۳۲۹ ' ابن واضح مرتبہ ہوتس ما جلد اول صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۲ —

شہرستانی مترجمہ ہاربرگر برتاں جرمن ' جلد اول صفحہ ۲۸۵ - ۲۹۱ ' نہز دیکھو - عجم از اسپہگل جلد دوم صفحات ۱۹۵ تا ۲۸۲ علاوہ ہوائے سہر (۱۷۳۴) موشام ' ہاؤر ' اور کیسلر کے —

درج ہیں اور جن پر قدیم الایام میں یورپ کے ارباب قلم نے اس نامور شخص کے حالات لکھنے میں تکیہ کیا تھا۔ طوالت کا لحاظ دامن گیر ہے اس لئے ہم اس موضوع کو 'جس کی مکمل بحث کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو فوت مندرجہ کے آخر میں بیان کی گئی ہیں' چند صفحات میں محصور رکھیں گے۔ مفصلہ بالا عربی کی چار کتابوں میں سے الیعقوبی کا ہنوز کسی یورپ کی زبان میں ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ پہلے ہم اس کا بیان ترجمے کے ذریعے سے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، پھر بعض ایسے خیالات کا اضافہ کر دیں گے جو خاکۂ مضمون کی مزید صراحت کے لئے ضروری ہوگا۔

الیعقوبی کا بیان | زندیق مانی ابن حماد شاپور بن ارد شیر کے عہد میں ظاہر ہوا، اس نے شاپور کے

(زرتشتی) مذہب کو باطل ٹھہرایا اور اس کو اپنی تعلیم ثنویت کی طرف بلایا، اور شاپور ساڈل بھی ہو گیا۔ مانی کہتا تھا کہ کائنات میں متصرت دو ہیں اور ازلی و ابدی عناصر دو ہیں، نور اور ظلمت، خالق دو ہیں خالق خیر اور خالق شر۔ نور و ظلمت میں سے ہر ایک پانچ صفات یعنی رنگ، ذائقہ، بو، لمس، اور صوت سے متصف ہے، انہی کے ذریعے سے وہ سنتے دیکھتے اور علم حاصل کرتے ہیں؛ جو کچھ اچھا اور مفید ہے اس کا منبع نور ہے اور جو کچھ برا مضر اس کا منبع ظلمت ہے۔

ابتدا میں یہ دونوں (عناصر) الگ الگ تھے، بعد میں وہ ایک دوسرے سے مل گئے؛ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے کچھ نہ تھا بعد

میں حوادث کا وجود ہونے لگا۔ ظلمت کی طرف سے اس آمیزش کی ابتدا ہوئی، کیونکہ پہلے وہ ایک دوسرے سے اس طرح متصل تھے جیسے سایا اور دھوپ؛ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز کے بغیر وجود میں لانا ممکن نہیں۔ آمیزش کی ابتدا ظلمت کے طرف سے ہوئی، سبب یہ ہے کہ ظلمت و نور کی آمیزش آخرالذکر کے لئے مضر تھی، ناممکن ہے کہ ابتدا نور نے کی ہو، کیونکہ نور فطرتاً خیر ہے۔ اس بات کی شہادت کہ خیر و شر دونوں ازلی وابدی ہیں، اس سے ملتی ہے کہ ایک شے کا وجود تسلیم کیا جائے تو اس سے دو متضاد فعال پیدا نہیں ہو سکتے۔ مثلاً آگ، گرم اور جلتی ہوئی چیز ہے، اس لئے وہ چیزوں کو تھنڈا نہیں کر سکتی، اسی طرح جو چیز تھنڈا کر سکتی ہے وہ گرم نہیں کر سکتی؛ جو شے باعث خیر ہو وہ شر نہیں پیدا کر سکتی، اور جو فاعل شر ہے وہ خیر نہیں پیدا کر سکتی۔ اس کا ثبوت کہ یہ دونوں عنصر زندہ اور عامل ہیں یہ ہے کہ خیر ایک کا نتیجہ ہوتا ہے اور شر دوسرے کا۔“

”اس تعلیم کو شاپور نے مان لیا، اور اپنی رعایا کو ترغیب دی کہ وہ بھی اس کی تقلید کرے۔ مگر اس سے رعایا کو صدمہ ہوا، سلطنت کے دانشمندوں نے یکدل ہو کر بادشاہ کو اس اعتقاد سے ہٹانا چاہا، لیکن بادشاہ نے ان کا کہا نہ مانا اور مانی نے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے نور ظلمت کے اثبات پر زور دیا ہے، اس کی تصنیفات میں ایک کتاب کا نام

کنز الاحیاء • ہے، اس میں مصنف نے روح میں نور کے عمل حسنہ اور ظلمت کے اثر شنیعہ کا ذکر کیا ہے، اور وہ معیوب اعمال کو ظلمت سے منسوب کرتا ہے؛ اس کی ایک اور کتاب شابرقان ہے، جس میں نجات یافتہ روح اور رفیق شیاطین، و معایب روح کا حال ہے، وہ آسمان کو ایک سطح مسطح بیان کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ زمین ایک تہلوان پہاڑ پر قائم ہے جس پر چرخ بلند گردش کرتا ہے؛ اس کی ایک تصنیف کتاب الہدیٰ والتدبیر ہے اور ایک صغف دوازدہ، ان میں سے ہر ایک کا نام تہجی کے ایک ایک حرف پر ہے، ان میں فہاز اور راہ نجات کا ذکر ہے؛ ایک کتاب سفر الاسرار • ہے جس میں فبیوں کے معجزے باطل کر کے دکھائے گئے ہیں؛ ایک سفر الجبابرہ ہے ان کے علاوہ کئی اور کتابیں اور ملفوظات ہیں —

پس شاپور اس مذہب پر دس سال تک جما رہا۔ پھر ایک موبد آتش پرست شاہ پور کے پاس آیا، اس سے کہا ”اس آدمی نے تیرا ایمان بگاڑ دیا، اسے میرے مقابلے پر لا، تاکہ میں اس سے بحث کروں۔“ پس ان دونوں کا مناظرہ ہوا، موبد نے مانی کا منہ بند کر دیا، اور شاپور ثنویت سے مجوسیت کی طرف پھر لوٹ آیا، اس نے مانی کے قتل کا ارادہ کیا مگر وہ بھاگ نکلا، اور ارض ہند میں آ پہنچا، جہاں وہ شاپور کی وفات تک

* دیکھو فلوگل کتاب مذکور صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ جہاں کتاب الفہرست کے مطابق اس کتاب کے مضامین اجمالاً منقول ہیں، یہ کتاب ۱۸ بابوں پر ختم ہوئی تھی —

مقیم رہا —

”شاپور کے بعد اس کا بیٹا هرمز سریر آراے سلطنت ہوا“ وہ بڑا دلاور تھا، اسی نے شہر رام هرمز بسایا تھا، مگر اس کی زندگی نے وفا نہیں کی اور وہ صرف ایک سال تک عنان حکومت پر قابض رہا —

اب عنان حکومت بہرام پسر هرمز کے ہاتھ میں آئی، جو تفریح و معشوق کے سوا کسی چیز سے سروکار نہ رکھتا تھا، مانی کے چیلوں نے اس کو ہندوستان لکھ بھیجا کہ نیا بادشاہ نو عمر اور عیش کا دلدادہ ہے بس وہ ایران واپس آگیا اور اب اس کے کاموں کا آوازہ پھیل گیا اور اس کی قیام گاہ کا بھی پتہ لگ گیا، بہرام نے طلب کر کے اس کی تعلیم کا حال پوچھا، اور مانی نے اپنی سرگزشت بیان کی، پھر بہرام نے ایک موبد کو بلا کر اس کے مقابلے پر کھڑا کیا موبد نے اس سے بحث کی اور کہا کہ ”ہم میں سے ہر ایک پگلا ہوا سیسہ اپنے اپنے پیت پر تالے جو ضرر سے محفوظ رہے گا وہی حق پر ہوگا۔“ لیکن مانی نے

• ”پگلے ہوئے پیتل کی آزمائش“ پہلوی اور عربی کتابوں میں اکثر مقامات پر مذکور ہے، پہلوی مقامات کے لئے دیکھو۔ اردا ہیراف نامک مرتبہ و مترجمہ ہاگ صفحہ ۱۴۴، خا صکر دین کرت کے وہ اقتباسات جو نوٹ میں منقول ہیں، نیز شکلد گومانیک و یجدار مرتبہ ویست کا صفحہ ۱۲ بھی، عربی مقامات کے لئے القزوين کی آثار البلاد، صفحہ ۱۶۷ قابل دید ہے، موبد اور مانی کی یہ (تمہید) آزمائش تاریخ گزیدہ (نسخہ کیمبرج نمبر قی قی ۳، ۲۳ ایف ۴۵) میں درج ہے۔

جواب میں کہا ”یہ فعل ظاہریت کا ہے“ اس پر بہرام نے اس کو زندان میں ڈالوا دیا اور کہا ”صبح ہوگی تو میں تجھے بلا کر ایسے طریقے سے قتل کروں گا کہ اس طرح تجھ سے پہلے کوئی قتل نہ ہوا ہوگا“ —

”پس تھام شب مانی کی کھال کھینچی گئی“ تا آنکہ صبح سے قبل اس کا قالب عنصری بے جان ہو گیا جب صبح ہوئی تو بہرام نے اس کو طلب کیا، لیکن اس کی روح پرواز کر چکی تھی، بہرام نے حکم دیا کہ اس کا سر کت کر جسم میں بھس بھر دیا جائے، پھر اس نے مانی کے معتقدوں پر تشدد کیا، ان کی تعداد کمپور کو تہ تیغ کر دیا اور بہرام پسر هرمز نے تین سال حکومت کی —

کتاب الفہرست* میں مانی کا حال زیادہ مفصل درج ہے، لیکن چونکہ جرمن فان فلوگل نے جرمنی ترجمے میں اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں، اس لئے یہاں ہم صرف چند کام کی باتیں درج کرتے ہیں، فہرست میں مانی کے باپ کا نام قُتق آیا ہے جو غالباً فارسی ”پاتک“ کا معرب ہے، اہل یورپ نے اس نام کو پاتیکی اوس، پے تیکی اس، فیتی کی اس اور پتیری کی اس لکھا ہے، مانی کا وطن ہمدان تھا، یہاں سے وہ ترک وطن کر کے بابل (بادرا یا باگسایا) آیا اور مغتسلہ میں جا ملا، یہ فرقہ میندائیوں سے تھا، اور غالباً اسی فرقے کا اثر تھا کہ مانی یہودی مذہب

* الفہرست مرتبہ فلوگل صفحہ ۳۲۷ و بعد —

+ دیکھو یوستی کی کتاب اعلام ایرانیاں (Justis Franiashes. Namenbuch) زیر مانی —

اور بت پوستی سے بہت نفرت کرنے لگا تھا۔ مانی کی ماں کا نام مختلف شکلوں میں وارد ہوا ہے وہ کہیں مار*، مریم، کہیں اوتاخیم اور کہیں میس ہے، کم از کم ممکن ہے کہ وہ آشکافیوں یا پارٹھیوں کے شاہی خاندان سے ہو۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے تو مانی کے خلاف ساسانی بادشاہوں کے اندیشے اور مخاصمت کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے۔ خود مانی کے بیان کے مطابق جس کو شاپورقان سے البیرونی نے نقل کیا ہے اس کا سال پیدائش ۲۱۵، ۲۱۶ ع نکلتا ہے اور اس کی ایک تانگ میں لنگ تھا۔ پیدائش سے پہلے تو مانی نامی فرشتہ نے ماں کو اس کے بیتے کے عظیم الشان مشن سے خواب میں آگاہ کر دیا تھا مگر وحی الہی بارہویں برس میں البیرونی کے خیال سے تیرہویں بوس یعنی (سنہ ۲۲۷-۲۲۸ میں) اترنی شروع ہوئی اور قلعین و اشاعت مذہب کا حکم اس کو ۳۴ سال کی عمر میں

* فہرست میں مریم لکھا لیکن وہاں مرمر ہے —

+ وکان احذف الرجل فہرست صفحہ ۲۲۸ سطر (۱) —

+ فہرست میں صرف یہ ہے کہ بیتے کے متعلق اچھے اچھے خواب دیکھا کرتی تھی اور بھداری میں اسے ایسا نظر آتا تھا گویا کوئی شخص اس کے بیتے کو لیکر خلا میں چڑھ گیا ہے، اور اور پھر اس کو لوٹا گیا ہے، کبھی کبھی یہ غیر حاضری دو دو دن کی ہوتی تھی۔ صاحب الفہرست نے لفظ تو م سریانہ لفظ 'تاما' سے لیا ہے، جس کے معنی قدیم کے ہوں اور جس کو انگریزی میں ڈبل کہتے ہیں اور جو غالباً ہماری اصطلاح میں 'ہمزاد' کے مرادف ہے۔ صورت لفظی میں سریانہ تاما — عربی توأم — بابلی توأم —

ملا۔ مروی ہے کہ اس نے اپنے دعاوی کا باقاعدہ اعلان شاپور کے سامنے ۲۰ مارچ سنہ ۲۴۲ ع کو بادشاہ کے دربار تاج پوشی میں کیا، بظاہر ایسے اہم شاہی دربار میں اس کو شاپور کے بھائی فیروز کی وساطت سے جو اس کی تعلیم پر سرایہان خم کرچکا تھا رسائی حاصل ہوئی ہوگی۔ غالباً جب وہ بادشاہ کی نظروں سے گر گیا تو اس نے ہندوستان اور مشرق * کے طویل سفر کئے، اس کی واپسی اور اس کا وحشیانہ قتل بہرام اول کے مختصر عہد (۲۷۳ - ۲۷۶ ع) کے واقعات ہیں جن کو البیرونی، الیعقوبی اور طبری تینوں نے لکھا ہے، البیرونی† مترجمہ زخاؤ صفحہ ۱۹۱ کا بیان یہ ہے :-

”ملت مانی کو ارد شیر“ اس کے بیٹے شاپور اور شاپور کے بیٹے هرمزد کے عہد میں بتدریج فروغ ہوتا رہا تا آنکہ هرمزد کا بیٹا بہرام مسند نشین ہوا۔ اس نے مانی کو تلاش کرایا اور جب وہ ہاتھ آگیا تو اس نے کہا، یہ شخص لوگوں کو تخریب عالم کی دعوت دیتا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے منصوبے بارور ہونے سے پہلے ابتدائے تخریب ہم اسی کی ذات سے کریں۔ مشہور یہ ہے کہ بہرام نے مانی

* فارس نامہ ابن البلخی صفحہ ۶۲ و بولایت چین رفت —

† مطابق آثارالباقیہ میں عربی صفحہ ۲۰۸ سطر ۱۵ —

کو قتل کیا، پھر اس کی کھال اُتروائی،
 اُس میں بھس بھروایا اور پھر اُس کو
 جندی شاپور کے دروازے پر لٹکایا جو
 اب تک ”مانی دروازہ“ کہلاتا ہے۔
 ہرمزد نے بہت سے مقلدان مانی کو
 بھی مروا ڈالا۔ میں نے اسپہبد موزبان
 بن رستم سے خود سنا ہے کہ شاپور
 نے اس کو ملک بدر کر دیا اور یہ
 زرتشت کے اس حکم کی تعمیل میں
 کیا گیا کہ نبوت کے جھوٹے دعویداروں
 کو جلاوطن کر دیا جائے اور مانی کو
 اس شرط کا پابند کیا کہ وہ ایران
 میں پھر قدم نہ رکھے۔ پس وہ
 ہندوستان اور تبت اور چین گیا اور
 اپنے مذہب کی منادی کرتا پھرا، بعد
 میں وہ واپس آگیا اور بہرام کے
 ہاتھ سے گرفتار ہو کر قتل ہوا، کیونکہ
 وہ نقص شرط کا مرتکب ہوا، اس
 لئے اس کا خون مباح ہو گیا۔“

دیکھنا یہ ہے کہ مانی کے عقائد ایسے کیا تھے تو کہ پارسی
 ملاؤں کے دل میں بیروز گیا، دیگر ممالک تو درکنار صرف مشرق
 میں آٹھویں صدی کے آخر تک یہ ملا اس قدر قوت و اثر
 رکھتے تھے کہ عباسی خلیفہ الہمدی نے ایک افسر تحقیقات

مقرر کیا جو 'صاحب' یا عارت الزنادقہ کہلاتا تھا، تاکہ ان لوگوں کا پتہ چلا کر سزا دی جائے جو بظاہر مسلمان اور در پردہ مانی کے پیرو یا زندیق تھے۔ اس کے سوا ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ لفظ زندیق جس کا اطلاق اولاً پیروان مانی پر ہوتا تھا رفتہ رفتہ بلکہ آج تک دنیاے اسلام میں کس طرح دھریوں اور ملحدوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔

زندیق کا مفہوم | ہم آخر الذکر سوال کو پہلے چھیڑتے ہیں، کیونکہ یہ بلعاط اختصار چند سطروں کا محتاج ہے۔ عام خیال * ہے کہ "زندیق" فارسی کا 'اسم صفت' ہے، اور اس کے معنی "زند کا معتقد" ہیں، یعنی اصل متن کی بجائے تفسیر اوستا (صفحہ ۱۳۹ و ۱۴۰) کا معتقد ہو اور اس کو اپنا دین و ایمان سمجھے۔ یہ لفظ مانیوں کے لئے اس واسطے تجویز کیا گیا تھا کہ وہ غیر مذاہب کی الہامی کتابوں کے معنی اپنی رائے کے مطابق لینے پر مائل تھے اور اپنی منشاء کے موافق ان کے معنی پیدا کرتے تھے، یہ طریقہ کچھ ایسا ہی ہے جیسا کہ مسلک ادویت میں "معرفت" (یونانی ناسز) اور بعد کے اسماعیلیوں کی اصطلاح میں "تاویل" کا طریقہ تھا +۔ لیکن پروفیسر بے ون کی تشریح اس سے زیادہ قرین

* مثلاً دیکھو فارس نامہ ابن البلیخی (گب سیریز) صفحہ ۶۲

سطر ۱۷ —

+ لفظ "زندیکہ" میلو خرد میں بھی آیا ہے (مرتبہ ویست بابت سنہ ۱۸۷۱، باب ۳۶، صفحہ ۳۷) اور اس کی تشریح یہ کی گئی ہے "شیاطین کو اچھا سمجھنے والا" صفحہ (۲۲ - ۲۳) —

صحت معلوم ہوتی ہے۔ فہرست (”مانی“ صفحہ ۶۴ از فلوگل) اور البیرونی (مترجمہ زخاؤ صفحہ ۱۹۰) میں درج ہے کہ لفظ ”سہاج“ (سننے والا) مانیوں کے اس ادنیٰ طبقے کے لئے مخصوص تھا، جو افلاس، تجرد، اور مجاہدات مذہبی کے متعلق تمام پابندیاں اپنے آپ پر عاید نہ کرنا چاہتا تھا اور صلحا و زہاد جنہیں حکم تھا کہ افلاس کو تمول پر ترجیح دیں، حرص و ہوا کو ترک کریں، زہد کو کام میں لائیں مسلسل روزے رکھیں، اور جہاں تک ممکن ہو خیرات کریں، اُن کے لئے لفظ ”صدیق“ (جمع صدیقوں) تجویز کیا گیا تھا، یہ لفظ عربی ہے مگر غالباً اس کی اصل آرامی زبان میں ”زّدیقائے“ تھی جو فارسی میں آکر ”زندیک“ ہو گئی۔ زّدیقائے کی داں مشدد زندیک میں ”ند“ سے جس اصول پر بدل گئی اس کی ایک تہئیل ”شبنذ“ (موجودہ شنبہ) میں ملتی ہے، یعنی یہ لفظ دراصل ”سبّث“ تھا، فارسی میں اس کی مشدد ب ”نب“ سے بدل کر لفظ ”شبنذ“ ہو گیا۔ دوسری تہئیل کے لئے سنسکرت کا لفظ ”سدھانت“ ملاحظہ ہو، جو اصول مذکور پر ”سندھند“ بن گیا ہے، اس قول کے مطابق ”زندیک“ (جو عربی میں زندیق بنا لیا گیا) آرامی ”زّدیقائے“ کی محض فارسی شکل ثابت ہوتی ہے جو صرف نقوی شعار مانویوں کے لئے استعمال ہوتا تھا اور ابتدا میں فرقۂ مانویہ کے لئے مخصوص تھا مگر بعد کے زمانے میں عام طور پر ”بدعتی“ کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ پروفیسر بے ون نے ایک اور دلچسپ جرمن لفظ کیت زر (= بدعتی) کی نظیر پیش کی ہے

جو یونانی لفظ کتھراے (= پاک) سے مشتق ہے * —

مانویوں کے عقاید | ناظرین کو یاد ہوگا کہ مسلمان مصنف
مانویوں کو مرقیونیہ + اور بردیصانیہ کی

طرح اہل ثنویت میں شمار کرتے تھے۔ مگر یہاں سوال یہ پیدا
ہوتا ہے کہ زرتشتی بھی تو حقیقتاً ثنوی ہیں، پھر زرتشتی اور
مانوی مذہب میں اس قدر شدید دشمنی کس طرح پیدا ہوئی۔
اس کے جواب کے لئے زیادہ غور و تحقیق کی ضرورت نہیں۔
آتش پرستوں کے ہاں نیک و بد موجودات یعنی (ہرمزد اور
انزہ مینوش = اہرمن) کی جداگانہ اقلیموں میں سے ہر ایک
بجائے خود روحانی جز اور مادی جز پر مشتمل ہے۔
فہ صرف امشسپند اور فرشتے ہیں بلکہ عناصر مادی جملہ
حیوانات و نباتات جو انسان کے لئے مفید ہیں فیز وہ
لوگ جو دین با آئین یعنی زرتشتی مذہب کو سرمایہ ایمان
سمجھتے تھے اہرمزد کی طرف سے اہرمن کے لشکر دیو، درج،
خرفستر + یعنی موذی حیوانات، ساحروں، شعبدے بازوں،
بد عقیدہ لوگوں اور بدعتیوں سے لڑے۔ زرتشتی مذہب میں
اگرچہ روحانی عہدہ داروں کا ایک باضابطہ و دقیق نظام قائم

* دیکھو ”تاریخ و تعلیم“ فرقہ کتھراے یا الہی جیسیہ مصلفہ

سی شمت (پیدرس ۱۸۶۹) —

+ دیکھو الفہرست صفحہ (۳۳۸ - ۳۳۹) —

‡ دیکھو پہلوی بازند فرہنگ مرتبہ ہاگ (نہ معلوم پروفیسر

براون نے جو املا اس لفظ کا دیا ہے اس کی سند کیا ہے) —

کیا گیا ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی اور حقیقتاً وہ اس لحاظ سے ایک مادی مذہب ہے کہ وہ اپنے معتقدوں کو ”توالد و تکاثر اور زمین کو معمور کرنے“ کی تاکید کرتا ہے اور تضخم ریزی اور فصلیں حاصل کرنے میں جانفشانی کا حکم دیتا ہے *۔ برخلاف اس کے مانی کی تعلیم میں نور و ظلمت کی آمیزش جس نے عالم مادی کو پیدا کیا سرے سے بری چیز تھی اور محض قوائے ظلمت کا نتیجہ عمل تھا، آمیزش کو اگر اچھا کہہ سکتے ہیں تو صرف اس اعتبار سے کہ اس میں نور کے ان اجزا کے لئے جو ظلمت میں آٹک کر رہ گئے تھے، اپنے مناسب مقام کی طرف واپسی اور نجات حاصل کرنے کے ذرائع (عیسیٰ، حساس؟ دیکھو ”عجم“ از اسپیکر، دوم صفحہ ۲۲۶) موجود ہیں، جب ان اجزا کو حتی الامکان نجات حاصل ہو جائے گی تو وہ فرشتے جن پر زمین و آسمان قائم ہیں، اپنی اپنی گرفت کو تھیرا کر دیں گے اور عالم مادی درہم و برہم ہو جائے گا، آخر کار کائنات جل کر خاک ہو جائے گی تب لافانی اور ناقابل تسخیر ظلمت سے نور کی علیحدگی اور اس کی نجات کا آخری وقت آئے گا۔ قبل اس کے یہ حالت رونما ہو، عہود السبعہ (یعنی پڑھیزگاروں کی نہاڑ و تسبیح تقدیس اور اعمال صالحہ سے جو آسمان کی طرف

* مقابلہ کرو تارم شتیر کے انگریزی ترجمہ اوستا سے، مطبوعہ ایس بی ای جلد اول صفحہ ۴۶ اور نوٹ نمبر ۱ سے جو فرد گرد چہارم صفحہ ۴۷ پر لکھا گیا ہے —

چڑھتے ہیں اور کہکشاں * بن کر صاف نظر آتے ہیں) کے ذریعے نور کے تکررے ظلمت کی قید سے آزاد ہو کر اوپر بلند ہوتے ہیں اور بالآخر آفتاب و مہتاب کی کشتیوں میں سوار ہو کر ”جنان النور“ میں جو اُن کا اصلی مستقر ہے پہنچ جاتے ہیں ؛ لہذا مانویوں کے نزدیک ہر وہ فعل جو اس نور و ظلمت کی آمیزش کا معاون ہو مثلاً مناکحت و تناسل ، مذموم اور قابل گرفت ہے ۔ اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہرمز کا ان الفاظ سے ”اس شخص نے تخریب عالم کی لوگوں کو دعوت دی ہے“ کیا مطلب تھا۔ الغرض زرتشتیت میں عصبیت اور جنگ جوئی ، مادیت اور شہنشاہی (Imperialism) اقتدار و تسلط کی تعلیم ہے ؛ مانویت میں عدم عصبیت ، تسلیم و رضا اور زہد و بے نفسی کی ہدایت ہے ؛ اصولاً دونوں فرقوں میں بعدالمشرقین ہے ، باوجود ظاہری مماثلت کے جسے اسپیکل نے ”عجم“ جلد دوم صفحہ ۱۹۵ - ۲۳۲ میں تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ درحقیقت دونوں میں لزوماً اور اصولاً تضاد موجود ہے ، یہودی مذہب اور روایتی (Orthodox) عیسویت و اسلام سے بھی مانی کی تعلیم اسی قدر متضاد ہے ، اس میں شک نہیں کہ دوسرے تین مذاہب کی نسبت یہود نے مانویہ کو کم تکلیفیں دیں ، لیکن اس کا سبب یہودیوں کا اجتناب ایذا رسانی نہ تھا بلکہ ان کی بے بسی اور بے مائگی تھی ، کیونکہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ مانی کے دل میں یہودیوں سے

* دیکھو مانی از فلوجل صفحہ ۲۳۱ ”عجم“ از اسپیکل

جلد دوم صفحہ ۲۱۷ —

خاص طور پر نفرت تھی —

اس فرقے کے بعض مسائل مثلاً نور و ظلمت کی آمیزش کے اسباب، ملک جنان النور اور اس کے متعلق خیالات، انسان اول، شیطان، نور کو قید سے رہا کرنے کے لئے عالم مادی کے اسباب، حضرت آدم و حوا اور ہابیل و قابیل کی بابت مانویوں کے مضحک اعتقادات، حکیمۃ الدھر، ابنۃ العرص، روفرید، برفریاد، اور شائل (شیٹ) وغیرہ کی تفصیل اس مقام پر ناسمکن ہے۔ مانی نے ابنیاء عبرانی کو اپنے نظام سے خارج کیا مگر ان کے عوض نہ صرف زرتشت اور بدہ کو نبی مرسل تسلیم کیا بلکہ حضرت عیسیٰ کو بھی مان لیا، تاہم ”وہ مسیح صادق“ کو جو عالم نور کا ایک خیال * اور لباس طیفی میں ملبوس تھا، مسیح مصلوب سے الگ بتاتا ہے، جو اس کا مثیل اور دشمن اور ”ابن ارمہ“ تھا، اور عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کی بابت مانی کا یہ عقیدہ (حضرت) محمد (صلعم) نے اختیار کر لیا +، قرآن (سورہ ۴ آیت ۱۵۶)

* خیال بمعنی طیف جیسے جھاسہ کے شعر میں (خیال

لام السلسبیل و درنہا، مسجورۃ شہر البہید المذبذب) —

یہ عبارت اور اس کے ثبوت میں ایک آیت نقل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف قرآن کریم کو آنحضرت علیہ السلام کی تصنیف سمجھتا ہے —

اختیار عقیدہ مانی غلط و خیال تصنیف غلط در غلط — مترجم

میں آیا ہے —

وقولہم انا قتلنا المسیح عیسیٰ
ابن مریم رسول اللہ وما قتلوه
وما صلبوه و لکن شبہ لہم و
ان الذین اختلفوا فیہ لفی شک
منہ ما لہم بہ من علم الاتباع
الظن وما قتلوه لقیظاً بل
رفعه اللہ الیہ و کان اللہ
عزیزاً حکیمًا —

اور ان کے اس کہنے کی وجہ
سے کہ ہم نے مریم کے بیٹے
عیسیٰ مسیح کو جو رسول
خدا تھے قتل کر ڈالا اور
(حقیقت یہ ہے کہ) نہ تو
انہوں نے ان کو قتل کیا اور نہ
ان کو سولی پر چڑھایا مگر
ان کو ایسا ہی معلوم ہوا، اور
جو لوگ اس بارے میں اختلاف
کرتے ہیں وہ اس معاملے میں
شک میں پڑے ہوئے ہیں، ان
کو اس کی خبر نہیں ہے اور
صرت گمان کی پیروی کرتے
ہیں، یقیناً لوگوں نے عیسیٰ
کو تو قتل نہیں کیا بلکہ ان
کو اللہ نے اپنی طرف اُٹھا لیا
اور اللہ زبردست اور حکمت
والا ہے —

مشرق میں مانویہ | مشرق میں مانویہ کی تاریخ کی نسبت
کی ترقی | ہم بیان کرچکے ہیں کہ خلیفہ ہارون

کے باپ الہدی کے عہد (۷۷۵ - ۷۸۵ عیسوی) کی تعداد

اس قدر کثیر تھی کہ حکومت کی جانب سے ایک خاص افسر * مامور کیا گیا تاکہ انہیں دھونڈ دھونڈ کر قتل کر دے۔ مصنف الفہرست (۹۸۸ ع) اکیلے بغداد میں ۳۰۰ نفوس کو جانتا تھا اور البیرونی (سنہ ۱۰۰۰ ع) ان کی تصنیفات خصوصاً شا برقان (صرف یہی کتاب ہے جس کو مانی نے فارسی میں یعنی بزبان پہلوی لکھا باقی اس کی اہم کتابوں میں سے چھہ سریانی میں ہیں) سے واقف تھا اور اس نے بعض اقتباسات نقل بھی کئے ہیں جن میں ابتدا کے یہ الفاظ + (مترجمہ زخاؤ صفحہ ۱۹۰) بھی شامل ہیں :—

مانی کی ایک کتاب کا اقتباس | ”خدا کے رسول نوع انسان کے پاس وقتاً فوقتاً حکمت اور اعمال لائے ہیں چنانچہ ایک زمانے میں خدا کے رسول ان کو ہندوستان لائے ، دوسرے میں زرتشت ایران میں لائے ، پھر مغرب میں حضرت عیسیٰ ، ان سب کے بعد آخری زمانے میں یہ وحی اور یہ پیشین گوئی میری یعنی مانی رسول خدائے حق کی معرفت بابل میں اتری“ —

الفہرست (صفحہ ۳۳۷) میں مانیوں کا نقل مکان اس طرح

بیان کیا گیا ہے :—

” سہنیہ کے علاوہ فرقہ مانی وہ پہلا مذہبی گروہ تھا جو بلاد ماورالنہرمیں داخل ہوا ، اس کا سبب یہ تھا کہ جس

* اس کو عارف الزنادقہ کہتے تھے —

+ مطابق آثارالباقیہ معنی عربی صفحہ ۲۰۷ —

وقت کسری (بہرام) نے مانی کو قتل و مصلوب کیا
 مافویوں کا | اور اپنی مہلکت میں مباحث مذہبی کو
 منوع قرار دیا تو اس نے پیروان مانی کو
 نقل مکان

جہاں پایا وہیں قتل کرنا شروع کیا اس پر یہ لوگ بہرام
 کے سامنے سے بھاگ نکلیے اور دریائے بلخ کو عبور کرتے ہوئے
 ولایت خان (خاقان) میں آباد ہو گئے۔ خان (خاقان) ان کی
 زبان کا وہ لقب ہے جو ترک بادشاہوں نے اختیار کر رکھا تھا،
 پس یہ لوگ عرصے تک ماوراءالنہر میں رہے، یہاں تک کہ
 اقبال ساسان نعوست میں آیا اور اہل عرب کو عروج ہونے
 لگا، اس پر وہ ان مہالک (عراق، بابل) میں واپس لوٹے،
 بالخصوص جبکہ حکومت ایران کے اجزا پراگندہ ہو رہے تھے
 اور بنی امیہ کو مسند خلافت مل چکی تھی۔ خالد بن عبداللہ
 القسری * نے ان کو اپنی حفاظت میں لے لیا لیکن اس فرقے
 کی امارت کا عہدہ سوائے بابل کے کسی اور حصہ ملک میں
 قائم نہ ہو سکا، لیکن اس کے بعد رئیس جہاں کہیں زیادہ
 سلامتی دیکھتا وہاں چلا جاتا۔ مافویہ کا آخری اخراج
 خلیفۃالمقتدر (۹۰۱ - ۹۳۲) کے زمانے میں ہوا، جب کہ وہ
 جان کے خوف سے خراسان چلے گئے تھے، باقی جو پیچھے رہے
 گئے تھے وہ اپنا مسلک چھپاتے تھے اور ان اضلاع میں

* یہ شخص مافویہ کا زبردست حامی تھا، خلیفۃالولید

کے ہاتھ سے ۷۴۳ میں مارا گیا، دیکھو ”مانی“ از فلوگل

مارے مارے پھرتے تھے۔ ایک دفعہ تقریباً پانسو کی تعداد میں وہ بمقام سہر قند جمع ہوئے اور ان کے عقائد کا حال کھل گیا۔ خراسان کے گورنر نے ان کے قتل کا ارادہ کیا مگر خاقان چین (شاید صاحب تغرغز مراد ہے) نے اس کو لکھا کہ ”میرے ہم مذہب جس قدر تعداد میں وہاں ہیں اس سے دوگنی تعداد میں تیرے ہم مذہب یعنی مسلمان میروی سلطنت میں ہیں“ پھر قسم کھائی کہ اگر تیرے ہاتھ سے میرا ایک ہم مذہب بھی مارا گیا تو میں انتقاماً سارے مسلمانوں کو تہ تیغ کر دوں گا، مسجدوں کو تہادوں گا اور اپنی باقی مہلکت میں تحقیقات کرا کے ہر ایک مسلمان کو نکالوں گا، اور انہیں قتل کراؤں گا۔ اس بنا پر خراسان کے والی نے اُن کو چھوڑ دیا اور صرف جزیہ لینے پر اکتفا کیا۔ اسلامی حدود میں ان کی تعداد گھٹ گئی، معزالدولہ (۹۴۶ - ۹۶۷) کے عہد میں مدینۃ السلام کے اندر ان کے تین سو آدمیوں کا مجہہ کو عالم تھا لیکن آج کل پایۂ تخت میں ان کے پانچ آدمی بھی نہیں اور یہ لوگ آجاری کے نام سے مشہور ہیں اور سہر قند و صغد کے دیہات خصوصاً نوبی کت میں پھیلائے ہوئے ہیں۔“

مؤلف الفہرست نے ان لوگوں کی ایک طویل فہرست درج کی ہے جو بظاہر مسلمان تھے مگر بباطن مانوی عقائد رکھتے تھے ان میں اشخاص ذیل بھی شامل ہیں:—

۱ - الجعد بن درهم * اسوی خلیفہ ہشام (۷۲۴-۷۴۳ ع) کے ہاتھ سے مارا گیا —

۲ - شاعر بشار بن برد - سنہ ۷۸۲ ع میں قتل ہوا —

۳ - برامکہ کا تقریباً پورا خاندان سوائے محمد بن خالد بن برمک —

۴ - خلیفہ مامون رشید (۸۰۳ - ۸۳۳ ع) مگر مصنف فہرست کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے —

۵ - محمد ابن الزیات + وزیر المعتصم، سنہ ۸۴۷ ع میں قتل کر دیا گیا، ان کے سوا اور لوگ —

مافیہ کے مختلف پیروان مافی پانچ طبقوں میں تقسیم طبقے اور ان کے فرائض | تھے :-

۱ - معلمون - اساتذہ جو ابناء العلم کہلاتے تھے —

۲ - مشہسون (وہ جن کو شمس نے منور کیا +) جو ابناء العلم کہلاتے تھے —

۳ - قسسیسون - (مذہبی پیشوا) جو ابناء العقل کہلاتے تھے —

۴ - صدیقون (یا صاحبان ایمان) جو ابناء الغیب کہلاتے تھے —

* یہاں جناب پروفیسر سے کچھ تسامح ہوا ہے - صاحب فہرست نے جعد کو رؤساء مذاہبہ میں تو شمار کیا ہے مگر اس کی نسبت یہ نہیں لکھا کہ وہ بظاہر مسلمان تھا —

+ وقیل کان محمد بن عبدالملک الزیات زنديقاً الفہرست صفحہ ۳۳۸ —

+ دیکھو ”مانی“ از فلو گل صفحہ ۲۹۴ - ۲۹۹ اس کے معنی مشتبه ہیں —

۵ - سقاعون (سنلے والے) جو ابذاء الفطنہ کہلاتے تھے۔

ان کے لئے نہاڑ چہارگانہ یا ہفت گانہ فرایض میں داخل تھی، اور بت پرستی، جھوٹ، بغل، قتل، زنا، چوری اور تعلیم حیل و سحر، ریا فی الدین اور فرائض میں سستی سے بچنے کا حکم تھا۔ ان احکام عشرہ کے علاوہ دیگر معتقدات یہ تھے:-
چار حقایق اعلیٰ کا یقین یعنی خدا کا جو جنان نور کا بادشاہ ہے اور خدا کے نور کا، اس کی قدرت اور اس کی حکمت کا، ہر ماہ میں سات دن کے روزے اور ”مواہیر ثلاثہ“ کا ایمان، سینت آگستائن اور دوسرے عیسائی مصنفوں نے ان ”مواہیر ثلاثہ“ کو منہ، ہاتھ اور قلب کی مہرین (نشانات) لکھا ہے اور ان سے مراد یہ ہے کہ انسان کو بڑے الفاظ، بڑے کام اور بڑے خیال سے بچنا چاہئے، یہ اصول پارسیوں میں بھی ہخت (الفاظ نیک) ہورشت (اعمال نیک)، ”ہمت (خیالات نیک) کے نام سے رائج ہے۔ صوم و صلوٰۃ اور بعض ارکان صلوٰۃ کی تفصیل کتاب الفہرست میں منقول ہے، اسی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مانی کے بعد روحانی افضلیت کی بنا پر اس مذہب میں کتنے فرقے پیدا ہوئے اور دو خاص فرقوں میں ایک - مہریتہ کہلاتا تھا اور دوسرا مقلاصیہ - بیان ہوچکا ہے کہ مانی کی کتابوں میں سے چھ سریانی اور ایک پہلوی میں تھی، لیکن ان کا رسم الخط جسے مصنف نے خود ایجاد کیا تھا، نہایت عجیب و غریب تھا، فہرست میں اس کا نہونہ درج ہے مگر یہ نہونہ موجودہ نسخوں میں بہت حد تک مسخ اور بدلتا ہو چکا ہے (موجودہ بابیوں نے بھی ایک جدید

طرز کی تحریر نکالی ہے جس کو وہ خط بدیع کہتے ہیں) مگر بظاہر مانیوں نے اپنے رسم الخط اور عموماً فن کتابت پر بہت کاوش اور توجہ کی ہے، چنانچہ الجاحظ (زویں صدی م) نے اس خط کے سلسلے میں ابراہیم السندی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ”اگر وہ نہایت سفید، بہتر سے بہتر کاغذ اور نہایت کالی روشنائی اور کاتبوں کی ترتیب پر اس قدر جان کاہی نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔“ اس قول سے جیسا کہ پروفیسر بے ون استدلال کرتا ہے ایران میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ مانی * ارژنگ مانی کا ایک اعلیٰ درجے کا مصور تھا، آج بھی اہل افسانہ ایران کا عام عقیدہ ہے کہ مانی نے ارژنگ یا ارتنگ نام کی ایک کتاب التصاویر تیار کی تھی اور اس کو وہ اپنی فوق البشر طاقت اور ربانی سفارت کے ثبوت میں پیش کرتا تھا! —

(۳)

نوشیرواں اور مزدک

سیرت نوشیرواں | بیان کیا جاتا ہے کہ رسول خدا حضرت محمد (صلعم) نے فرمایا کہ ”میں نوشیرواں عادل

* خان نے قاق نے طرفان (وسط ایشیا) کے کھلدروں سے مانویہ کی کتابوں کے اوراق یا پرچوں کے ٹکڑے اور دیگر مواد حاصل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مانویہ کو حقیقتاً اپنی کتابوں وغیرہ کو مصور اور رنگیں کرنے کا خاص شوق تھا ۔ - مترجم

+ دیکھو شاہ نامہ جلد سوم صفحہ ۱۱۴۵۳-۱۱۴۵۴ مترجمہ میمن -

کے عہد میں پیدا ہوا تھا“ (ولدت فی زمن ملک العادل) آپ کی مراد خسرو انوشک روہاں (لافانی روح کا) سے ہے، اہل ایران آج تک نوشیرواں کو عادل کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور شاہانہ صفات کا کامل نمونہ سمجھتے ہیں لیکن اوپر تصریح ہو چکی ہے کہ یہ فیصلہ بلا تامل منظور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نوشیرواں نے اپنا لقب عدالت و انصاف (جس طرح کہ ان الفاظ کو ہم سمجھتے ہیں) کی بدولت حاصل نہیں کیا تھا بلکہ اہل بدعت کے قتل و استیصال کے صلے میں مجوسی پیشواؤں نے اس کو عطا کیا تھا، جن کے متعصب ہاتھوں سے قوسی تواریخ کا مرقع تیار ہوا تھا؛ اسی طرح یزدگرد اول (بڑے گڑ گنہگار) کا وہ داغ بدناسی ہے جو اس کی زندگی کے کسی مذہب سے علاقہ نہیں رکھتا بلکہ اس کی وسیع القلبی اور مذہبی رواداری بلکہ اُس بے اعتنائی کا نتیجہ ہے جو فرمانروائے مذکور نے اپنے زرتشتیوں کے ساتھ برقی - تاہم کوئی شخص نوشیرواں کی نسبت، جو اگرچہ سیاسی ضرورت سے خوارج و اہل بدعت کے لئے اپنا خنجر تیز رکھتا تھا، یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مذہب کے معاملے میں اشد متعصب اور دیوانہ تھا بلکہ برعکس اسکے وہ مذاہب غیر کی باتیں اور مسالک فلسفہ کی حکایتیں شوق اور دلچسپی کے ساتھ سنتا تھا - اس لحاظ سے وہ خلیفہ مامون اور شہنشاہ اکبر کا جو افکار فلسفہ اور مباحث مذہب کے شیدائی تھے ہم مذاق معلوم

ہوتا ہے۔ نولڈیکی (”تاریخ آل ساسان“ صفحہ ۱۶۰ * فوت نمبر ۳) جو اہل ایران کو پسند کرنے کی طرت مائل نہیں فوشیرواں کے خصائل کی نہایت موافق تائخیص کرتا ہے اور اپنے بیان کا خاتمہ ان الفاظ کے حوالے کرتا ہے:—

”به حیثیت مجھوعی خسرو
(فوشیرواں) یقیناً ایران کے سب سے
برے اور سب سے بہتر بادشاہوں میں
ہے لیکن اس کی عظمت و خوبی اُس
کو ادا نہ دے رہی ہے نہ روک سکی
اور حق و راستی کا اسے اس قدر پاس
تھا جس قدر اہل ایران کو (جن میں
ان کے بہترین افراد بھی شامل ہیں)
ہوا کرتا ہے [یعنی بہت کم]۔“

نفس واقعہ یہ ہے کہ مزدکیوں کے استیصال‘ رومیوں
(بزنطینوں) کی سرکوبی‘ اس کے دانشمندانہ آئین‘ قومی اغراض
کی نگہداشت اور اس کے عہد (۵۳۱-۵۷۸) کی سوسپز اور مرفہ
حالت ان تمام چیزوں نے ایشیا میں اس کے نام کو چار چاند
لگا دئے ہیں اور وہ سلاطین کے لئے بہترین نمونہ خیال کیا جاتا
ہے‘ لیکن یورپ میں اس کی شخصیت نے اس سبب سے اپنا رنگ
جھایا ہے کہ اس نے یونانی فلاسفروں کا جو شاہنشاہ سستی نے ان کی

* نولڈیکی کا فوت جس کا حوالہ دیا گیا ہے صفحہ ۱۶۰

سے شروع ہوتا ہے نہ کہ ۱۵۰ سے‘ خاتمہ کے الناط صفحہ ۱۶۲

پر ہیں —

مذہبی تنگ طرفی سے تنگ آکر اپنے وطنوں سے بھاگ نکلے تھے، اپنے دربار میں خیر مقدم کیا اور روسیوں کو شکست دے کر جب صلح نامہ مرتب کیا	فلسفیان یونان یا افلاطونین جدید (نیو پلینیٹونسٹ فلاسفرز)

تو اس میں یہ مخصوص دفعہ رکھی کہ یہ علما اپنے ملک کو
واپس جائیں تو ان کو نہ چھیڑا جائے اور آزادیء خیال
دی جائے، دوسرے وہ عالم و فن کا عاشق اور ارباب فضل کا
قدر دان تھا، اس نے جندی شاپور میں ایک زبردست طبیبہ
مدرسہ قائم کیا تھا اور نہ صرف یہ بلکہ سنسکرت اور یونانی
کتابوں کو پھلوی میں ترجمہ کرایا ہے، ان وجوہ سے اس کی
نسبت اہل یورپ کا یہ اعتقاد ہو گیا تھا کہ ”ایران کے تخت پر
افلاطون کا شائد جلو آ رہا ہے“ —

ہمارے نزدیک افلاطونین جدید یا مذکورالصدر یونانی فلسفیوں کی دربار عجم میں باریابی اور اس کی اہمیت پر کافی توجہ نہیں کی گئی ہے، اہل یورپ	افلاطونیات جدید (نیو پلینیٹونسٹ آئڈیاز) کی ایران میں اشاعت

کو اب کچھ کچھ خیال ہو چلا ہے کہ اہل ایران کے متاخر
قصوت یا تعلیم صوفیہ کو جس کا مفصل ذکر اواخر کتاب میں
آئے گا افلاطونیت جدید نے کہاں تک متاثر کیا ہے اور اگر
دارم شتیتر کا خیال صحیح ہے تو خود یروان زرتشت نے بھی

* گبن کی مشہور قلم کا نوشتہ نوشہرواں کا حال تاریخ گبن
”انصطاط و زوال“ جلد دوم کے صفحہ ۲۹۸ - ۳۰۷ میں دیکھو

اس چشمے سے مستفید ہونے میں دریغ نہیں کیا، اس مسئلے پر ہمارے دوست اور سابق شاگرد آر۔ اے نکلسن، فیلو ٹرینٹی کالج، کیمبرج نے اپنی تالیف ”انتخاب دیوان شمس تبریز“ (کیمبرج سنہ ۱۸۹۸) میں حسن اسلوب کے ساتھ بحث کی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ تاریخی زمانے میں یونان کے فلسفی اور علمی خیالات سے اہل مشرق زیادہ تر آل عباس کے ابتدائی دور حکومت میں روشناس ہوئے۔ مامون بن ہارون رشید (۸۱۳ تا ۸۳۳) کا عہد اس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز تھا جس میں یونان کا مایہ علوم منتقل کر لیا گیا تھا لیکن گہاں غالب ہے (گو پہلوی خصوصاً غیر مذہبی کتب کے ناپید ہوجانے سے اس گہاں کو ثابت نہیں کیا جاسکتا) کہ یہ در آمد علوم نوشیروانی عہد یعنی چھٹی صدی عیسوی میں شروع ہو چکی تھی اور دیگر خیالات کے مثل عقاید صوفیہ کا آغاز اسلامی دور سے پہلے ساسانی ایام میں ہوا تھا۔ نوشیروانی حکومت میں عیسائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا تھا اور اگرچہ دین مسیحی کی امن دوست تعلیم کو نوشیروان نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور اس کے عیسائی بیٹے، نوش زادہ نے بغاوت کر کے (صفحہ بالا ۱۳۶) اس کو برہم بھی کر دیا تھا مگر یہ امور خطرناک اور سرکش مانوفی سائٹ * (وحدت مسیح کے ماننے والے) عیسائیوں کو نوشیروان کے ہاتھ سے حقوق دلاوانے میں حائل اور رومیوں سے صلح کرتے وقت صلح نامے میں

رومن کیتھولک کو مراعات عطا کرنے میں مانع نہ ہوئے، بلکہ یواکیری اس اور سی بی اوس نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ مرے سے پہلے نوشیروان خفیه طور پر اصطباغ سے مشرت ہو گیا تھا، یہ خیال گو بالکل غلط ہے لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عام طور پر نوشیروان کو عیسائیوں پر مہربان سمجھا جاتا تھا، اور بخیال نولڈیکی عیسائیوں نے اپنی شکر نزاری کا رقت انگیز ثبوت بادشاہ کی وفات کے ایک سو برس بعد اس وقت دیا جب کہ انہوں نے اس کے بد نصیب اور آخری جانشین یزد گرد سوم کی لاش کا غیر مدفون پڑا رہنا گوارا نہ کیا۔ لیکن نوشیروان کی رواداری سلطنت کی سلامتی اور امن عامہ کے تابع تھی اور اشتراک پسند مزدک کی تعلیم جس کا ذکر اب شروع کیا جاتا ہے ان دونوں چیزوں کو صدمہ پہنچانا چاہتی تھی۔

مزدک	مزدک کے متعلق جس قدر حالات ملتے ہیں ان کو نولڈیکی + نے نہایت احتیاط سے جمع کر کے اپنی

* گبن صفحہ ۳۰۵ اور حاشیہ ۵۲ وغیرہ —

+ اس محقق نے رسالہ تاریخی-آر میں (بابت فروری سنہ ۱۸۷۹ صفحہ ۲۸۴ وغیرہ) اس کا زیادہ عام فہم حال لکھا ہے، 'مزدک کی بابت نہایت قدیم اور معتبر حالات یا حوالہ جات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

ماخذ معلومات	(۱) ویندیداد مزد گرد چہارم و پنجم صفحہ ۴۹

۱ - پہلوی	کے پہلوی ترجمے میں متن اوستا کے ان الفاظ

”پہ وہ شخص ہے جو بے ایمان اشموقہ (شیطان، بدعتی) کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

معركة الآثار تاریخ آل ساسان (جس کے حوالے بارہا درج ہو چکے ہیں) ضمیمہ ۴ میں قلم بند کر دیا ہے لیکن یاد رکھنا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ —

خلاف جد و جہد کر سکتا ہے جو کچھ کہا تا پھتا نہیں “ کی تشریح ان الفاظ ” مثل مزدک ابن یام دان “ سے کی گئی ہے ۔ بہمن یشت میں بھی ” مزدک مردود “ کا تذکرہ ہے مگر یہ پہلوی کتاب سب سے آخری زمانے کی ہے بلکہ حسب خیال ویست اس کا موجودہ نسخہ بارہویں صدی عیسوی کا ہے ، مزدک نامک ایک اور پہلوی کتاب تھی جو ابن المقفع کے بے شمار پہلوی کتابوں کے عربی ترجموں میں سے تھی لیکن بدقسمتی سے کتاب کا کہیں پتہ نہیں ، صرف عرب مصنفین کی بعض کتابوں میں اس کے جستہ جستہ حصے باقی ہیں —

۲ - یونانی | یونانی میں مزدک کا ذکر پروکوپس اس ، تھیوپتیز اور جان ملاس کی تصنیفات میں آیا ہے —

۳ - سریانی | سریانی میں یہوسع اسطوانی کی تاریخ (مرتبہ و مترجمہ رائٹ دفعہ ۲۰) جس میں بادشاہ قباد

کی ” مذموم روش “ کا ذکر ہے کہ اس نے ” ناپاک فرقہ مجوس کو جو زراوشتگان کہلاتا ہے اور عورتوں کو مال مشترک کہتا تھا “ دوبارہ زندہ کیا —

۴ - عربی | عربی میں مفصلہ ذیل مورخوں نے حوالے ثبت کیے ہیں —

۱ - الیعقوبی (تریب سنہ ۲۶۰ ھ کے مرتبہ ہوتسما جلد اول صفحہ ۱۸۶) جس کا بیان ہے کہ مزدک اور اس کا استاد زرقشع (ہائی ہر صفحہ آئندہ)

چاہئے کہ یہ ضمیمہ تمام تر ان عیسائی اور زرتشتیوں کے بیانات پر مبنی ہے جو مزدک کی تعلیم کے سخت دشمن تھے، اگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) —

۲۔ خدگان دونوں نوشیروان کے ہاتھ سے قتل ہوئے —
۲۔ ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۰-۲۷۹ھ) کتاب المعارف

مرتبہ و ستغفیلذ سنہ ۱۸۵۰ع صفحہ ۳۲۸) —
۳۔ دنیوری (متوفی سنہ ۲۸۲ - ۲۹۰ھ مرتبہ کرکاس صفحہ ۶۹) —

۴۔ طبری (متوفی سنہ ۳۱۰ھ مرتبہ ۲۷۰-۲۷۹ھ خوبہ سلسلہ ۱ جلد دوم صفحات ۸۸۵ - ۸۸۶) ترجمہ نولڈیکی صفحہ ۱۲۰ - ۱۴۴ [طبری] صفحہ ۸۹۳ - ۸۹۴ نولڈیکی ۱۵۴ و ۱۵۵) —
۵۔ حمزہ اصفہانی (اوائل چوتھی صدی ہجری) —

۶۔ یوتی کی آس (سعید بن بطریق) (متوفی ۳۲۸ ہجری) -
۷۔ مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ مروج الذهب مرتبہ بی - ۲۷۰ھ مہارت جلد دوم صفحہ ۱۹۵ - ۱۹۶) —

۸۔ البہرونی (متوفی ۴۴۰ھ مترجمہ زخاو صفحہ ۱۹۲)
(آثار الباقیہ من عربی صفحہ ۲۰۹) —

۹۔ شہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ کتاب الملل مرتبہ کیورتن صفحہ ۱۹۲ - ۱۹۳) ترجمہ ہاربرکر صفحہ ۲۹۱ - ۲۹۳) —

۱۰۔ ابن الاثیر (متوفی سنہ ۶۴۰ھ) —
۱۱۔ ابوالفدا (متوفی سنہ ۷۳۲ھ مرتبہ فلا پشر صفحہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

* دیکھو ابن خلکان مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۰ھ ج ۱/۲۵۱ -
ابن قتیبہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے - بعض ۲۷۰ بعض ۲۷۱
بعض ۲۷۶ اس کی تاریخ وفات بتاتے ہیں مگر ۲۷۶ والے قول کو
ابن خلکان نے اصح الاقوال بتایا ہے —

صفائی کے بیانات بھی آج محفوظ ہوتے تو ہمیں اس کی بعض پاکیزہ خصوصیات یا کم از کم تردیدی عذرات نظر آسکتے جن کا اب ہمیں مطلق علم نہیں۔ اگر مثال کے طور پر ہم جدید زمانے کی نظیر پر غور کریں تو بغض و عناد کے کرشموں پر ہمیں انگشت بردندان ہونا پڑے گا۔ بابیوں کی تعلیم و اصول معلوم کرنے کے لئے اگر ہم سرکاری تاریخ نویس مثلاً درباری مورخ لسان الہام کی ناسخ التواریخ یا رضاقلی خاں جیسے قابل شخص کے ذیل روضۃ الصفا یا غیر متعصب اہل یورپ کے بیانات پر جن کا مآخذ رائے دربار قصص تھہ پورا پورا تکیہ کر لیں تو ہم جان سکتے ہیں کہ اس قسم کے مبالغہ آمیز اور عناد آلود حالات سے بابیوں کی نسبت ہمارا فیصلہ کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ پہلو ذکر کے لائق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں مزدکیوں اور افسویں میں بابیوں دونوں کے خلاف ان کے دشمنوں نے یہ مشہور کیا کہ ان کے ہاں اشتراک پسندی اور اباحت * خصوصاً عورتوں کے معاملے میں عین دین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۸۸-۹۱) نیز دیگر مورخین —

فارسی میں شاہنامہ فردوسی (مترجمہ میکن جلد سوم صفحہ ۱۶۱۱ - ۱۶۱۶) اور سیاست نامہ نظام الملک (مترجمہ شیفر صفحہ ۱۶۶ - ۱۸۱) خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں —	۵ - فارسی

* اصل میں ہے ”اینٹی نومین ازم“ یعنی ”ناموس شکنی“
 اینٹی نومین جرمنی کا ایک فرقہ تھا جو ۱۵۳۵ کے قریب باقی ہر صفحہ آگے

و ایہاں ہے لیکن چونکہ اس وقت ثابت ہو چکا ہے کہ اشتراکیت کا اصول جس حد تک شروع زمانے کے عیسائیوں کی طرح ابتدائی بابیوں میں رائج تھا وہ محض اتفاقی تھا اور اس کو کسی معنی میں بھی بائیء مذہب کی خصوصیت قرار نہیں دے سکتے، اس لئے ہمارا یہ گمان بیجا نہ ہوگا کہ مزدک اور اس کے پیروؤں کی اشتراکیت بھی کسی حد تک بشرح صدر اتفاقی تھی۔

یہ امر مشتبه ہے کہ جو اعتقادات مزدک تعلیم مزدک سے منسوب کئے جاتے ہیں وہ درحقیقت اسی

کے دماغ کا نتیجہ ہیں کیونکہ بعض ماخذوں میں لکھا ہے کہ ان کا اصل بائی زرادشت بن خرگان ہے جو فساد علاقہ فارس کا رہنے والا تھا۔ بھر نوح اس تعلیم کی علمی بنیاد سے ہم اس قدر بھی واقف نہیں جس قدر کہ اس کے عملی فتایج سے روشناس ہیں، نوادیکی نے خوب کہا ہے کہ ”موجودہ اشتراکیت اور سوشلزم (جہاں تک ان ملکوں کو اشخاص کے تغیرات سے نہیں بلکہ ان کے معمول * سے علاقہ ہے) سے تعلیم مزدک کو جو چیز جدا کرتی ہے وہ آخر الذکر کا مذہبی رنگ ہے“۔ مزدک کے خیال میں ہر ایک بڑے فعل کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وجود میں تھا، کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک نصاریٰ کے لئے نوامیس اخلاق کی پابندی ضروری نہ تھی۔ ”ناموس“ بمعنی قانون، عربی میں یونانی سے مستعار لیا گیا ہے، اسلامی اصطلاح میں اسے لوگ اباحی کہتے ہیں (مترجم)۔

سر چشمہ یا تو حسد ہے ، غصہ ہے یا لالچ اور یہی تین
 ردائل ایسے ہیں جنہوں نے خدا کی مرضی اور حکم کے خلاف
 مساوات افسانہ فدا کر رکھا ہے ؛ اس مساوات کا از سر نو
 قائم کرنا اس کا مقصد تھا ۔ رہبانیت کا عنصر جو مافی کی
 تعلیم کے اجزائے کبار میں تھا اور جس پر زرتشتیوں کو اس
 قدر اعتراض تھا ، مزدک کے مذہب میں بھی اس حد تک
 موجود تھا کہ اس میں خونریزی اور گوشت سے لوگوں کو
 منع کیا گیا ہے ۔ فی الحقیقت جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں
 (صفحہ ۲۹۸ نوٹ (۱) وغیرہ) زرتشتی موبدوں کے نزدیک
 مزدک سب سے زیادہ وہ ”بے دین اشوغہ تھا جو کھاتا نہیں۔“

مزدکیوں کا | بادشاہ کو ان (قباد) نے بعض سیاسی
عروج و زوال وجوہ سے ، جن میں بخیال نوآئیکری بڑی وجہ

یہ تھی کہ امرا اور موبدوں کی زبردست طاقت کو توڑ دیا
 جائے ، ابتداً تعلیم نو پراقتفات کیا ، مگر جب اس کی بدولت
 کو ان کو اپنے بھائی جاماسپ کے لئے عارضی طور پر تخت
 خالی کرنا پڑا تو غالباً اس کے خیالات میں بے حد انقلاب پیدا
 ہو گیا اور مزدکیوں کے ساتھ اس کا طرز سلوک بدل گیا ، تاریخی
 شواہد کے موازنہ سے پایا جاتا ہے کہ عام روایات مزدکیوں کے
 مزدکیوں کا قتل | جس قتل کو خسرو اول سے منسوب کرتی
 ۵۲۹ - ۵۲۸ ع | ہیں اور جس کے سبب سے وہ ”نوشیروان“

(= انوشک روبان = لافانی روح والا) کے اعزاز سے ملقب
 ہوا وہ قباد کے آخر عہد کا واقعہ ہے ۔ اس کا مروج اور مشہور
 حال (جو پوری تفصیل کے ساتھ سیاست نامہ نظام الہامی طوسی)

مرتبہ شیفر صفحہ ۱۶۶ تا ۱۸۱ اور ترجمہ صفحہ ۲۴۵ تا ۲۶۶ میں درج ہے) یہ ہے کہ شہزادہ نوشیروان نے جب اپنے باپ بادشاہ کواف کے سامنے مزدک کی فتنہ پردازی اور شیعہ بازی کی قلعی کھول کر رکھ دی تو اس کے بعد مصنوعی اقرار و ایہان سے شہزادے نے مزدک کو دھوکہ دیا اور ایک خاص دن مقرر کر کے اس سے طے کیا کہ وہ تمام پیروان مزدک کے روبرو نئے مذہب کا باضابطہ اور علانیہ اقرار کرے گا۔ مزدکیوں کے نام دعوت نامے جاری کئے گئے تاکہ وہ شاہی باغات میں شہزادے کی ایک جلیل القدر دعوت کے لئے مجتمع ہوں لیکن جس وقت ایک گروہ باغ میں داخل ہوتا تو سرکاری سپاہی جو دروازے کے قریب چھپائے گئے تھے نکل کر اس کو پکڑ لیتے ، اور ہر شخص کو قتل کر کے اس طرح دفن کر دیتے کہ اس کا سر اور دھڑ زمین میں اور ٹانگیں زمین سے باہر نکلی رہتیں۔ جب سارے مزدکی زمین کے پیوند ہو گئے تو نوشیروان نے مزدک کو طلب کر کے اپنے ایوان خاص میں بٹھایا ، دعوت میں ذرا دیر اُتھی اس لئے وقت کا تنے کے بہانے سے وہ مزدک کو اپنے ساتھ باغ میں لے گیا ، اور باغ کی پیداوار دکھانے لگا۔ جب یہ دونوں باغ میں داخل ہوئے تو نوشیروان نے اُتھی ہوئی ٹانگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا ”دیکھ یہ تیری مذہم تعلیم کی فصل کھڑی ہے۔“ پھر اس نے ایک اشارہ کیا ، سپاہی جھپٹے اور مزدک کو باندھ کر مٹی کے ایک چبوترے میں جو باغ کے بیچوں بیچ اس کے لئے خاص طور سے تیار کیا گیا تھا سرنگوں کر کے زندہ دفن کر دیا۔

گیبئی شہادت | اس قتل کا ایک بیان جو ایک عینی

شاہد قی موقوفی آس، ایرانی سے مروی ہے،

تھیو فینیز اور جان ملا اس کی کتابوں میں محفوظ ہے۔

اس دردناک موقع پر بادشاہ کا طبیب مسیحی بَشپ بے زے نیز

بھی موجود تھا، زمانہ حال میں اس کی ایک عجیب نظیر پائی

جاتی ہے، یعنی آفجہانی ناصرالدین شاہ کا درباری طبیب ڈاکٹر

یواک بھی حور شاہل بابی خاتون قرۃالعین کے قتل کے ہولناک

سانحہ کے وقت موجود تھا، جو سنہ ۱۸۵۲ ع میں واقع ہوا

مزید حالات | اس قتل میں جو آخر سنہ ۵۲۸ یا شروع ۵۲۹ کا واقعہ

ہے، مزدک کے پیرو خواہ کتنی ہی کثیر تعداد

میں کام آئے ہوں لیکن یہ قرین قیاس نہیں کہ پورا فرقہ ایک

دن میں معدوم ہو گیا ہو اور ہم برہنہ وجوہ کہہ سکتے ہیں کہ

نوشیروان نے اپنی تخت نشینی پر ۵۳۱ ع میں ان کو ضرور

مصائب کا شکار کیا ہوگا۔ اس کے بعد اس فرقے کا وجود کو

علائیہ نہ رہا لیکن غالباً اس کے افراد چھپے چوری باقی رہے۔

بعض اسلامی مصنفوں کے اقوال سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مزدکی

اصول مانوی عقائد کی طرح دور اسلام تک زندہ رہے اور

بعد کے زمانے میں بعض انوکھے اور اباحی فرقوں نے ان کو

کم و بیش ان کی اصلی صورت میں پیش کیا جن کی

تفصیل و بحث آئندہ ابواب کے لئے مخصوص ہے، ہم اس رائے کو

غیر اغلب نہیں سمجھتے۔ مشہور نظام الملک طوسی نے اس

خیال کی شد و مد سے تائید کی ہے اور 'سیاست فارس' میں اس

نے وضاحت کے ساتھ دکھلایا ہے کہ اسماعیلیہ اور باطنیہ جن

سے اس کو سخت نفرت تھی (اور بجاتھی، کیونکہ ۱۱۴ - اکتوبر
سنہ ۱۰۹۲ ع کو ایک باطنی کے خنجر سے ہلاک ہوا تھا) مزدکیوں
کے بلا واسطہ جانشین ہیں۔

(۴)

آل ساسان کا انحطاط و زوال

فوشیرواں کے دراز و ممتاز دور حکومت میں (جو ۵۲۱ ع سے
۵۷۸ ع تک رہا) کوئی سال ایسا یادگار اور نتیجہ خیز واقعات
سے لبریز نہیں گزرا جیسا کہ بیالیسواں سال (۵۷۲ - ۵۷۳ ع)
جسے اہل عرب ” عام فیل “ کہتے ہیں ۔ اس سال ایک طرف تو
فوشیرواں نے بڑے بڑے معرکوں کے بعد یمن کی شاداب اور
اور قدیم حکومت کو ایران میں داخل کر کے اس زمانے کے عجمی
پرستاران شہنشاہیت کے لئے فائز و مسرت کا سامان پیدا کیا
اور دوسری طرف بعیدالفاصلہ مکہ میں وہ وجود پیدا ہوا
جس کی تعلیم آل ساسان اور کیش زرتشت کو صفحہ وجود سے
مٹانے والی تھی، یعنی محمد رسول اللہ (صلم) آپ کی ولادت کی
شب کو ان روایتوں کے مطابق جنہیں پرہیزگار مسلمان نہایت
محبوب سمجھتے ہیں، تاجدار عجم کا محل زلزلے سے ہل گیا تھا۔
یہاں تک کہ اس کے چودہ کنکورے زمین پر گر پڑے ۔

ساسانیوں کی سلطنت | مقدس آگ جو ایک ہزار سال سے جل
کے لئے بدشگونی رہی تھی، بجھ گئی ۔ ساوہ جھیل کا پانی

دفعۃً خشک ہو گیا اور موبد موبدان نے خواب میں دیکھا کہ
دجلے کی طرف عربی کھوڑے اور اونٹ ایران کا مغرب پامال
کر رہے ہیں ۔ ان بد شگونیوں پر فوشیرواں کا دل دھڑکنے لگا

اور یہ پریشانی اس وقت بھی نہ متی جب کہ اس کا عیسائی قاصد قبیلہ غسان کا عرب عبدالہسیح اپنے بدھے چچا سطیح کا مبہم جواب لیکر جو صحراے شام کی سرحد پر اقامت گزریں تھا واپس لوٹا۔ یہ جواب سچے * تھا۔ جس کو عربی کاہن اپنے الہامی جوابوں کے لئے موزوں و مناسب سمجھتے تھے اس کے الفاظ یہ ہیں:—

سطیح کا الہامی جواب

عبدالہسیح عالی جہل یسیح الی	عبدالہسیح تو اونٹ پر سوار
سطیح وقد اوفی علی الضریح	ہوکر سطیح کے پاس آیا ہے جو
بعثک ملک بنی ساسان	اس وقت معض چراغ سحری
لارتعاس الایوان و خہود	ہے، تجھ کو سامانی بادشاہ نے
النیران و رؤیا، الموہدان	یہاں بھیجا ہے کیونکہ محل،
رائی ابلصعابا، تقود خیلاعرابا	لرز گیا ہے، آگ بجھ گئی ہے،
قد قطعت دجلة و انتشرت	اور (موبد) موبدان نے خواب
فی بلادھا —	میں دیکھا ہے کہ سرکش اونٹوں
	اور عربی کھوڑوں کو لیکر وادی
	(دجلہ) میں گھس آئے ہیں اور
	علاقے میں پھیل گئے ہیں—

یاعبدالہسیح اذا کثرت التلاوة و اے عبدالہسیح! جب قرات بعد صاحب الہراوة، و فاض

* حضرت مصنف نے تسامح سے ”مقلی رجز“ لکھا ہے جو

صحیح نہیں ہے —

عصا* آجائے گا، اور وادی سہاوتہ میں لشکر بھر جائے گا اور ساوا کی جھیل سوکھ جائیگی، اور ایران کی آتش بزرگ کچھ کام نہ دے گی اور سطیح کے لئے شام نہ رہے گا، تاہم کنگوروں † کی تعداد کے مطابق تمہارے ملوک و مملکت حکومت کریں گی اور ان کی سلطنت قائم رہے گی اگرچہ جو کچھ شدنی ہے وہ سرعت سے سامنے آ رہا ہے۔“	وادی السہاوتہ، و غاضت بحیرۃ ساوتہ، و خدمت فار فارس، فلیست الشام لسطیح شاماً، یہلک منهم ملوک و مملکت، علی عدد الشرفات و کل ماہوات،

• حضرت عمر سے مراد ہے، ان کے عہد (۶۳۴ - ۶۴۴ء) میں ایران کی فتح مکمل کو پہنچی تھی۔

+ حیرہ کے قریب ایک مقام ہے، اس کے نواح میں قاسمہ کی فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی۔

† چودہ کنگورے جن کو نوشیروان نے خواب میں گرتے ہوئے دیکھا تھا، قیاساً نوشیروان کے چودہ جانشین مصلح ذیل ہیں:—

- ۱ - ہرمزد چہارم؛ ۲ - خسرو پرویز؛ ۳ - شہریہ؛ ۴ - اردشیر سوم؛
- ۵ - شہرپراز؛ ۶ - پوران دخت؛ ۷ - گشتاسب؛ ۸ - آرمی دخت
- ۹ - خسرو بن مہر گشتاسب؛ ۱۰ - خرزاد خسرو؛ ۱۱ - پیرویز بن گشتاسب؛ ۱۲ - فرخ زاد خسرو؛ ۱۳ - ہرمزد پلجم؛ ۱۴ - یزدگرد سوم؛

§ (طبری - طبع - یورپ مع حصہ اول ۱: ۹۸۳) جزاً اختلافات معنی کے لئے دیکھو عقد الفرید طبع سنہ ۱۳۲۱ ج ۱ صفحہ ۱۰۸ و بعداؤ لسان العرب ۳: ۳۱۳۔

لیکن شگون و آئندہ بینی کے ان قصوں کو تاریخی واقعات کی بجائے فرضی اور بعد کے خیالات شمار کرنے چاہئیں۔ اور اس بات کا یقین رکھنا چاہئے کہ اور ہزاروں جلیل القدر واقعات کے مثل پیغمبر عربی کی ولادت اس قسم کے آسہانی نعروں سے مشہور نہ کی گئی ہوگی، اور نہ اس نے اہل مکہ کو اپنی جانب ایک لمحے کے لئے متوجہ کیا ہوگا، کیونکہ ”عام الفیل“ ان کے تفکرات کے لئے بہت کافی سامان رکھتا تھا۔

چھٹی صدی میں عربوں کے سیاسی تعلقات	چھٹی صدی کے آغاز میں عربوں کی سیاسی حالت کا اجمال یہ ہے :- عرب کے مغرب میں غسان کی حکومت

رومیوں کے زیر اقتدار تھی۔ اور مشرق میں حیرہ کی حکومت ایرانیوں کی سیادت میں۔ مگر وسط عرب کے اکثر باشندے لق و دق صحراؤں میں محفوظ اور باہم مخالف قبیلوں میں منقسم تھے، تقریباً موجودہ بدوؤں کے مانند قتل و غارت، یورش و جنگ اور شعر گوئی میں زندگی بسر کرتے تھے اور ہمسایہ حکومتوں سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے، جنوب میں یمن کی قدیم و دولت مند حکومت اپنے تبایعہ یا ملوک کے ماتحت تہذیب و تمدن اور فراغت و تہول کے لحاظ سے نسبتاً بہتر حالت میں تھی، بدنام و رسوا اور غاصب ذبیحہ ذو شنائر شہزادہ ذونواس کے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا اور چونکہ جنوب عرب میں ملکہ سباء بلقیس کے عہد سے سلطان گشی وراثت تخت کی بہترین دلیل خیاں کی جاتی تھی، اس لئے ذونواس کو باانتخاب عام قدیم حمیری قوم کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا، لیکن جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہو گیا ہے، وہ اس قوم کا آخری

بادشاہ تھا —

ذونواس اور نجران کے عیسائیوں پر مصیبت	سلطنت کا تخت حاصل کرنے کے بعد ذونواس یہودی ہو گیا اور نئے مذہب کے جوش میں اس نے نجران کے عیسائیوں

پر مصائب کی ایک گھٹنا پھیلادی جب انہوں نے ترک عیسویت سے انکار کیا تو ان کو تلوار کے گھات اتارنا شروع کیا، ان کو آگ میں جھونکا اور گڑھوں میں؛ جو اس کام کے لئے تیار کئے گئے تھے؛ بھون ڈالا۔ غرض ان غریبوں کے ساتھ بے رحمی کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا، قرآن شریف میں اس ہولناک واقعے کی طرف اشارہ ہوا ہے 'سورہ ۸۵ :-

اصحاب الحدود	قتل اصحاب الاخدود خندقوں والے ہلاک ہوں، النار ذات الزقود۔ (اور وہ خندقیں) آگ (کی

ان ہم علیہا قعود - وہم علی تھیں) جن میں ایندھن تھا،
ما یفعلون بالہؤمنین شہود۔ و جب کہ وہ خود خندقوں پر
ما نقموا منہم إلا ان یؤمنوا بیٹھے ہوئے تھے اور جو (ظلم و
بالہ العزیز الحمید — ستم) مؤمنوں پر کر رہے تھے

وہ (اس کا تہاشا) دیکھ رہے
تھے اور وہ مؤمنوں کی اس
بات سے چڑے کہ وہ اللہ پر
ایمان لائے جو زبردست اور
سزاوار حمد و ثنا ہے —

حبشیوں کا یمن فتح کرنا	طبری کا بیان ہے کہ مظالم ذونواس میں (۵۲۳ ع) بیس ہزار سپاہی مارے گئے تھے

مگر یہ صحیح نہیں ، بخیال اغلب مقتولین کی تعداد
دوسو سے زیادہ نہ تھی ، تاہم جب اس ہولناک واقعے کی
خبر کو ایک مغرور نے حبش میں پہنچایا تو یہاں ا کے
نصرانیوں کی آتش غضب بھڑک اُٹھی اور ان کے فرمانروا
نجاشی یا نیگوش نے اپنے ہم مذہبوں کا بدلہ لینے کے واسطے
یہن پر چڑھائی کر دی ، حبشی فوج کے سپہ سالار اریاط اور
ابرهہ تھے ، انہوں نے اہل یہن کو شکست فاش دی ، جب ذوفواس
نے دیکھا کہ بات بالکل بگڑ چکی ہے تو ایڑ مار کر اپنے مرکب
کو سمندر میں تال دیا اور انسانی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے
اوجھل ہو گیا ، اس واقعے کو 'ذوجدن' ایک حمیری شاعر نے اشعار
ذیل میں قلمبند کیا ہے :-

ہونک - لیس یر دالدمع مافاتا	تھیرو - جو چیز گزر گئی اُسے
لا تہلکی آسفاً فی ذکر من ماتا	آنسو نہیں لوٹا سکتے - جو مر گیا
أ بعد بینون لا عین ولا أثر	اُس کے ذکر میں صدمہ سے جان
وبعد سلحین یبئی الذاس أبیاتا	نہ ضائع کر - جبکہ بینون اور
—	سلحین (جیسے قصروں) کا نام

دعینی لا أبالک لن تطیقی	ونشان تک باقی نہیں رہا -
لحاک المہ قد أنزفت ریقی	تو کیا اِس کے بعد لوگ (ویسی)
لدی عزت القیان إذا فتشیدنا	عہارتیں بنا سکتے ہیں ؟ -
وإذا نسقی من الغمر الرحیق	چل دہر ہو ، تیری آہ و زاری
—	بیکار ہے - خدا تیرا برا کرے ،

تیرے کو سننے نے میرا اعاب دہن

خشک کر دیا (گزشتہ دور میں
 گانے والوں کے راک اور ستار
 کے نغمے خوش گوار تھے جب کہ
 ہم شراب خالص پی اور پلا
 رہے تھے)۔ شراب نوشی ہمارے
 لئے کوئی عار نہیں۔ اگر ہمارا
 شریک سے نوشی ہم سے سرگراں
 نہ ہو۔ اس واسطے کہ موت کو
 کوئی نہیں روک سکتا۔ اگرچہ
 وہ سونگھنے اور پینے کی دوائیں
 صحت کے لئے استعمال کرتا رہے۔
 نہ کوئی راہب گوشہ نشین
 (بھی موت سے بچ سکتا گو وہ)
 ایسی اونچی خانقاہ میں
 رہتا ہو (جہاں عقاب اپنے انڈے
 دیتے) (اور گھرنسلے بناتے ہیں)۔
 اور غمدان کی نسبت تو نے سنا
 ہوگا۔ جس کی سربفلک عمارتیں
 چھوٹی جھونپڑیوں سے الگ پہاڑ
 کی چوٹی پر بنائی گئی تھیں۔

و شرب الخمر لیس علی عاراً
 إذا لم يشکنی فیہا رفیقی
 فان الموت لا ینہاہ ناء
 ولو شرب الشفاء مع النشوق
 ولا متروہب فی اُسطوان
 یناطح جدرہ بیض الناق
 وغمدان الذی حدثت عنہ
 بذوہ مہسکاً فی رأس فیق
 بمنہق و اسفلہ جروب
 وحر الموحل اللثق الزلیق
 مصابیح السلیط تلوح فیہ
 اذا یمسی کتوماض النبروق
 ونخلتہ التی غرست الیہ

یکادالبسو یهرز با لعدوق | اور جس کے درو دیوار اور
فاصیم بعد حدّته رساداً | فوس صات و شفات متی اور
پتھروں سے بنے ہوئے تھے۔

وغيور حسنه لهب الحريق | اور کوندنے والی بجلی کی
وأسلم ذونواس مستهيتاً | طرح تیل کے چراغ اس میں رات
وحذر قومہ فنک المضيّق | کو روشن ہوتے تھے۔ اور کھجور
کے درخت ادہ کچرے پھلوں
سے ایسے لدے ہوئے تھے کہ
معلوم ہوتا اُن کے بوجہ سے
درخت توت پڑیں گے۔

اب وہی عالیشان محل
ایک خاک کا تھیرھے۔

آگ کے جھاسا دینے والے شعلوں
نے اُس کے حسن و جمال کو
مٹا دیا ہے۔

ذونواس نا امید ہو کر اپنی
سوت سے دوچار ہوا مگر وہ
اپنی قوم کو آخر دم تک سوت
کی فاکریز مصیبتوں سے آگاہ
کرتا رہا۔

اریط کا قتل | تاہم اریط فاتح یمن کی عہد نے وفاتہ کی کہ
فتح کے ثمر سے بہرہ افدوز ہوتا، اس کے خود

غرض ذائب ابرہہ نے یکایکی مقابلے میں دھوکے سے اس کا کام
تھام کر دیا، خود اس کے چہرے پر بھی ایک زخم آیا، جس کے
سبب سے وہ الاشوم یعنی نکٹا کہلانے لگا۔

مکہ کے خلاف | اب ابرہہ نے سونچا کہ یمن کے پایہ تخت
ابرہہ کی مہم | صفا میں ایک پر شوکت و عظیم الشان معبد

تیار کرنا چاہئے۔ اس ترکیب سے وہ عرب زائرین کے سیلاب
کا رخ مکہ کی مربع عبادت گاہ (یعنی کعبہ) سے پھیرنا
چاہتا تھا، عربوں کو یہ جدت ناگوار گذری، یہاں تک کہ
قبیلۃ فقیہ کا ایک کاہن عرب فنی عہارت میں چپکے سے
گھس گیا اور اس کی بے حرمتی کی، اس پر ابرہہ سخت برہم
ہوا اور اس نے مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا حلفیہ عزم
کیا، بعد ازاں اس دھمکی کو عہای جامہ پہنانے کی غرض سے
جنگی ہاتھی اور کثیر التعداد حبشی سپاہ لیکر مکہ
پر چڑہ آیا۔

شہر کے قریب مغہس میں پڑاؤ ڈالے پڑا تھا کہ رسول
عربی کے دادا عبدالمطلب نے اس سے ملاقات کی، جو قبیلۃ
قریش کے ارباب کبار میں تھے۔ اور یہ وہ معزز قبیلہ ہے، جو
معبد مقدس کا خاص محافظ تھا، ابرہہ ان بزرگوں کے انداز
عبدالمطلب اور ان | گفتگو اور ادب آداب سے ایسا خوش
کے اونت | ہوا کہ اس نے مترجم کے ذریعے سے ان کو

درخواست عطیات کی ہدایت کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا

”میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ میرے وہ دو سو اونٹ واپس کر دے جو مجھ سے چھین لئے گئے ہیں“۔ ابرہہ متعجب ہو کر بولا ”تجہہ کو اپنے دو سو اونٹوں کی پڑی ہے جو میں نے تجہہ سے لے لئے ہیں لیکن تو اس معبد کا کچھہ ذکر نہیں کرتا جو تیرا اور تیرے بزرگوں کا عبادت خانہ ہے اور جس کو میں توڑنے کے لئے آیا ہوں“ عبدالطائب - کا جواب عربی خصوصیات میں دیا ہوا تھا، انہوں نے کہا ”میں اونٹوں کا مالک ہوں، معبد کا مالک خدا ہے، وہ خود اس کی فکر کر لے گا“ جب ابرہہ نے کہا ”وہ اس کو میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا“۔ تو وہ بولے ”یہ کس نے دیکھا ہے، مجھہ کو تو میرے اونٹ واپس دے دے“۔

اونٹ لیکر عبدالہطلب تو اپنے ساتھیوں سمیت ایک پہاڑ کی چوٹی پر نتیجے کے انتظار میں جا بیٹھے، مگر جانے سے پہلے وہ کعبے کی زیارت کو گئے اور بیرونی دروازہ کے عظیم الشان حلقۂ دستک کو ہاتھ میں پکڑ کر آواز سے بولے :-
یا رب لا ارجو لہم سواک اے خدا! غنیم کے مقابلے پر یا رب فامنع منہم حماکا میں تیری مدد چاہتا ہوں،
ان عدوا البیت من عاداکا اے خدا! تو ان کو اپنے ارض
امنعمہم ان یخربوا قراکا پاک سے دفع کر۔ تیرے گھر
کا دشمن تیرے مقابلے پر آیا ہے
تو اپنے شہر کو اس کے تباہ کن
ہاتھ سے بچا —



دوسرا دن ہوا تو ابرہہ حملے کی نیت سے
 | معبود ہاتھی
 فوج لیکر مکہ کی طرف بڑھا، فوج کے آگے
 آگے معبود ناسی قوی الجثہ ہاتھی تھا لیکن جونہی اُس
 ہاتھی نے آگے قدم اٹھایا، ایک عرب جس کا نام نفیل تھا، اس
 کی طرف جھپٹا اور اس کا کان پکڑ کے کہا ”او معبود جھک
 جا اور جدھر سے آیا ہے اُدھر ہی سیدھا واپس چلا جا
 کیونکہ تو اس وقت خدا کی پاک زمین پر ہے“۔ ہاتھی وہیں
 بیٹھ گیا، مہاوت نے بہتیرے آنکس مارے مگر وہ تِس سے
 مس نہ ہوا، مکہ کی جانب ایک قدم نہ بڑھاتا تھا، باقی
 ہر طرف جانے کو تیار تھا —

ابابیلین | اس نے بعد اللہ تعالیٰ نے افواج حبش کے خلاف
 (ابابیلوں کے مثل) (قرآن شریف کے بیان کے بموجب)
 چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک لشکر پیدا کر دیا * ہر ایک
 پرند کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور
 دو دونوں پنچوں میں، اُن کو پرندوں نے حبشیوں پر
 پھینکا، جس کسی کے کنکری لگ جاتی وہ فوراً مرجا جاتا تھا،
 اس صورت سے حبشیوں کو شکست فاش ہوئی، روایت ہے کہ
 ایک شخص فرار ہو کر حبش پہنچا اور اس نے لوگوں سے
 یہ واقعہ بیان کیا، جس وقت لوگوں نے اس سے دریافت کیا
 کہ وہ پرندے کیسے تھے تو اس نے اوپر ایک پرندے کی طرف

* ”ابابیل“ جماعت طہور کو کہتے ہیں —

کلام اللہ میں نہ ”ابابیلوں کے مثل کا ذکر ہے“ نہ ”لشکر پیدا
 کرنے کا“ —

اشارہ کیا جو ابھی تک اس کے سر پر منڈلا رہا تھا ، وہ اسے بتا رہا تھا کہ اس نے چونچ سے ایک کنکری چھوڑی اور وہ بھی راہی عدم ہوا —

یہ واقعات ہمیں جن کی وجہ سے اس پراہمیت سال کو ”عام الفیل“ کہتے ہیں۔ قرآن شریف کی سورۃ فیل میں اس قصے کا حوالہ آیا ہے ، اس کے الفاظ یہ ہیں :—

الم ترکیف فعل ربک با صحاب	کیا تم اس بات پر غور نہیں
الفیل الم یجعل کیدہم فی	کرتے کہ تمہارے رب نے ہاتھی
تضلیل	والوں کے ساتھ کیا کیا ، کیا
.....	خدائے ان کی ساری تدبیریں خاک
فجعلہم کعصف ماکول —	میں نہیں ملا دیں اور ان کو کھائے
	ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا —

اس قصے کی تاریخی بنیاد	مغربی اہل تحقیق کے دائرے میں اس
	قصے کی بابت جو عام رات پھیلی ہوئی

ہے ، وہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایک اصلی واقعے پر مبنی ہے ، وہ کہتے ہیں کہ فی الحقیقت چیچک کی ایک شدید اور ناکہانی وبا نے ناپاک حملہ آوروں میں سے بہتوں کو ہلاک کر دیا اور باقیوں کو بھگا دیا ، ایسی حالت میں کچھ تعجب نہیں کہ عربوں نے اس معجز نہار دیورس کو خدا کا جلوہ اور اس کی قدرت کا کرشمہ باور کیا اور ’عام فیل‘ سے ان کی قومی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

سیف بن ذی یزن ابرہہ تباہ ہو گیا مگر اہل یمن کو	کی شاہ ایران سے حبشی غلبے سے نجات نہ ملی، اس کے
استمداد	بعد اس کے بیٹے یکسوم * اور مسروق

باری باری سے تخت پر بیٹھے، انہوں نے حمیر لوگوں کو بہت تنگ کیا تاآنکہ مظلوموں نے سیف بن ذی یزن کو تدارک مصائب کے لئے باہر روانہ کیا تاکہ وہ مشرقی روم یا دولت ایران سے استمداد کرے۔ کیونکہ اس وقت دنیا کا یہ حصہ ان دونوں کی سیاست و اقتدار میں تقسیم تھا لیکن جب اول الذکر طاقت نے بے اعتنائی برتی تو اس نے حیرہ کے عرب بادشاہ منذر سے درخواست کی کہ وہ اس کو ایرانی دربار میں باویاب کرا دے، نوشیرواں نے اس کو دربار عام میں طلب کیا تو وہ اپنے زرنکار تخت پر جلوہ افروز تھا اور اس کے سر پر ایک بہت بڑا قنقل + نما تاج رکھا ہوا نہیں بلکہ چھایا ہوا تھا، وہ لعل و یاقوت اور الماس و گوہر سے چمک رہا تھا اور چہت سے زنجیر میں لٹک رہا تھا، ایک زمانے میں یہ تاج سلاطین ساسان کے لئے مایہ ناز اور موجب ایذا تھا —

سیف ابن ذی یزن جب اس پُر شوکت ہستی کی تعظیم سے فارغ ہو چکا تو اس نے کہا ”اے بادشاہ! کالے کوڑوں نے ہمارا ملک چھین لیا ہے“ نوشیرواں نے پوچھا ”کن کوڑوں نے حبش کے یا ہندوستان کے“۔ سیف نے جواب دیا ”حبشی کووں نے۔ اب

* اس کا ایک سکھ ہے جس کے نقش روپل نے نکالے اور جو بقتل گد شمعید (بسی لی یس یکسوسی) کا قصہ اور اس کے دوسرے درج پر اس کے آقا گدیرم کا نام ہے۔
+ خشک اشیا کے ناپٹنے کا پیمانہ۔ تاج خسرو کا نام —

تیرے پاس آیا ہوں کہ تو میری مدد کر اور ان کو میرے ملک سے نکال دے۔ پھر میرے وطن پر تیری حکومت مان لی جائے گی کیونکہ ہم تجھے ان لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں۔“ —

بادشاہ بولا ”تیرا ملک ہمارے ملک سے بہت دور ہے اور پھر وہ مفلس و نادار بھی ہے سوائے بھیڑ اور اونٹوں کے ہمارے لئے کیا رکھا ہے، عرب میں ایرانی فوج بھیجنے کی نہ میں جسارت کر سکتا ہوں اور نہ مجھے ایسی خواہش۔“ —

کفایت شعارانہ | پس نوشیرواں نے اس کو دس ہزار درہم اور
شاہنشاہیت خلع و فخر دی کر رخصت کیا، لیکن حمیری

سفیر جس وقت محل سے نکل رہا تھا تو اس نے غلام و خدام اور کنیزوں کی طرف جو اس کے گرد و پیش ایستادہ تھیں اشرفیوں کی مٹھیاں پھینکنی شروع کیں جن پر یہ لوگ بھوکوں کی طرح گئے، جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے ابن ذی یزن کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ ”شاہی عطیے کے ساتھ تو نے یہ کیا گستاخانہ سلوک کیا۔“ عرب نے جواب دیا کہ ”میں ان کا اور کیا کرتا، میرے ملک میں جہاں سے میں آ رہا ہوں فرے چاندی اور سوئے کے پہاڑ ہیں۔“ ایرانی تاجدار نے یہ سنا تو وہ اس جہان سے میں آ گیا اور سفیر کو اپنے مشیروں کے فیصلے تک روکنے کے لئے حکم دیا ایک وزیر نے کہا کہ ”اے بادشاہ! تیرے قید خانے میں ایسے مجرم ہیں جن کو تو نے قتل کے لئے پا بزنچیر کیا ہے، کیا انہیں تو اس شخص کو نہیں دے سکتا، اگر وہ ہمارے گئے تو تیرا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر ملک پر قابض ہو گئے تو تیری حکومت وسیع ہو جائے گی۔“ —

یہ عجیب تدبیر جس میں حصول دولت فوج مہم کی ترتیب اور توسیع ملک دونوں مقصد ضم تھے برے جوش کے ساتھ پسند کی گئی، قید خانوں کی تفتیش پر آتھ سو مجرم کشتنی فکلی، ان کو ایک وظیفہ یاب سپہ سالار وهرز کی سرکردگی میں مرتب کیا گیا یہ اس قدر سن رسیدہ تھا کہ بھوجب روایت اس کے پپوتے اس کی آنکھوں پر چھائے ہوئے تھے اور نشانے کے وقت انھیں اوپر باندھنا یا اتھانا فاگزیر تھا * —

جب فوج مہم ان مجرموں سے مرتب ہوگئی تو اس کو سیف کے ہمراہ آتھ جہازوں میں سوار کیا گیا، لیکن دو جہاز راستے میں تباہ ہوگئے، باقی چھہ صحیح و سالم حضر موت کے ساحل پر پہونچے جہاں چھہ سو کی مختصر ایرانی جمعیت سے یمن کے کثیرالتعداد اعراب بھی آئے، اس دلیرانہ یورش کی خبر مسروق کو پہنچی تو وہ اپنا لشکر لے کر مقابلے پر آیا، ادھر وهرز نے اپنے ساتھیوں کے لئے ایک عظیم الشان دعوت تیار کی، جس وقت یہ لوگ بادۂ و جام میں مشغول تھے وهرز نے اپنے جہازوں کو جلا دیا اور ذخائر سامان کو برباد کر دیا، پھر ایک پر جوش تقریر میں اس نے بتایا کہ اب ہمیں فنا یا فتح میں ایک چیز انتخاب کرنی چاہئے، ہمیں چاہئے کہ

* اس عجیب تفصیل کی نسبت جو ایک اور سلسلے میں وارد ہوئی ہے نولڈیکی کی کتاب ”ساسانی“ صفحہ ۲۲۶، حاشیہ نمبر ۱، ملاحظہ کرنی چاہئے —

اپنے فرائض کو مردانہ ادا کریں ، سب نے شجاعت کا وعدہ کیا ، کرتے بھی کیا ، کیونکہ دوسرا چارہ نہ تھا ، لڑائی شروع ہوئی ، وھرز نے اپنے قریب کے آدمیوں سے کہا کہ ذرا سلطان حبش کو دیکھ کر مجھے بتاؤ ، سلطان کی وھرز کا تاریخی نشانہ | پیشانی اقلے کے برابر ایک یاقوت

رمانی سے دھک رہی تھی اور وہ الگ نظر آتا تھا ، وھرز اپنے خچر پر سوار تھا ، اسی حالت میں اس نے ایک ساعدہ سعید انتخاب کر کے دشمن کے تیر مارا ، فشافہ سچا تھا ، تیر یاقوت کے بیچ میں پڑا ، پتھر ریزہ ریزہ ہو کر الگ جا پڑا ، اور تیر مسروق کی پیشانی میں گر گیا —

یہن کا الحاق | بادشاہ کا کام تمام ہونا تھا کہ اس کی سپاہ کے قدم اکھڑ گئے ، فاتح ایرانیوں نے اس کو بے رحمی سے قتل کیا ، لیکن اس کے عرب اور حمیری ساتھیوں کی جان بخشی کی ، یہن ایران کا صوبہ ہو گیا ، اس کا پہلا حاکم ، اس کا فاتح وھرز تھا جس کی زندگی میں سیف نے بھی کچھ دنوں فرمانروائی کی ، وھرز کے بعد اس کا بیٹا پھر پوتا اور پڑ پوتا اور سب کے آخر میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا ایک اور خاندان کا ایرانی امیر ، باذان ، مسند حکومت پر بیٹھا ، اسلام کے زمانہ آغاز میں بھی ان ایرانی وطن گزینان یہن کے بہت سے قصے مشہور تھے ، اہل عرب ان کو ، بنوالا حوار ، یعنی امیر زانے کہتے تھے —

آل ساسان کی | ان واقعات کے تھوڑی مدت بعد (۵۷۸ میں) سربح الزوالی | نوشیروان کا پیام اجل آپہنچا اور ساسانیوں

کا انحلال شروع ہوا، دولت ایران کا ظاہر، جس کو اسلام کے سر فروشوں نے آئندہ صدی میں پاش پاش کر دیا، اگرچہ ہیبت و افتخار کی شان رکھتا تھا لیکن اس کا باطن آخری تہ تک سڑچکا تھا، اور اس کے اندر سازشوں کا جال چھایا ہوا تھا، عالمگیر بے چینی و انتشار، برادر گُشی اور فتنہ و فساد نے اس کا تار تار الگ کر دیا تھا، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے خود نوشیرواں کے عیسائی بیٹے انوش زاد نے اس کے خلاف سرکشی کی، نوشیرواں کے بعد اس کے جانشین هرمزد چہارم نے اپنی حماقت اور احسان فراموشی سے بہرام چوبہن کو بغاوت پر آمادہ کیا جس کے سبب سے هرمزد اور اس کے بیٹے خسرو پرویز کے درمیان مغائرت پیدا ہو گئی، آخر الذکر اور اس کے دو چچا، 'بسطام' اور 'بندیہ' رطن چھوڑ کر مشرقی روم کی سلطنت میں بھاگ گئے اور خود بادشاہ قتل ہوا، پرویز کی حکومت اگرچہ عرصے تک (یعنی ۵۹۰ سے ۶۲۷ ع تک) قائم رہی مگر قتل و سازش اور فساد و شر سے اس کو بھی چین نہ ملا۔ اور اپنے بیٹے شیروہ کی تلوار سے مارا گیا، ہرے نام ضابطے کی کارروائی کر کے اس کو غداری کا ملزم قرار دیا گیا اور یہ بے دردانہ توہین اُس خلاف قدرت ظلم کا ایک ضمیمہ تھا جو اس کے ساتھ روا رکھا گیا، پدر گُش فرمانروا چند ماہ کی مسند آرائی کے بعد جس کا افتتاح اس نے اتھارہ بھائیوں کے قتل سے کیا تھا بیدار ہوا اور ملک عدم کو راہی، پھر طاعون پھوٹ پڑا، اس نے ایران کو ویران کر دیا اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ ربا خدا کا قہر ہے جو نالائق 'شیروہ' پر نازل ہوئی ہے،

اس کا کم سن لڑکا اردشیر جو صرف سات برس کا تھا تخت پر بیٹھا لیکن غاصب شہر براز نے اس کے پایہ تخت طیسفون میں اردشیر کا محاصرہ کر کے اس کو تلوار کے گیات اتار دیا، ۴۰ دن (۹ جون سنہ ۶۳۰ ع) کے بعد شہر براز کو بھی اس کے تین محافظوں نے مار ڈالا، اب خسرو پرویز کی بیٹی پوران دخت، ایران کے خطرناک تخت پر متمکن ہوئی، بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اس کی دانائی اور نیک نیتی امن و امان کا پھل لائے گی مگر سولہ ماہ کے مختصر عہد اور مشرقی روم کے بادشاہ کو ” لکڑی کی اصل صلیب “ (جس پر حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے تھے اور جو اس وقت ایران میں تھی) واپس کرنے کے بعد وہ بھی جان بحق تسلیم ہوئی، اس کا جانشین پیروز ہوا جو دور کے رشتے سے اس کے باپ کا چچیرا بھائی تھا، اس نے ایک مہینے سے کم حکومت کی اور اس کی جگہ اس کی خوبصورت بہن آذری دخت کے قذحے میں آئی۔ اس ملکہ نے ایک توہین کے انتقام میں خراسان کے سپہبد خرخ ہرمزد کو تہ تیغ کر دیا اور خود بھی چھ ماہ کی مختصر حکومت کے بعد اپنے بیٹے ایرانی جرفل رستم کے ہاتھ سے ماری گئی، جو چار سال کے بعد (۶۳۵ ع) جنگ قادسیہ کی ہولناک شکست میں کام آیا، آذری دخت اور اس کے باپ کے پوتے یزدگرد سوم کے درمیان چار پانچ اور فرمانروا حباب کی طرح نمودار ہو کر غائب ہو گئے، کوئی تخت سے اتارا گیا، کوئی جان سے مارا گیا، بد نصیب یزدگرد اپنے شریف اور شاہی خاندان کا آخری بادشاہ تھا، اسلامیوں کے خوف سے تن تنہا تنہا تقدیر بھاگا چلا جا رہا تھا،

اس کے بدن پر صرت جواہرات باقی رہ گئے تھے ' جنہوں نے اپنے برباد اور مغرور مالک کے خلات ایک ذلیل دھقان کے دندان طمع کو تیز کیا اور اسے افسوسناک موت مرنا پڑا - نوشیرواں نے جب عبدالہسیح سے اپنے خواب کی تعبیر سنی تھی تو اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا کہ آخری تباہی کے لئے ایک زمانہ چاہئے ' ابھی تو میرے خاندان میں چودہ بادشاہ اور ہوں گے مگر اس خاندان کے پہلے چودہ بادشاہوں نے دوسو برس سے زیادہ فرمانروائی کی تھی ' کسے معلوم تھا کہ خسرو پرویز اور یزد گرد سوم کے درمیان جو (۱۱) تاجدار گزرے ان کی حکومتیں پانچ سال بھی پورے نہ کر سکیں گی * - پھر طرفہ یہ ہے تباہی کے آثار | کہ اس تہام عرصے میں غنیم اس سلطنت کے دروازوں پر کھڑا روز افزوں احرار کے ساتھ گرجتا رہا جس کی قسمت کا لکھا عنقریب پورا ہونے والا تھا ' تباہی کی علامتوں میں سے مورخ طبری + نے تین کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا ہے - وہ لکھتا ہے "خدا کی طرف سے ان علامات ہی کے ذریعے خسرو پرویز کو خبر دار کر دیا گیا تھا کہ اگر اس نے رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیغام کو رد کر دیا تو اس کی سلطنت پامال ہو جائے گی - کہا جاتا ہے کہ جس خط میں یہ پیغام قلمبند تھا وہ الفاظ ذیل پر مشتمل تھا : —

* شہریہ ۲۵ فروردی سنہ ۶۲۸ ع کو تخت نشین ہوا اور آل ساسان کا آخری تاجدار یزد گرد سوم ۶۳۲ کے آخر یا ۶۳۳ کے شروع میں -
+ دیکھو نولڈیکی کی کتاب "تاریخ آل ساسانی" صفحات ۳۰۳-۳۲۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا | بسم اللہ الرحمن الرحیم - من معہد
خط خسرو پرویز کے نام | رسول اللہ الی کسروی بن ہرمزد۔ اما بعد

فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الاہو و هو الذی اوانی و کنت
یتما و اغنائی و کنت عائلاً و ہدانی و کنت منالاً - ولن یدعہ
ارسلت بہ إلا من قد سلب معقولہ والبلاء غالب علیہ۔ اما بعد یا
کسروی فاسلم تسلم او افکن بعرب من اللہ و رسولہ ولن
یمجزھا والسلام :-

ایک روایت سے پایا جاتا ہے کہ خسرو پرویز نے اس خط
کو پُرزے پُرزے کر ڈالا، اس پر اسلامی سفیر نے بآواز بلند
کہا ” اسی طرح اے ناپاک بادشاہ ! خدا تیری سلطنت کو
تکڑے تکڑے اور تیری فوج کو تتر بتر کرے گا “ - دوسری روایت
میں درج ہے کہ ایرانی فرمانروا نے صوبہ دار یمن باذان
کو (صفحہ ۳۲۱) لکھا کہ وہ فوراً مدینے پر چڑھاؤ
کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرے اور مدائن
میں ان کو پابہ زنجیر لے آئے -

تنبیہی واقعات جن کے ذریعے خسرو پرویز کو دولت
ایران کی سریع الزوالی سے آگاہ کیا جانا ملتا ہے، تین انواع
پر ترتیب پاتے ہیں :- خواب ، علامات اور حقیقی

• یہ متن نہایت الرب کہمبرج کے موجودہ نایاب نسخے سے

ماخوذ ہے، دیکھو جنرل رائل ایشیا تک سوسائٹی ہائے ماہ اپریل

سالہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۵۱ -

+ دیکھو مفسون جو آخری نوٹ میں مذکور ہے صفحہ ۲۵۱ -

واقعات تاریخ —

تنبیہی واقعات (۱) | خوابوں میں ایک خواب یہ تھا کہ خسرو خواب

عصا کو توڑ رہا ہے۔ اس عصا کی تعبیر قوت ایران تھی۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ وہ فرشتہ دیوار پر کچھہ اکھہ رہا ہے نہایت الارب میں اس تحریر دیوار کا خلاصہ اس طرح سے دیا ہے: —

”اے کمزور انسان! تحقیق خدا نے اپنے بندوں کے پاس ایک رسول بھیجا ہے اور اس کو ایک کتاب وحی کی ہے پس اطاعت کر اور ایمان لا، خدا تجھ کو دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی دے گا لیکن اگر تو نے ایسا نہ کیا تو عنقریب تو ہلاک ہو جائے گا اور تیری سلطنت تباہ ہو جائے گی اور تیرا اقتدار تجھ سے رخصت ہوگا۔“

(۲) علامات | علامات میں پہلے تو ایک بندہ کا بار بار پھٹنا ہے جو بادشاہ کے حکم سے ”دجلہ عورا +“

* دیکھو طبری طبع ۱۸۱۳ء ج ۱ ص ۱۰۱۳ س ۷ - مترجم

+ دیکھو لیسنر بلج کی کتاب (The Lands of the Eastern

Caliphate) یا مہداد اند کس —

(بصرے کے قریب دجلے کی ایک شاخ) پر باندھا گیا تھا ،
 دوسرے اُس گنبد دار معراب کا بیٹھہ جانا جس میں بادشاہ
 کے تخت پر پیسے کے براہر تاج لٹکتا تھا ۔ تیسرے بعلیوں کا
 کونڈا جو مشرق کی طرف بڑھتی ہوئی حجاز تک
 پہنچ گئیں —

(۳) جنگ ذوقار | تاریخی واقعہ ذوقار کی لڑائی ہے ، جو ۶۰۴ء اور
 ۶۱۰ء عیسوی کے درمیان واقع ہوئی ، یہ
 لڑائی بجائے خود کوئی اہم چیز نہ تھی ، لیکن اس نے عربوں
 کو بتا دیا کہ اہل ایران باوجود اپنی قوت و شہرت اور
 بہتر تہذیب و تمدن کے غیر مغلوب نہیں ہیں ، آنحضرت
 صلی اللہ علیہ و سلم نے جب اس کا حال سنا تو کہا ” آج پہلا
 دن ہے جب کہ عربوں کو اہل ایران کی طرف سے اطمینان
 حاصل ہوا ہے ، میرے ہی توسط سے ان کو نصرت ملی ہے “ —

باب پنجم

اہل عرب کا حملہ

عربوں کے عروج پر | توڑی نے اسلام پر ایک پاکیزہ * کتاب
توڑی کی رائے | لکھی ہے اس میں وہ رقمطراز ہے کہ

”ساتویں صدی کے پہلے نصف حصے میں ایران اور دولت
باؤنٹائن میں ہر ایک شے معمول کے موافق اپنی اپنی دگر
پر جاری تھی، مغربی ایشیا کے تساط کا جھگڑا دونوں سلطنتوں
کو ہمیشہ دست و گریبان رکھتا تھا، دونوں کا ظاہر ہر
ایک آنکھ کو خوشنما اور سرسبز معلوم ہوتا تھا، محصول چاروں
طرف سے کٹھن رقموں میں کھنچا چلا آتا تھا اور دونوں
کے پایے تخت عیش و طرب اور کروفر کے لئے شہر و آفاق اور
ضرب المثل تھے لیکن یہ جو کچھ بھی تھا دیکھنے ہی دیکھنے
کا تھا، ورنہ دونوں سلطنتوں کی جڑوں میں کھن لگ چکا تھا

* اس کا فرانسیسی ترجمہ وکٹر شووین نے کیا اور نام یہ رکھا
ہے ”تاریخ اسلام پر ایک مضمون“ (مطبوعہ لیڈن و پیرس ۱۸۷۹ء)

مسند آواؤں کی فرہونیت اور مطلق العنانی کے بوجہ نے دونوں ملکوں کو دبا رکھا تھا، شاہی خاندانوں کے کارنامے قتل و غارت کا ایک طولانی سلسلہ اور مذہبی نزاعوں کے باوجود ملک کی تاریخ ظلم و تعدی کا ایک دفتر تھا، اس اہم موقع پر ایک نئی قوم گھنام صحراؤں سے دفعتاً اُٹھی اور عرصہ کا عالم پر صف آرا ہوئی۔ پہلے اس قوم کے افراد بے شمار خانہ بدوش قبیلوں میں تقسیم اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے مگر اس وقت وہ متحد و متفق ہو گئے تھے اور ان کے اتحاد کا یہ پہلا موقع تھا لیکن یہی قوم ایسی تھی جس کی رگ و پے میں آزادی کا جوہر جذب اور جس کے ضمیر میں شرافت و سہمان نوازی اور ذہانت و شگفتگی کا عنصر شامل تھا۔ ان کی غذا سادی اور لباس بھی تکلف سے بری تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ ان میں غرور و تمکنت تھی، غصہ بھی ایسا تھا کہ اس کا آجانا غضب تھا، مشتعل ہونے کے بعد انتقام و کینہ اور جور و تشدد کسی چیز سے ہاتھ نہ روکتے تھے۔ انہوں نے ایرانیوں کی واجب التعظیم مگر کرم خوردہ سلطنت کو دم کے دم میں الٹ دیا، قسطنطین کے جانشینوں سے ان کے بہترین صوبے چھین لئے، جرمنوں کی ایک تازہ قائم مملکت کو پامال اور باقی یورپ کو خطرے کی حالت میں کر دیا۔ ایک طرف تو انہوں نے یہ طوفان برپا کیا دوسری طرف ان کا فتح مند لشکر ہمالیہ کے دامن تک گھس گیا، لیکن بر خلاف دوسری فاتح قوموں کے یہ لوگ ایک نئے مذہب کی اشاعت بھی کرتے جاتے تھے، ایرانیوں کی ثنویت اور بگڑی ہوئی

عیسویت کے مقابلے میں انہوں نے خالص توحید کو پیش کیا اور کروڑھا مخلوق نے اس کو قبول کیا اور آج بھی اس مذہب پر فوج انسان کا $\frac{1}{11}$ حصہ ایسا رکھتا ہے " جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور جنگ ذوقار کے واقعات میں دیکھ سکتے ہیں عربوں میں بے حد سخت اور عملی قوتوں کی علامتیں جنہیں اس وقت تک ان کے ہمسائے ناقابل التفات سمجھتے رہے موجود تھیں اور غلبہ اسلام سے قبل بھی اس کی کوئی خاص کمی نہ تھی۔ لیکن تہذیب عالم کی تاریخ میں انہوں نے جس قدر شاندار اضافہ کیا وہ صرف اسلام کا طفیل تھا، وہ اسلام جس کی سیدھی سادی مگر اعلیٰ تعلیم کی عظمت کو کوئی بے تعصب معقق نظر انداز نہیں کر سکتا۔ یورپین مورخ پیغمبر عربی پر تلقید کرتے وقت اکثر عرب کے ان حالات کو چھوڑ جاتے ہیں جن سے پیغمبر صاحب نے عربوں کو نکال کر انہیں اعلیٰ رتبے پر پہنچا یا اور وہ اس امر کو بھول جاتے ہیں کہ بہت سی رسم رواج مثلاً کثیر الاذن واجی اور بردہ فروشی جن کی وہ مذمت کرتے ہیں خود آنحضرت نے پیدا نہیں کیں بلکہ وہ پہلے سے ملک میں رائج تھیں اور پیغمبر صاحب نے ان کو صرف جائز رکھا۔ ابتدائی مسلمان ان بے شمار اصلاحات کو بضوبی محسوس کرتے تھے جو حضرت کی تعلیم سے وجود میں آئیں؛ وہ اصلاحات کیا تھیں؛ ہم ذیل کے بیان سے جو ابن ہشام کی سب سے قدیم (۲۱۳ھ = ۸۲۸ - ۲۹ ع) سیرت نبوی سے ماخوذ ہیں اچھی طرح معلوم کر سکتے ہیں * :-

* مرتبہ دستلفہاد سنہ ۱۸۵۹ ع وکیل کا ترجمہ، استیع کرت

سنہ ۱۸۶۴ ع

[نجاشی کا مہاجرین کو اپنے روبرو طلب
کرنا اور ان سے اسلام کے متعلق سوالات کرنا
اور مسلمانوں کا جواب دینا]

”پھر اس نے (نعبہؓ یا فرمانرواے حبش)
(خدا کو) بھیجا کہ وہ رسول خدا کے
پیروؤں کو بلا لائیں، جب ایلچی ان
کے پاس آیا تو وہ سب اذتھے ہو گئے؟
اور ایک دوسرے سے کہنے لگے، تم
بادشاہ کے سامنے جاو گے تو کیا کہو گے؟
سب نے جواب دیا، بخدا ہم وہی کہیں گے
جو ہم جانتے ہیں اور جو کچھ رسول نے
ہم کو حکم دیا ہے، اس کا نتیجہ خواہ
کچھ ہو۔ پس جب کہ وہ نعبہؓ کے
سامنے آئے تو اس نے بڑے بڑے پادریوں
کو جمع کر رکھا تھا اور یہ بادشاہ کے
کرد و پیش کتابیں پھیلائے ہوئے بیٹھے
تھے، بادشاہ نے ان سے سوال کیا، یہ
کیا مذہب ہے جس کی خاطر تم نے اپنے
برادران ملک کو چھوڑ دیا اور جس کے

+ لفظ محتاجرون (= ہجرت کرنے والے) متعدد (معلم) کے ان
پہروؤں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو مظالم سے تلک آکر مکہ سے
بھاگ گئے تھے اور حبش اور دیگر مقامات میں پناہ گزین ہوئے تھے۔

سبب سے نہ تم ہمارے مذہب کو اختیار کرتے ہو اور نہ کسی دوسرے مذہب کو؟“ پھر جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب نے جواب دیا اے بادشاہ ہم وحشی لوگ تھے جو بتوں کو پوجتے ، مردار کھاتے ، شرم ناک کام کرتے ، برادری کے بندوں کو توڑتے اور ہمسایوں سے برا سلوک کرتے تھے اور ہم میں جو طاقت ور تھا کمزوروں کو کچل دیتا تھا ۔ ہم اس طرح سے زندگی بسر کیا کرتے تھے کہ خدا نے ہم میں سے ہمارے پاس ایک رسول جس کا حسب و نسب جس کی دیانت و صداقت اور پاک زندگی سے ہم واقف تھے بھیجا تاکہ وہ ہم کو خدا کی طرف بلاے اور ہم خدا کی توحید کا اعلان کریں ، اس کی پرستھی کریں اور پتھروں اور بتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا خدائے بچائے پوجتے تھے۔ رسول نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں اور اپنے وعدوں کو پورا کریں ، برادری کی بندشوں کو سمجھیں اور پڑوسیوں کے حقوق کو پہچانیں ، حرام چیز اور

خون سے بچیں ؛ اس نے ہمیں برے کاموں
 اور دھوکے کی باتوں سے روکا ، یتیموں
 کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں کی
 عزت لینے سے منع کیا اور اس نے حکم
 دیا کہ ہم صرف خدا کی عبادت کریں
 اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں
 نمازیں پڑھیں ، خیرات دیں اور
 روزے رکھیں —

جب (حضرت) جعفر بادشاہ کو اسلام کے احکام گنا چکے تو
 انہوں نے کہا ” پس ہم نے اس کو سمجھا تسلیم کیا ، اس پر
 ایمان لائے اور جو کچھ وہ خدا کے پاس سے لایا تھا اُس کا
 اتباع کیا ، یعلیٰ اکیلے خدا کی پرستش کرنے لگے اور اس کا کوئی
 شریک نہ کھڑا کیا ، جس کو اس نے حرام ٹھہرایا اُس کو حرام
 سمجھا اور جس کو حلال بقایا اُس کو حلال مانا ، اس پر ہماری
 قوم کے لوگ ہمیں ستانے اور لڑائیں پہنچا نے لگے اور ہمیں
 ہمارے اعتقاد سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے تاکہ ہمیں
 خدا پرستی سے بت پرستی کی طرف لوٹا کر لے جائیں اور ہمیں
 ترغیب دینے لگے کہ ہم برے فعلوں کو جنہیں ہم پہلے جایز
 سمجھتے تھے پھر جایز قرار دیں ، پس انہوں نے ہمیں مجبور
 کرنے کی کوشش کی ، ہمیں تکلیفیں دیں ، ہمارے پیچھے
 پوکٹے اور ہمارے اور ہمارے مذہب کے ہرمیاں حائل ہونے کی
 کوشش کی ، اس لئے ہم تیرے ملک میں آ نکلے ، تیرے سوا
 ہر چیز پر تجھ کو ترجیح دی اور تیری حفاظت کے آرزو مند ہیں

‘ اور اے بادشاہ! اب ہم التجا کرتے ہیں کہ تیرے سامنے ہم کو ایذا نہیں پہنچائی جائیں۔ ’ —

اس کے بعد نجاشی نے اُن سے کہا ‘ کیا تیرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو تیرے نبی کو خدا کے ہاں سے پہنچی ہو؟ (حضرت) جعفر نے کہا ‘ ہاں ‘ بادشاہ نے کہا اچھا! تو مجھے سنا ‘ اس پر (حضرت) جعفر نے سورہ مریم (کھیمص) • کے ابتدائی کلمات پڑھے ‘ نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ ایسا رویا کہ اس کی تازہی تر ہو گئی ‘ اس کے پادری بھی یہ سن کر اُس کے ساتھ رونے لگے یہاں تک کہ ان کی کتابیں آفسوؤں سے بھیگ گئیں ‘ اس کے بعد نجاشی بولا ‘ حقیقت میں یہ اور وہ جس کو موسیٰ لے لے ایک ہی شمع کا نور ہے ‘ اب جاؤ میں خدا کو شاہد کرتا ہوں کہ تمہاری قوم کے لوگ تمہارے پاس نہ آنے پائیں گے بلکہ آنے کا خیال تک بھی نہ لائیں گے —

آنحضرت کی عادات و خصائل اور ان کی غایت کی بحث کو اس مقام پر چھیڑا گیا تو ہم کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے بالخصوص جب کہ ان موضوعات پر ‘ آنحضرت کے سوانح ‘ ان کے

• قرآن شریف سورہ ۱۹ جو زیادہ تر سورہ مریم کے نام سے مشہور ہے ‘ سورہ مریم اور دوسری اٹھائیس سورتوں کے شروع میں جو پر اسرار حروف آئے ہیں ان کے متعلق دیکھو سہل کے ” ابتدائی خیالات “ دفعہ سوم —

تعلیم کے ارتقا اور ترقی پر جو ابتدا رفتار میں آہستہ لیکن بعد میں بجلی کے مثل تھی اور خود مذہب اسلام پر سیل ' اسپرگز ' موٹر ' کریپل ' فولڈیکے ' ہوسویل اسمتھ اور سید امیر علی نہایت قابلیت سے اور کافی طور پر بھٹ کر چکے ہیں۔ ان میں سید امیر علی کی تصنیف اُن لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کرنی چاہئے جو یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور اس کے پیغمبر نے آج بھی اُن مسلمانوں پر جو مغربی تعلیم اور مغربی شائستگی میں رنگے ہوئے ہیں کس قدر سخت گرفت کر رکھی ہے کیوں کہ سید موصوف نے اپنی کتاب ایک ایسے مسلمان کی حیثیت سے لکھی ہے جو وسعت قلب اور وسعت نظر کے لحاظ سے ممتاز اور یورپ و ایشیا کے خیالات سے بخوبی آشنا ہے۔ اسلام کی زبردست قوت اس کی سادگی اس کی لچک اور اس کے اعلیٰ لیکن کامل طور پر ممکن الحصول اخلاقی معیار میں مرکوز ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عیسوی اخلاق کا معیار زیادہ بلند ہے مگر وہ انسان کی دسترس سے دور اور سلطنت کی دسترس سے دور تر ہے ' اسلامی کامل سیاست خیال میں آسکتی ہے اور آنحضرت کے قریبی جانشین خلفائے راشدین کے عہد میں کامل طور پر یا قریب قریب وجود میں بھی آچکی ہے ' ان خلفائے عہد کی بابتہ مورخ الفخوری کا بیان ہے :-

” واضح ہو کہ یہ سلطنت اس دنیا

کی سلطنتوں کے طور پر نہ تھی بلکہ اس کا

نظم و نسق پیغمبرانہ ناموس اور اس کے

الفخوری

کا بیان

حالات عالم آخرت کے مطابق تھے، حقیقت کو دیکھا جائے تو خلافت کے قاعدے پیغمبروں کی ہدایت یا ولیوں کے طریقوں کے مطابق تھے اور اس کی فتوحات شاہان کبار کی فتوحات تھیں۔ وہ کیا قاعدے تھے؟ زندگی میں سختیاں، غذا موتی جھوٹی اور لباس سیدھا سادہ تھا؛ ایک خلیفہ کی یہ حالت تھی کہ وہ بازاروں میں پیدل پھرتے تھے، بدن پر ایک شکستہ قمیص ہوتی جو بمشکل گھٹنوں تک پہنچتی تھی، پاؤں میں ان کے کھڑاؤں اور ہاتھ میں کورا ہوتا، کورے سے ان لوگوں کو جو مستوجب ہوتے سزا دیتے تھے۔ ان کی غذا غریب سے غریب شخص کی سی ہوتی تھی، امیر المومنین (رضی اللہ عنہ) شہد اور عہدہ روتی کو حد درجے کا عیش و عشرت سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی تقریروں میں ایک بار کہا تھا ”اگر میں چاہتا تو مجھ کو نہایت اچھا شہد اور جو کی نہایت نرم روتی مل سکتی تھی“ —

یہ بھی واضح ہو کہ لباس اور غذا

میں ان کی سادگی کچھ اس سبب سے
 نہ تھی کہ وہ نا دار تھے یا زرق برق
 لباس اور نہایت شیریں غذائیں ان کو
 میسر نہ تھیں بلکہ ان کا یہ سادہ
 طریقہ صرف اس لئے تھا کہ وہ اپنی
 حالت اپنی غریب سے غریب رعایا کے
 برابر کر دیں اور جسم سے اس کی
 خواہشات کو جدا کر دیں اور اسے ایسا
 قابو میں لائیں کہ وہ اپنے بہترین
 امکانات کا عادی ہو جائے؛ ورنہ ہر ایک
 خلیفہ کے پاس کثیر دولت کھجوروں
 کے جھنڈے جھنڈے باغات اور اسی نوع
 کے دوسرے سامان موجود تھے۔ ان کا
 بڑا خرچ خیر خیرات اور نذر و قربانی
 کا تھا، امیر المومنین علی (رضی اللہ عنہ)
 کی ذاتی املاک کی آمدنی بہت بڑی
 تھی لیکن وہ اسے غریبوں اور محتاجوں
 پر صرف کرتے تھے اور خود مع اہل
 و عیال کے سوت کے موٹے کپڑوں اور
 جو کی ایک روٹی پر گزارہ کرتے تھے۔
 رہیں ان کی جنگی مہمات اور سلکی
 فتوحات سو بے شبہ ان کے رسالے افریقہ
 میں پہونچے تھے اور خراسان کی آخری

سرحدوں تک پہنچ گئے تھے اور دریائے

جیحون کو عبور کر گئے تھے۔“ —

عربوں کے	محمد (صلعم) کا کام کچھ آسان نہ تھا، آغاز
خصائل	تبلیغ سے آٹھ یا دس برس بعد بلکہ در حقیقت

(۶۴۲ میں) مکہ سے ہجرت کے وقت تک ان کی ہدایت و محنت ان افراد کے سوا جن کا اعتقاد نہ تو مایوسی کو راہ دیتا تھا اور نہ غیر ممکن کو خاطر میں لاتا تھا سب کو اکارت جاتی ہوئی نظر آتی تھی۔ کچھ یہی نہ تھا کہ اہل عرب خصوصاً صحراؤں کے بدو اپنے کہن سال دیوتاؤں اور قدیم رسموں کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ اسلام کے زائد اذہ مقاصد کو سرے سے نا پسند کرتے تھے وہ اسلام کی دھمکیوں اور سزا و جزا کے وعدوں کو قبور کے بعد تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس ریاضت و تربیت سے کوسوں دور بھاگتے تھے جس کی طرف انہیں بلایا جاتا تھا۔ صحرا کا خالص بدو آج تک سخت مشکک اور گہرا مادہ پرست ہے؛ اس کی ٹھوس، صاف، تیز مگر کسی قدر محدود عقل جو اپنی اقلیم معاملات میں ہر وقت بیدار رہتی ہے غیر مادی اور فوق العواس اشیا کو نہ تو بھولے پن سے مافتی ہے نہ ان کی قوت میں لگتی ہے؛ اس کی خود سرا اور پر اعتماد فطرت میں نہ تو ایسے خدا کی گنجائش تھی اور نہ ایسے خدا کی ضرورت جو اگرچہ اس کی حفاظت کے لئے کافی تھا مگر خدست و ایثار بھی چاہتا تھا۔ باقی عربوں کے لئے بھی محمد (صلعم) کا اللہ تعالیٰ ان کے نزدیک کوئی نیا انکشاف نہ تھا اور اگر قدیم بت پرست عرب چھوٹے خداؤں کی نسبت

اس اللہ تعالیٰ پر کم متوجہ ہوتے تھے یا اس کی نذر و نیاز میں گھٹیا چیزیں پیش کرتے تھے تو اس کا سبب یہ تھا کہ اول الذکر ایک طرح سے قبیلے کی ملکیت ہوتے تھے، اس لئے ان سے امید تھی کہ وہ اپنے قبیلے کے معاملات میں زیادہ سرگرمی دکھائیں گے۔ تاہم اگر معاملات پوجنے والوں کی منشا کے موافق انجام نہ پاتے تو ان خداؤں کی تعظیم میں فرق آجایا کرتا تھا اور بقول توڑی ”وہ بات بات پر اپنے خداؤں سے بگڑ جاتے اور ان کی سرزنش و بے حرمتی سے نہ چوکتے“۔ اگر غیبی جوابات ان کی مرضی کے خلاف ہوتے تو وہ ان کی توہین کرتے، وہ بت جو قربانیوں کو مناسب طریقوں پر نہ قبول کرتے گالیاں کھاتے اور پتھروں کا فشانہ بنتے۔ الغرض دیوتا ذرا ذرا سی بات پر معزول اور معتبور کر دیے جاتے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود عرب کے باشندے نئے اور سختی کرنے والے مذہب کی طرف مائل نہ ہوئے، پرانے خدا گو نکہے تھے لیکن کم از کم مافوس اور بے ضرر بھی تھے، اگر وہ بندوں کو دیتے کم تھے تو معارضہ کی امید بھی کم کرتے تھے، مگر اسلام ان کی ذرا رو رعایت نہیں کرتا تھا، انہیں اور ان کے پوجنے والوں حتیٰ کہ ان کے آبا و اجداد کو جہنمی بتاتا تھا، اس کا بت شکن جوش ان کے فہایت محبوب بت کی بقا ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ کرتا تھا، مزید بریں جیسا کہ ڈاکٹر کولڈزی ہر نے اپنی فاضلانہ اور روشن کتاب ”اسلامی حالات“ کے پہلے باب میں دین و مروت کے عنوان سے صاف طور پر ثابت

کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت اور اسلام کے مطمحوں میں نہ صرف باعتبار چند در چند عدم مطابقت تھی بلکہ وہ ایک دوسرے کے سراسر خلاف تھے، شجاعت و دریا داری، فیاضانہ مہمان نوازی و قبیلہ پرستی اور بدی کا انتقام یا توہین کا بداء خواہ وہ ایک شخص کے ساتھ، اس کے اعزا کے ساتھ یا اس کے اہل قبیلہ کے ساتھ کی گئی ہو، عروب جاہلیت میں یہ خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں اور صفات عالیہ تسلیم کی جاتی تھیں؛ بذلات ان کے رضا و توکل، صبر و تحمل، ذاتی اور قومی مفاد کو مذہب کے مطالبات کا تابع کرنا، عدم دنیا داری اور غرور و نہود سے اجتناب اور اسی قسم کی بہت سی باتیں جو اسلام اپنے ساتھ لایا تھا عربوں کو تضحیک و حقارت پر مشتمل کرتی تھیں —

زمانہ جاہلیت اور اسلام کا مقابلہ	اس موازنے کو زیادہ واضح کرنے کے لئے ہم اس اسپرٹ (حقیقت) کو پیش کرتے ہیں

جو ذیل کے دو اقتباسوں سے جداگانہ طور پر نظر آتی ہے، پہلا اقتباس تو قرآن مجید سورۃ بقرہ (پنجم ۱۷۸) کا ہے اور دوسرا ایک نظم ہے جو داکو مطرب تابطہ شرأ سے منسوب کی جاتی ہے، یہ نام بھی بہت کچھ معنی خیز ہے، اس کے معنی ہیں "اس نے کوہ بھر کے شرارت لی" —

پہلا اقتباس یہ ہے :-

لیس البراں تولوا و جو حکم
 قبل المشرق والمغرب ولكن البر
 منی آمن بالده والیوم الآخر و
 الملائکة و الكتاب و النبیین و
 آقی المال علی حبه ذوی القربی
 و الیتیمی و المساکین و ابن
 السبیل و السائلین و فی الرقاب
 و اقام الصلوة و اتی الزکوة و
 الموفون بعهدهم اذا عاهدوا
 و الصابرين فی الباس و الضراء
 و حین الباس 'ولئک الذین
 صدقوا و اولئک هم المتقون-

نیکی یہی نہیں کہ اپنا منہ
 (نہاڑ میں) مشرق یا مغرب کی
 طرف کرلو بلکہ (اصل) نیکی
 تو ان کی ہے جو اللہ اور روز
 آخرت اور فرشتوں اور (آسمانی)
 کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان
 لائے اور مال (عزیز) اللہ کی محبت
 میں رشتہ داروں اور یتیموں،
 محتاجوں اور مسافروں اور
 سافکنے والوں کو دیا اور (قید
 غلامی سے لوگوں کی) گردنوں
 کو (چھڑانے) میں دیا اور نہاڑ
 پڑھتے اور ذکوة دیتے رہے اور
 (کسی بات کا) جب وعدہ کر لیا
 تو اس کو پورا کیا نیز تنگی
 میں تکلیف میں ہلا چلی گئی
 وقت ثابت قدم رہے یہی لوگ
 سچے اور پرہیزگار ہیں •

• سر ولیم مہور کی مختصر و پاکیزہ کتاب ”اقتباسات قرآن“

مہی درج ہے (مطبع لندن سنہ ۱۸۸۰ ع) —

دوسرے اقتباس کے متعلق بعض محققوں کا خیال ہے کہ وہ جعلی ہے اور علامہ خلف

تباطہ شرآ کا قصیدہ

الاحمر نے جو طباع ہونے کے باوجود صدق و راستی کا زیادہ پابند نہ تھا تصنیف کیا ہے؛ لیکن متوفی پروفیسر رابرٹ سن اسمتھ کی رائے ہے اور بخیاں راقم مدال رائے ہے کہ قصیدے میں ایام جاہلیت کی خصوصیات اس قدر صاف جھلکتی ہیں کہ اسے مشکل سے جعلی کہہ سکتے ہیں یا اگر یہ واقعی خلف الاحمر کی اختراع ہے تو گویا اسے نہایت خوبی کے ساتھ ایک ایسے قالب میں ڈھالا ہے جس میں جاہلیت کا خالص رنگ موجزن ہے • —

اس میں شاعر نے اوس انتقام کا ذکر کیا ہے جو اس کے ماموں کے قتل پر قبیلہ ہذیل سے لیا گیا تھا، قصیدہ مقتول کی تعریف سے شروع ہوتا ہے :-

ترجمہ

نیچے فالے میں سلحہ ایک مقتول آدمی

پڑا ہے اس کا خون بغیر بدلے نے نہیں

چھوڑا گیا ہے وہ چل دیا اور انتقام کا بار

• اس نظم کا معنی رائٹ کی ”عربی کتاب“ صفحہ ۱۸۷-۱۸۸

(مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۷۰ ع) میں دیکھنا چاہئے اور اس کا

ہنگامہ مظلوم جرمن ترجمہ اس مضمون میں جو ’بور‘ نے اس شاعر

پر لکھا ہے اور جو جرمن جلد دہم (بابت سنہ ۱۸۵۶ء صفحہ ۷۴-۱۰۹

میں شائع ہوا ہے —

مجھے ترکہ میں دیتا گیا ، میں نے اس
 بار کو خوشی سے اٹھا لیا ۔ خون کے
 افتقام کی فکر میں بہن کا ایک بیٹا ہے
 وہ ایسا شمشیر بند ہے کہ اس کی زرہ
 کبھی تھیلی نہیں ہوئی ، وہ ایک خاموش
 سراغی ہے جس کے بدن سے پسینے کی جگہ زہر
 بہتا ہے اور ایک ایسے سرسرا نے والے سانپ
 کی طرح سراغ لگاتا ہے جو زہر اگلتا ہے ۔
 جو خبر ہمارے پاس پہونچی وہ جان
 گسل اور دردناک تھی ، اس کا اثر
 اتنا بڑھا کہ ہم میں سے بڑے سے بڑا
 چھوٹا معلوم ہونے لگا ؛ قسمت نے (جو
 ہمیشہ بے وفا ثابت ہوئی ہے) ہم سے
 ایک ایسا آدمی چھین لیا جس کے
 قریب جانا مشکل تھا اور جس کا موکل
 کبھی ذلیل نہیں ہوا ۔ وہ موسم سرما
 میں آفتاب کی کرن تھا یہاں تک کہ
 جب شعراے یمانی چمکا تو وہ بالکل
 تھنڈا اور سایہ کے مثل تھا ؛ اس نے پہلو
 دبلی تھے لیکن محتاجی کے باعث نہیں
 وہ فیاض ، عقلمند اور مغرور تھا ، وہ
 عاقبت اندیشی کے ساتھ سفر کرتا تھا
 چنانچہ جب وہ ٹھہر تا تو جہاں وہ

ٹھہرتا عاقبت اندیشی بھی ٹھہیر جاتی
 جب وہ داد و دھش پر اترتا تو بارش
 کے بادلوں کا برسنے والا مینہ بن جاتا
 اور جب وہ میدان میں کودتا تو شیر
 فاتح بن جاتا۔ قوم میں وہ سب سے
 زیادہ دراز ریش تھا، سانولا اور
 گھیردار اور جب وہ جنگی کوچ میں
 ہوتا تو۔ فزک گفتار گرگ کی
 طرح چلتا، اس نے پاس دو ذائقے
 تھے شیریں اور تلخ اور ہر شخص نے
 ان دونوں ذائقوں کو چکھا۔ وہ گھوڑے پر
 سوار ہو کر خطرے یعنی صحرا میں
 اکیلا سفر کرتا تھا کوئی اس کے ساتھ
 نہ ہوتا سوا اس کی دندانہ داریہنی
 تلوار کے۔ بہادروں کا ایک گروہ دوپہر
 کی دھوپ اور پھر رات کی اندھیری
 میں سفر کر رہا تھا، آخر جب صبح
 کی گھر صاف ہو گئی تو وہ اتر پڑا، ہر
 مشتاق جنگ جو کے پہلو میں ایک تیز
 تلوار لٹکتی تھی اور جب وہ میاں سے
 باہر نکلتی تو بجلی کی طرح چمک
 جاتی۔ پس ہم نے ان سے خون کا بدلا
 لیا اور دونوں گروہوں میں سے معدودے

چند کے سوا کوئی نہ بچا، وہ ٹھنڈ کے جھونٹوں میں تھے اور جب وہ اونگھنے لگے تو میں نے ان کو سوا سیمہ کر کے منتشر کر دیا اور اگر صفیل نے اس کی تلوار کا پھل توڑ دیا تو کیا ہوا اس نے بھی تو صفیل کے کئی ایک پھل توڑ ڈالے۔ اس نے کئی بار ان کو فائدہ دار جھکنے کی جگہ جھکایا جہاں پاؤں ٹرت ٹرت گئے اور کئی بار اس نے صبح کے وقت ان کو ان کی پناہ گاہوں میں چھپ کے چالیا اور اس صورت سے جب کشت و خون ہو چکا تو لوٹ مار شروع ہوئی۔ میں نے صفیل کو بھونا اور میں ایسا جنگ جو ہوں جو ہدی سے اس وقت تک نہیں تھکتا جب تک کہ وہ نہ تھک جائیں۔ اس کے نیزے کو پہلا کھونت کون دیتا ہے؟ جب وہ اپنا پہلا کھونت پی لیتا ہے تو وہ دوسرا کھونت لیتا ہے، شراب میرے لئے اس وقت حلال ہو گئی جب کہ وہ حرام تھی اور کس قدر مشکل سے یہ کبھی کبھی حلال ہو جاتی ہے۔ اے سوا ابن عمر! لا شراب دے کیونکہ میرے خالو کی موت سے میرا جسم

دبلا ہو گیا ہے کفتار صغیل کے مقتولوں پر
 ہنستا ہے اور تم دیکھ سکتے ہو کہ
 بھیڑیا ان پر اپنے چمکدار دانت نکال
 رہا ہے اور شکاری پرفدے صبح کو
 پیت اٹے ہوئے اُٹھتے ہیں اور ان
 لاشوں کو روندتے ہیں اور اُتر نہیں سکتے

الغرض جیسا کہ میور نے خوب کہا ہے ” غیر مسلم عربوں
 کی انتہائی فیکہ ” مروتہ “ (” جوان مردی “ یا فیکہ) کا
 لب لباب عزت و انتقام تھا، حریت، شجاعت، سخاوت، فیکہ کا
 بدلہ فیکہ اور بدی کا بدی پیش کرنا مگر دل کھول کر مے و
 معشوق اور میدان جنگ کو جان کے برابر سمجھنا زندگی کو
 عزیز رکھنا اور موت سے نہ ڈرنا، خود مختاری و خود اعتمادی
 اور غرور و غارتگری اختیار کرنا سب سے بڑا کر یہ کہ جائز
 یا نا جائز ہر حالت میں اپنے بھائی بندوں کا ساتھ دینا اور
 رشتہ خوں کو جملہ واجبات سے افضل جاننا۔ قدیم عربوں کے
 انتہائی خیالات یہ تھے اور موجودہ وحشی بدڑوں کے خیالات
 بھی یہی ہیں جو نام کے سوا مشکل سے کسی اور چیز کے
 مسلمان ہیں۔ آنحضرت کے چچا ابو طالب جس طرح اپنے بھتیجے
 کے ساتھ پیش آئے وہ بھی اس قوم کے خیالات کا نمونہ ہے
 اور اس سے دل پر اثر ہوتا ہے۔ پیغمبر کے دل کو لگی ہوئی
 تھی کہ وہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں انہوں نے بہت کوشش
 کی اور انہیں سمجھایا لیکن انہوں نے جواب دیا ” میں اپنے
 باپ داداؤں کا مذہب اور جو کچھ وہ مانتے تھے اسے نہیں

چھوڑ سکتا لیکن بغداد جب تک میں زندہ ہوں تجھے پر کوئی

ایسی بات نہ آنے دوں گا جس سے تجھے تکلیف پہنچے * —

ابو طالب آنحضرت کو نبی برحق نہیں سمجھتے تھے اور

سمجھتے تھے تو وہ اپنے باپ داداؤں کی صحبت میں جہنم کی

آگ کو اس جنت پر ترجیح دیتے تھے جو ایمان کے انعام میں

انہیں دی جاتی مگر باوجود اس کے وہ اس کی تاب نہیں

لا سکتے تھے کہ غیر ان کے بھتیھے کو ستائیں —

ہجرت نبوی (۶۱۰ء) سے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر کی

خلافت تک کا زمانہ (۶۱۰ء) اسلام کی زاہدانہ زندگی کا دور

زریں تھا اور یہ دور اسلام کی فلسفیانہ زندگی کے دور سے

بالکل جدا چیز ہے، اگرچہ الغزوی کے مذکور الصدر اقتباس میں

جس بہترین ” مذہبی حکومت “ (تھیو کریسی) کو بیان کیا

کیا ہے وہ حضرت علی کی وفات تک (۶۱۱ء) جنہیں دنیائے اسلام

کا ایک کثیر گروہ جانشینان پیغمبر میں سب سے شریف، بہتر

اور لائق مانتا ہے، قائم رہی، لیکن خلیفہ سوم حضرت عثمان

کی خلافت میں نفاق و فرقہ بندی قتل و خانہ جنگی اور آپس

کے جھگڑوں نے جنم لے لیا تھا۔ آنحضرت اس وقت تک زندہ

رہے جب تک کہ بظاہر سارے عرب نے ان کی تعلیم کے آگے سر

نہ جھکا لیا لیکن جونہی ان کی آنکھ بند ہوئی، عربی

قبائل میں اسلام کے خلاف ایک عالم گیر بغاوت نے سر اٹھایا اور

جب تک کہ اس بغاوت کی آگ خون میں نہ بجھ گئی اور

دارکان دین قتل یا مطیع نہ کر لئے گئے حضرت ابوبکر نے غیر

ہر ہی ممالک کی تسخیر اور ان کو مسلمان کرنے کی طرف
کامل توجہ نہ کی؛ ان میں ہمارا تعلق صرف ایران سے ہے جس
کی تفصیل کے لئے ہم شگفتہ بیان اور مرقع نگار الفخری کے
صفحوں سے ایک بار اور استفادہ کرتے ہیں۔ اس نے ان علامات
اور تنبیہات کی صراحت کی ہے جن کے باعث نوشیروان اور
خسرو پرویز کو سخت فکر دامن گیر ہو گئی تھی اور اس کے
بعد یہ لکھا ہے کہ ”اس قسم کی بد شگونیاں کا تار بندہ کیا
اور ان کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ معاملے کا
تصفیہ نہ ہو گیا“ پھر وہ لکھتا ہے :-

”اور در حقیقت جب رستم سعد بن ابو وقاص کے مقابلہ پر آیا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک فرشتہ اتر آیا اور اس نے ایرانیوں کی کہانوں کو جمع کر کے ان پر مہر لگا دی اور انہیں اپنے ساتھ لیکر آسمان کی طرف چلا گیا۔ اس پر عربوں کے سچے اقوال، خود اعتہادی اور مصائب میں ان کے بے حد صبر کے متعلق ایرانیوں نے جو کچھ باتیں دیکھی تھیں وہ مستزاد ہیں، اس کے سوا آخر میں شہریار کی وفات اور یزد گرد کی تخت نشینی پر جو اس وقت ایک نو عمر اور ناقص التدبیر لڑکا تھا خود ایرانیوں کے درمیان	الفخری اور ایران کی ققم

مخالف آوازیں پیدا ہو گئیں ، پھر سب سے آخری اور سب سے بڑا سانحہ یہ گزرا کہ جنگ قادسیہ میں دفعۃً ان کے خلاف ہوا کا رخ بدل گیا جس کی خاک نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور ان کے چاروں طرف تباہی کا ایک حصار کھینچ دیا ، اس جنگ میں رستم قتل ہوا اور ایرانیوں کی فوج قتر بتر - پس ان علامتوں پر غور کرو اور جانو کہ خدا ایک مقصد رکھتا ہے جسے وہ پورا کرتا رہتا ہے “ —

”عربوں کے خیال میں ایران کی سرحد سب سے زیادہ مستحکم اور خطر ناک تھی اور وہ ان استحکامات کی تسخیر

عراق پر
فوج کشی
اور ایران
کی تسخیر

سے اس قدر ہیبت زدہ تھے کہ ان پر حملہ کرتے ہوئے جھجکتے تھے اور وہ سلاطین عجم کے ادب اور ان کی اس طاقت کے باعث جس کو وہ دیگر قوموں کے زیر کرنے میں دکھا چکے تھے ان سے پہلو بچاتے تھے ، یہ خیال حضرت ابوبکر کے اواخر ایام تک قائم رہا اور پھر صحابہ میں سے الہثمی بن

حارثہ کھڑے ہوئے ، انہوں نے لوگوں کو ایرانیوں سے جنگ کرنے کے لئے اکسایا اور کہا یہ بات ہی کیا ہے اور انہیں ہمت دلائی ، اس پر ایک گروہ تیار ہو گیا اور لوگوں کو پیغمبر خدا کا قول یاد آیا کہ انہوں نے ایرانی سلاطین کے خزانوں پر قبضہ کرنے کے متعلق کہا فرمایا تھا ، مگر حضرت ابو بکر کے عہد تک اس معاملے میں کوئی عملی کارروائی نہ ہوئی —

” لیکن حضرت عمر ابن الخطاب کے زمانے میں مثنیٰ بن حارثہ نے ان کو لکھا کہ ایران کے حالات ابتر ہیں اور نیا بادشاہ یزد گرد ابن شہر یار جو ابھی کمسن لڑکا ہے تخت پر بیٹھا ہے ۔ واقعی تخت نشینی کے وقت یزد گرد کی عمر ۲۱ سال کی تھی ۔ اس خبر پر حملہ ایران کا شوق عربوں کے دلوں میں زیادہ ہوا اور حضرت عمر فوج لے کر مدینہ سے باہر آئے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور وہ کسی کوانتی جرأت ہوئی کہ ان سے کوئی بات پوچھتا ۔ آخر کار

ایک شخص نے ایک بار ان سے پوچھا کہ روانگی کا وقت کیا ہے مگر ایک جھڑکی کے سوا اسے کوئی جواب نہ ملا۔ ”مسلمانوں کا قاعدہ تھا کہ کسی بات سے وہ بے چین ہوتے اور اس کی نسبت انہیں پوچھہ گچھہ کی ضرورت ہوتی تو وہ عثمان ابن عفان یا عبدالرحمن بن عوف کے پاس چلے جاتے اور اگر معاملہ بہت ہی ضروری ہوتا تو وہ ان دونوں کے ساتھ حضرت عباس کو بھی شامل کر لیتے، چنانچہ عثمان نے عمر سے کہا ”اے امیرالمومنین آپ کے پاس کیا خبر آئی ہے اور آپ کا ارادہ کیا ہے! حضرت عمر نے صلوٰۃ جامعہ کی مفاد کی کرائی اور جب لوگ ان کے گرد و پیش جمع ہو گئے تو انہوں نے اصل بات کا اعلان کیا، لوگوں کو نصیحت کی اور ایرانیوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور مہم کو ایک معمولی سی چیز بیان کیا، لوگ فہایت خوشی سے راضی ہو گئے۔ بعد ازاں انہوں نے کہا کہ آپ بذات خود ہمارے ساتھ چلیں، عمر نے جواب دیا اچھا بشرطیکہ

اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نہ ہوئی۔
 پھر انہوں نے صحابہ میں سے ان
 اشخاص کو طلب کیا جو سب سے زیادہ
 ممتاز صائب الرائے اور دور اندیش
 تھے، انہیں اپنے رو برو طلب کیا اور ان
 سے مشورہ چاہا۔ انہوں نے مشورہ دیا
 کہ وہ جنگ میں نہ جائیں اور صحابہ
 میں سے کسی بڑے آدمی کو بھیج
 دیں اور خود پیچھے رہ کر کمک اور
 مدد سے اسے تقویت پہونچائیں۔ اگر
 ہماری فوجیں کامیاب ہوئیں تو ہمارا
 مقصد پورا ہوگا اور ہلاک ہوئیں تو
 ان کی جگہ وہ اور بھیج دیں۔ —

”پس جب لوگوں کو اس تدبیر پر
 اتفاق ہو گیا تو حضرت عمر مہر پر آئے
 کیونکہ اُن کا دستور تھا کہ جماعت
 سے خطاب کرنے کے لئے اُن میں سے ایک
 شخص مہر پر چڑھتا اور جس موضوع
 پر اس کی خواہش ہوتی گفتگو کرتا۔
 پس جب عمر مہر پر پہونچ گئے تو
 انہوں نے کہا اے لوگو! میں تمہارے
 ساتھ جانے کو بالکل تیار تھا لیکن
 تمہارے عاقل اور عاقبت اندیشوں نے

مجھے اس ارادے سے روک دیا اور کہتے
 ہیں کہ میں یہیں پیچھے رہ جاؤں اور
 تمہارے ساتھ کسی اور صحابی کو
 بھیج دوں جو لڑائی کا اہتمام انصرام
 کرے۔ پھر انہوں نے ان سے پوچھا کہ
 وہ کس کو چاہتے ہیں۔ اس موقع پر
 انہیں سعد بن ابی وقاص کا ایک خط
 دیا گیا جو اس زمانے میں کسی کام
 پر باہر گئے ہوئے تھے، لوگوں نے عمر
 سے ان کی سفارش کی اور کہا وہ حملے
 میں شیر کی طرح چبھتے ہیں۔ یہ
 تجویز خلیفہ نے پسند کی، سعد کو
 بلایا اور عراق کا سپہ سالار بنا کر فوج
 ان کے سپرد کر دی۔ —

پس سعد فوج کے ساتھ روانہ ہوے
 اور حضرت عمر بھی کچھ فرسنگ تک
 ان کے ساتھ گئے پھر انہوں نے فوج کو
 نصیحت کی اور جہاد پر آمادہ کیا،
 اس کے بعد خدا حافظ کہا اور مدینے
 واپس چلے آئے، لیکن سعد برابر آگے
 بڑھتے رہے اور راستہ بدل کر حجاز
 اور کوفہ کے درمیانی صحرا میں نکل
 آئے، اس اثنا میں وہ ہر قسم کی

خبریں فراہم اور عمر (رض) کے خط پر خط وصول کرتے ہوئے چلے۔ خلیفہ ہر خط میں تدبیر پر تدبیر لکھتے تھے اور مسلسل کہک سے تقویت پتو نہتا رہے تھے، آخر الامر سعد (رض) نے فیصلہ کیا کہ قادیسیہ کی طرف بڑھنا چاہئے کیونکہ وہ سلطنت ایران کا دروازہ تھا۔ ”جب سعد (رض) قادیسیہ پہنچ کر ٹھہر گئے تو انہیں اور ان کے ساتھیوں کو سامان کی ضرورت ہوئی، اس لئے انہوں نے چند آدمیوں کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ گائے، بیل، بھیڑ بکریاں تلاش کر کے لائیں۔ باشندگان سواد کو ان لوگوں کے آگے بڑھنے سے خوف ہوا مگر آخر انہیں ایک آدمی مل گیا اور اس آدمی سے انہوں نے مویشی اور بکریوں کے متعلق دریافت کیا، لیکن اس نے جواب دیا کہ ”میں بالکل ناواقف ہوں،“ حالانکہ وہ خود چرواہا تھا اور اُس نے اپنے جانور ایک محفوظ مقام پر چھپا لئے تھے۔ روایت ہے کہ ان میں سے ایک بیل خود بخود تکارا اور اس نے چرواہے کو جھٹلایا اور گویا کہا کہ ہم یہاں ہیں، پس وہ لوگ اندر گھس گئے

اور ان میں سے کئی ایک مویشیوں کو باہر
 ہانک لائے اور انہیں سعد (رض) کے سامنے
 پیش کیا۔ یہ واقعہ خدا کی مدد کی
 علامت سمجھا گیا کیوں کہ اگر چہ بیل
 نے زبان قال سے رکھوالے کا جھوٹ نہ
 کھولا تھا مگر ایسے فاذک وقت پر اس
 کا کارنا جس کی بدولت عربوں کو
 مویشیوں کی موجودگی کا علم ہو گیا،
 بہت غنیمت ہوا۔ اس سے چرواہے کے
 بیان کی قلعی کھل گئی۔ یہ واقعہ ان
 اتفاقات میں سے تھا جنہوں نے فتح
 و سلطنت کی پیشین گوئی کی اور اس
 سے عربوں کا شکون نیک مستنبط
 کرنا بجا تھا۔ —

”حضرت سعد (رض) اور اُن کی فوج نے
 بڑھنے کی خبر ایرانیوں کو پہنچی تو
 انہوں نے رستم کی سرکردگی میں
 تیس ہزار مسلح سپاہ روانہ کی۔
 عربوں کی تعداد صرف سات اور آٹھ
 ہزار کے درمیان تھی اگرچہ بعد میں
 انہیں اور کمک پہنچ گئی تھی۔ جب
 دونوں لشکر صف باندھ کر سامنے آئے تو
 ایرانی غنیم کے نیزے دیکھ کر ہنسنے لگے اور

کہا یہ فیروز کیا تکلی ہیں *۔ اس کے
 ضمن میں ہم ایک قصہ اور نقل
 کرتے ہیں جس کا یہاں بیان کرنا
 نا مناسب نہ ہوگا، فلک الدین محمد
 ابن آید مر نے ہم سے حسب ذیل
 واقعہ بیان کیا :—

”سنہ ۶۵۶ھ (= سنہ ۱۲۵۸ ع)
 میں جس وقت دارالسلام (بغداد)
 پر بلا نازل ہوئی ہے اور دیندار + اصغر
 تاتاریوں + کے مقابلے کے لئے فوج لے کر
 شہر کے مغرب کی طرف بڑھا تو فوج

* دیکھو البلاذری (مرتبہ دے کیچے صفحہ ۲۵۹ - ۲۶۰)
 یہاں ایرانی فوج کے ایک سپاہی کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ قادیہ
 کی لڑائی میں ایرانی عربوں کے فیروزوں کا کس طرح مذاق اڑاتے تھے
 اور ان کو دوک کہتے تھے —

+ یہ لفظ ایک ایرانی عہدے کا نام ہے جس کے معنی دویت یا
 دوات دار ہیں، ”انگریزی میں کھپڑ آف دی سہان“ (Seals)
 کہہ سکتے ہیں، الفخوری نے شروع چودھریں صدی عیسوی میں اپنی
 تاریخ تاربخ لکھی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حسلہ مغل کی
 سفاکیاں دلوں سے ہلوز متحدہ نہ ہوئی تھیں —

+ عرب مورخ مغلوں کو اس نام سے موسوم کرتے تھے، اہل
 یورپ نے اس کو ”تار تار“ بلایا دیا تاکہ ”تار تارس“ کے مقامات
 اسفل اور اس ہیبت ناک قوم کے درمیان ایک لسانی علاقہ بھی
 پیدا ہو سکے —

میں میں بھی تھا ' ہم نہر شبیر پر
 دجلہ خورد کے معاونوں میں ہے ایک
 دوسرے کے مقابلے میں آئے؛ ہماری
 صف سے دشمن سے لڑنے کے لئے ایک جوان
 نکلتا جو عربی گھوڑے پر سوار اور
 زرہ بکتر زیب تن کئے ہوتا گویا کہ
 وہ اور اس کا گھوڑا سنگینی میں ایک
 پہاڑ تھا پھر مغلوں کے لشکر میں سے
 ایک سپاہی جو گدھے کے مثل ایک
 گھوڑے پر سوار اور دوک کی طرح کا
 ایک نیزہ ہاتھ میں لئے مقابلہ پر
 آتا ' اس کے جسم پر نہ زرہ ہوتی
 تھی نہ اسلام ' جو کوئی اسے دیکھتا وہ
 ہنس پڑتا لیکن دن ختم ہونے سے پہلے
 وہ ہم پر غالب آگئے ' انہوں نے ہمیں
 شکست فاش دی جو ہماری تباہی کی
 جزا ثابت ہوئی ' پھر اس معاملہ میں ہم
 پر جو گذری وہ گذری "۔ بعد ازاں رستم
 اور سعد نے ایک دوسرے کے پاس اپنے
 اپنے سفیر بھیجے ' صحرا کے عرب
 رستم کے دروازے پر جاتے تو دیکھتے
 کہ رستم ایک کمرے میں طلائی تخت
 پر بیٹھا ہے ' تخت پر زر تار کدے اور

کمرے میں زر بفت کا فرش بچھا ہوا
 ہے؛ ایرانیوں کے سر پر تاج ہیں اور جسم
 پر زیور اور جنگی ہاتھی ان کے چاروں
 طرف کھڑے جھوم رہے ہیں۔ عرب
 ایلچی رستم کے قریب جاتا تو اس کے
 ہاتھ میں صرف ایک فیضہ ہوتا، کمر
 میں تلوار اور کندھے پر ایک کمان
 لٹکتی تھی، وہ اپنے کھڑے کو رستم
 کے تخت کے قریب کسی چیز سے باندھ
 دیتا، اس پر ایرانی چلاتے اور ایلچی
 کو اس حرکت سے روکنے کی کوشش
 کرتے مگر رستم ان کو منع کر دیتا اور
 عرب اپنے فیضہ پر سہارا کئے قالین
 اور گدیوں پر فیضہ کو ٹیکتا اور ان
 میں کھونچے لگاتا رستم کی طرف بڑھتا۔
 ایرانی کھڑے ہوئے اس حال کو دیکھتے
 تھے اور جب وہ رستم کے پاس پہنچ
 جاتا تو اسے فوراً جواب دیتا اور
 رستم ان ایلچیوں کے عاقلانہ الفاظ
 اور جواب سن سن کر متعجب اور
 ہراساں ہوتا مثلاً سعد (رض) ہر موقعہ
 پر ایک نیا سفیر بھیجتا تو رستم اس سے
 پوچھتا ”کل والا ایلچی آج کیوں

نہیں بھیجا گیا، “ سفیر جواب دیتا
 ” اس وجہ سے کہ ہمارا امیر راحت و
 کلفت میں سب کے ساتھ یکساں برتاؤ
 کر تا ہے۔“ ایک اور دن رستم نے نیزے
 کی طرف اشارہ کر کے پوچھا ” تیرے
 ہاتھ میں یہ تکلا کیسا ہے؟ “ عرب نے
 جواب دیا ” چنگاری کا چھوٹا ہو نا
 اس کا کوئی عیب نہیں۔“ پھر ایک دن
 کسی اور سے پوچھا ” تمہاری تلوار کو
 یہ کیا مرض ہے کہ ایسی گھسی ہوئی ہے“
 عرب تڑپ کر بولا ” میان سے گھس گئی
 ہے مگر اس کی دھار تیز ہے۔“ پس اس
 قطع کی باتوں سے رستم کے کان کھڑے
 ہوئے اور اس نے رفقا و خدام سے کہا
 ذرا غور کرو، ان لوگوں کے دعوے یا
 تو غلط ہیں یا صحیح، اگر غلط ہیں تو
 بھی ایسے لوگ جو اس احتیاط سے اپنے
 رازوں کو پوشیدہ رکھتے ہیں، کسی
 بات میں اختلات نہیں کرتے اور اخفاء
 راز میں ایسا اتفاق رکھتے ہیں کہ ان کے
 راز کوئی معلوم نہیں کر سکتا، ایسے
 لوگ فی الحقیقت نہایت قوی اور
 نہایت طاقتور ہیں، اور اگر ان کے

دعویٰ صحیح ہیں تو ان کا مقابلہ
کوئی فہمی کر سکتا۔ حاضرین اس کے
کرد و پیش چلا کر بولے ' ہم تجھے
خدا کا واسطہ دلاتے ہیں کہ تو نے ان
کتوں کی جو کچھ باتیں دیکھیں ان کے
اثر سے تو اپنے ارادوں میں ذرا فرق نہ
آنے دے اور ان سے جنگ کرنے کا جو
تیرا ارادہ اس پر قائم رہے۔ رستم نے
جواب دیا ” یہ میری رائے ہے جو میں
نے تم سے بیان کی ورنہ جو تم چاہتے
ہو میں تمہارے ساتھ ہوں “ —

” پھر کئی روز تک وہ خوب لڑتے
رہے ، آخری دن ہوا ایرانیوں کے خلاف
ہو گئی اور خاک نے انہیں اندھا کر دیا۔
رستم مارا گیا اور اس کی فوج کو
شکست ہوئی ، ان کا سارا مال و متاع
لوٹ لیا گیا ، ایرانی حواس باختہ ہو کر
دجلہ کے کناروں کی تلاشی میں چلے تاکہ
اسے عبور کر کے مشرقی سمت پر جا
اتریں۔ لیکن سعد نے ان کا تعاقب کیا
اور جلوہ کے وقوعہ پر ان کے بہت سے
آدمی پھر قتل کئے اور ان کا مال و
متاع لوٹ لیا ، قیدیوں میں ایرانی

تاجدار کی ایک لڑکی بھی پکڑ لی •۔
 پھر سعد نے مژدہ فتح عمر (رض) کو
 لکھ کر بھیجا اس زمانے میں عمر (رض)
 لشکر کے حالات کا تردد کے ساتھ انتظار
 کیا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ ہر روز
 خبروں کی تلاش میں مدینہ سے باہر
 نکل جاتے کہ شاید ادھر سے کوئی آنکلیے اور
 بتائے کہ عربوں پر کیا گزری - پس وہ
 شخص جو سعد (رض) کے پاس سے مژدہ
 لے کر چلا تھا آپہونچا تو عمر (رض) نے دیکھا
 اور اس کو آواز دی۔ پھر پوچھا تو ”کہاں
 سے آتا ہے “ - اس نے کہا ” عراق سے “
 بولے ” سعد اور فوج کا کیا حال ہے ! “
 قاصد نے کہا ” خدا نے ان کو فتح بخشی “۔
 قاصد اونٹ پر سوار تھا اور عمر (رض)
 زمین پر برابر برابر چل رہے تھے قاصد کو
 معلوم نہ تھا کہ وہ عمر (رض) ہیں ،
 مگر جب مخلوق ان کے گرد و پیش جمع
 ہونے لگی اور امیر المومنین کے لقب سے
 انہیں سلام کرنے لگی تو اس نے پہچان
 لیا اور کہا ” خدا کی تعجہ پر رحمت !

تو نے مجھ کو کیوں نہیں بتایا کہ خلیفہ
 توہی ہے ” عمر (رض) نے جواب دیا
 کہ ” اے اخی ! اس میں تیرا کیا قصور
 ہے ” اس کے بعد عمر (رض) نے سعد
 (رض) کو لکھا کہ ” جہاں ہو وہیں
 ٹھہر جاؤ ، تعاقب نہ کرو ، اتنا کافی
 ہے ، اور اس مقام پر مسلمانوں کے واسطے
 ایک جاے پناہ اور شہر قائم کرو تاکہ
 وہ اس میں رہیں اور ان کے اور میرے
 درمیان کوئی دریا حائل نہ کرو ۔“ پس
 سعد (رض) نے مسلمانوں کے لئے کوفہ
 بنایا اور اس میں ایک مسجد کا نقشہ
 تیار کیا ، لوگوں نے اپنے اپنے مکانوں کے
 نشان قائم کئے اور سعد (رض) نے کوفہ
 کو صوبہ کا مستقر قرار دیا ، پس اس
 طرح اس نے مدائن * پر قابو پایا اور
 اس کے خزائن و ذخائر پر قبضہ کیا ۔“

”اس موقع کے بعض عجیب واقعات کا ذکر

” ان میں سے ایک واقعہ تو یہ ہے کہ
 کسی عرب کو کافور کا تھیلا مل گیا وہ
 اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس اٹھالایا ،

انہوں نے کافور کو نمک • سمجھکر اس
 کھانے میں ڈال دیا جسے وہ پکارھے تھے۔
 مگر اس سے نمک کا مزہ پیدا نہوا ، نہ
 انہیں یہ معلوم ہو سکا کہ وہ کیا چیزھے
 پھر ایک شخص نے جو اسے جانتا تھا
 دیکھا اور تھیلا کا تھیلا اپنی شکستہ
 قمیص کے بالعوض خرید لیا ، قمیص کی
 قیمت دو درہم ہوگی —

” دوسرا یہ کہ صحرا کے ایک عرب کو
 ایک بہت بڑا اور نہایت قیمتی یاقوت
 مل گیا ، وہ اس کی قیمت سے واقف
 نہ تھا۔ ایک شخص نے جو اس کی قیمت
 سے واقف تھا اسے دیکھا اور ایک ہزار
 درہم میں خرید لیا ، بعد میں عرب کو
 اس کی اصلی قیمت معلوم ہوئی اس
 کے یاروں نے لعنت ملاست کی کہ ” تو
 نے ایک ہزار سے زیادہ کیوں نہ مانگے“
 اس نے جواب دیا مجھے ایک ہزار سے
 زیادہ کی گنتی معلوم ہوتی تو میں
 اس سے زیادہ مانگتا “ —

تیسرا واقعہ یہ کہ ایک عرب

سو نے کا سرخ دلا اپنے ہاتھ میں لئے
 ہوئے آواز لگا رہا تھا ”میرے زرد سے
 کوئی اپنا سفید بدلتا ہے“ اس کا خیال
 تھا کہ چاندی سو نے سے بہتر
 ہوتی ہے —

یزد گرد کا افجام

”اس کے بعد یزد گرد بھاگ کر
 خراسان چلا گیا اور اس کی قوت دن
 بدن گھٹتی گئی یہاں تک کہ وہ سنہ
 ۴۳۱ھ (۶۵۱ - ۶۵۲ء) میں قتل کر دیا گیا
 وہ سلاطین ایران میں آخری تھا

ہم نے الفخری کا یہ طویل اقتباس ترجمہ کیا ہے ، سبب
 یہ ہے کہ اس نے مختصر الفاظ شگفتہ اور پر روز پیرایے میں
 ایران کی عربی فتح کے نمایاں واقعات قلمبند کر لئے ہیں مگر
 یہ مختصر اور خاکے کی طرح کا کیونکہ طرح مقابلہ قادسیہ کی تھا۔ کن
 لڑائی سے نہ تو شروع ہوا اور نہ اس پر ختم۔ ابتداً
 جنگ یعنی نومبر سنہ ۶۳۴ء میں مردان شاہ اور چار ہزار
 ایرانیوں نے مسلمانوں کو قسن فاطف پر سخت شکست دی ،
 نہ یہ بات تھی کہ نہاوند کی لڑائی میں جو قادسیہ سے
 سات سال بعد واقع ہوئی ایرانیوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی
 ہو ، انہوں نے علاحدہ علاحدہ مقامات میں نہایت سختی کے
 ساتھ مقابلہ کیا اور صوبہ فارس میں جو عظمت عجم کا مرکز
 اور گہوارہ تھا ، ہر شخص سر بکف ہو کر لڑا بلکہ طبرستان نے

جس کے ایک طرف دلدل اور قدوتی جنگل آگیا ہے اور دوسری طرف سلسلہ کوہ نے اسے مرکزی سطوح مرتفع سے کاٹ دیا ہے اپنے اسپہبدوں یا ساسانیوں کے فوجی گورنروں کی ماتحتی میں ۷۶۰ ع تک اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا —

ساسانی ممالک کی عربی فتوحات کے بیان سے یہ بیان زیادہ مشکل ہے کہ حضرت محمد صلعم کے مذہب نے کس طرح زرتشت کے مذہب کو آہستہ آہستہ مغلوب کر لیا ، اکثر فرض کیا جاتا ہے کہ نبرد آزمایان اسلام نے اپنے حریفوں کے سائنے شرائط کے طور پر جو کچھ پیش کیا وہ قرآن تھا یا تلوار ، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجوسیوں کو اجازت تھی اور ان کے ساتھ عیسائی اور یہودیوں کو بھی کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں ، البتہ انہیں جزیہ یا ایک قسم کا ” شخصی محصول “ ادا کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور یہ انتظام بالکل انصاف پر مبنی تھا۔ کیونکہ غیر مسلم رعایا لازمی طور پر جنگی خدمات اور اداے صدقات سے بری تھی اور مسلمانوں کے ساتھ یہ دونوں شرطیں لگی ہوئی تھیں ، چنانچہ فتوح البلدان بلاذری * کے صفحہ ۶۹ میں مرقوم ہے کہ یمن نے پیغمبر کی اطاعت قبول کی تو انہوں نے سفیروں کو بھیجا کہ وہ نو مسلموں کو آئین وار کان اسلام سکھائیں اور جو ایمان لائے اس سے صدقہ اور جو نہ لائے مثلاً عیسائی

* البلاذری سنہ ۲۷۹ ہجری = ۸۹۲ ع میں مرا - اُس کی تصنیف سے گھجے نے مرتب کی ہے (لندن ۱۸۶۶ ع)

یہودی اور معبوسی اس سے جزیہ وصول کریں، اسی طرح عثمان کے معاملے میں انہوں نے ”ابو زید کو حکم دیا کہ ”مسلمانوں سے صدقہ اور معبوسیوں سے جزیہ وصول کیا جائے“ (صفحہ ۷۷) بحرین میں ایرانی مرزبان اور اس کے چند اہل وطن نے اسلام قبول کیا مگر وہاں کے باقی لوگ بدستور معبوسی رہے اور ہر بالغ آدمی ایک دنیا رفی کس کے حساب سے جزیہ ادا کرتا تھا، کتاب مذکور کے صفحہ ۷۹ میں لکھا ہے کہ ”معبوسی اور یہودی اسلام کے خلاف تھے اور جزیہ دینے کو ترجیح دیتے تھے“ عربوں میں جو منافقین تھے وہ یہ کہتے تھے حضرت معہد صلعم نے پہلے تو یہ کہا کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے لینا چاہئے اور اب انہوں نے ہجر کے معبوسیوں سے بھی جزیہ قبول کر لیا جو اہل کتاب نہیں ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی :-

یا ایہا الذین آمنوا علیکم	اے مسلمانو! تم اپنی خبر
افسکم لایضركم من ضل اذا	رکھو، جب تم راہ راست پر ہو
اھتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعاً	تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے
فینہدکم بہا کفتم تعالون —	تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔
	تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ
	کر جانا ہے تو جو کچھ کرتے
	رہے ہو تم کو بتا دے گا *

• زرتشتیوں اور ان کے ساتھ عیسائی اور یہودیوں سے جزیہ وصول کرنے کے متعلق دیکھو ”تہذیب مشرق“ جلد اول صفحہ ۵۹ مصلحتاً اے قارئین

وہ صلح نامہ جو حبیب بن مسلمہ نے آرمینہ کے باشندگان
 ”وابیل“ سے طے کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں :- بسم اللہ
 الرحمن الرحیم - یہ نامہ حبیب بن مسلمہ کا اہل ”وابیل“
 کے نام ہے، خواہ وہ عیسائی ہوں، معوسی ہوں یا یہودی،
 خواہ وہ حاضر ہوں یا غیر حاضر، تحقیق کہ میں تمہاری
 جان و مال، تمہارے معبد اور گرجا اور تمہاری فصیلوں کی
 حفاظت اپنے سر لیتا ہوں، تم اب محفوظ ہو اور ہم اس
 وقت تک شرائط صلح نامہ پر عمل درآمد رکھینگے جب تک
 کہ تم ان کو نہ توڑو گے اور شخصی و ارضی محصول دیتے
 رہو گے، اس کا خدا گواہ ہے اور خدا کی گواہی کافی ہے۔“
 جیسا کہ البلاذری کے صفحہ ۲۶۷ سے ظاہر ہوتا ہے، ایک
 موقع پر عمر (رض) کو کچھ شک گزرا کہ مفتوح معوسیوں
 کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے، لیکن عبدالرحمن
 بن عوف تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھ اور کہا: ”میں رسول
 خدا کی نسبت گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے فرمایا تھا
 ”اُن کے ساتھ بھی تم وہی برتاؤ کرو جو اہل کتاب
 کے ساتھ کرتے ہو۔“

یہ سچ ہے کہ وہ شہر اور قصبے جو مسلمانوں کے مقابلے
 پر کھڑے ہوئے، بالخصوص وہ جنہوں نے پہلے اطاعت قبول
 کی اور بعد میں بغاوت، آسانی کے ساتھ نہ بیچ سکے اور
 زیادہ تر باغیوں میں بالغ مرد یا کم سے کم جو نفوس مسلح
 پائے گئے وہ تلوار کا لقمہ بنائے گئے، اُن کی عورتیں اور
 ان کے بچے اسیر کئے گئے۔ لیکن یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ

زرتشتی مذہب کے تکلیف دہ ارکان اور آداب طہارت سے دلاتا تھا، ان تہام باتوں نے بہت سے ایرانیوں کو اس کی طرت مائل کر دیا اور کچھ شک نہیں کہ نو مسلموں کا بڑا گروہ خود بخود اور اپنی خوشی سے مسلمان ہوا۔ مثلاً قاسمیہ پر شکست کھانے کے بعد ایران کے چار ہزار دیلمی سپاہیوں نے باہمی مشورہ کر کے اسلام اختیار کرنے اور عربوں سے جا ملنے کا فیصلہ کیا، انہوں نے جلوہ کی لڑائی میں عربوں کا ہاتھ بٹایا اور بالآخر ان کے ساتھ کوفے میں آباد ہو گئے۔ * علاوہ ازیں لوگ جوق کے جوق بزمیت اسلام میں داخل ہونے لگے۔ فی الحقیقت ایرانی نو مسلموں اور ایرانی قیدیوں کی اس قدر تعداد کثیر عرب میں اُس وقت آئی کہ خلیفہ عمر (رض) کو ایک فکری پیدا ہو گئی اور حسب بیان دینوری (صفحہ ۱۳۶) وہ کھبرا کے چیخ اُٹھے کہ ”اے خدا! جلوہ کے قیدیوں کے بچوں سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں“۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

اس کو تصدیق کیا۔ کلام اللہ نے بہت سی باتیں اس میں پھلے لے لیں اور ثابت کرنا چاہا کہ آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام سے پیشتر ہی ہندوستان عجم کے صحف میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ لیکن متعلقین اس فریب کی پردہ داری کر چکے ہیں اور مصنف خود اسی کتاب میں ’دساندر‘ کو جدید العهد مان چکا ہے۔

پھر اسلام نے زرتشتیوں سے بھی کہا بات لے اور اس کا کھانا بوتا ہے؟ (مترجم) * بلاذری صفحہ ۲۸۰۔ ”تہذیب مشرق“ مصنفہ اے فان

واقعات نے ان کی فکر کو بھا ڈالت کیا ، کیونکہ ایرانی قیدیوں میں سے ایک شخص نے جسے عرب ابو لولو کہتے ہیں ان کا کام تمام کر دیا ۔ متعصب شیعہ اس قتل پر آج تک بغلیں بجاتے ہیں بلکہ کچھ زمانہ پہلے تک ”عہد کشاں“ کے نام سے اس کی برسی بھی اسی طرح کرتے تھے جس طرح انگلستان میں ”گامی ناک“ کا دن منایا جاتا ہے ۔

سب سے پہلے ایرانی نو مسلم سلیمان (رض) تھے ،
 سلیمان فارسی صحابہ میں آپ کا درجہ بہت بلند ہے ،

نصیریئین شام ان کو اپنی صوفیانہ تئلیٹ کا جو حروف الم میم سین (= علی (ض) = تصور معہد (ص) = فام سلیمان (ض) = باب ۵) پر مشتمل ہے ایک جزو مانتے ہیں ، یہ اس زمانے میں ایمان لائے تھے جب کہ اسلام ابھی میدان جنگ میں نہیں اُترا تھا ، انہیں فوجی انجینیری میں داخل تھا اور پیغمبر (صاحب) کو مدینے کی حفاظت میں ان سے بڑی مدد ملی تھی ۔ ان کا حال جسے ابن ہشام نے (صفحہ ۱۳۶ سے ۱۳۳ میں) تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ، فہایت دلچسپ ہے ؛ انہیں مذہبی باتوں کا بڑا شوق تھا ، اس شوق کی بدولت وہ نو عمری میں اصفہان کے عیسائی

* دیکھو الماکورۃ السلیمانیہ جس میں ایک نصیری مرتد کا اقبال درج ہے اور جو بیروت میں طبع ہوئی ہے ، اس میں تاریخ طبع درج نہیں ہے ، اس کا انگریزی ترجمہ از ای سیلسبردی جنرل آف دی امریکن اورڈی انٹل سوسائٹٹی بابۃ سنہ ۱۸۸۶ء (جلد ہشتم صفحات نمبر ۲۲۷ - ۳۰۸) میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۔ نیز دیکھو جنرل ایشیا تک بابۃ ۱۸۷۹ء صفحہ ۱۹۲ رقیہ -

گر جاؤں میں اکثر آیا جایا کرتے تھے ، اسی کی بدولت وہ
 اپنے شفیع باپ اور پر آسائش گھر کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور اسی
 کی بدولت انہوں نے اپنا پیدائشی مذہب پہلے عیسویت کے
 لئے ترک کیا اور پھر اسلام کے لئے۔ ان کا یہ مذہبی شوق خالص
 ایرانی تھا، اگرچہ ایرانیوں میں سامان (رض) صرف ایسے شخص ہیں
 جنہیں اصحاب کے معزز حلقے میں جگہ ملی لیکن اسلام کے
 ممتاز علمائے متقدمین میں اکثر اشخاص عجمی الاصل نظر
 آئیں گے۔ اسی طرح جنگ کے بہت سے قیدی یا ان کی اولاد
 مثلاً شیریں (سیرین) کے چار بیٹے جو جلولہ کی لڑائی میں قید
 ہوئے ، دنیاۓ اسلام کے فامور لوگ گزرے ہیں۔ لہذا یہ کہنا
 (جیسا کہ اکثر وہ لوگ کہتے ہیں جو تاریخ ادبیات فارسی
 میں محدود نظر رکھتے ہیں۔ جس کے خلاف ہم نے شروع کتاب
 میں صراحت کر دی ہے) درست نہیں ہے کہ ایران کی اسلامی
 فتح کے بعد دو یا تین صدی تک اہل ایران کی دماغی اور
 علمی زندگی کا صفحہ سادہ رہا۔ بخلاف اس کے یہ زمانہ خاص
 اور بے حد دلچسپی کا زمانہ ہے ، اس میں قدیم و جدید کی
 آمیزش ہوئی ، اس میں زبان نے اپنا لباس اور خیالات نے
 اپنی جون بدلی ؛ اس زمانے کو جموں اور موت کا زمانہ
 کہنا بالکل غلط ہے۔ یہ سچ ہے کہ سیاسی اعتبار سے
 ایران کا جداگانہ قومی وجود اس عظیم الشان اسلامی مہاکت
 میں غائب ہو گیا تھا جو سیحون سے جبال التمر (جبل الطارق)
 تک محیط تھی۔ تاہم اقلیم دانش و علم میں ایران نے بہت
 جلد اس فضیلت کا اظہار شروع کر دیا جس کا استحقاق اس کے

باشندوں کی قابلیت اور دقت نظر کے باعث اسے حاصل تھا، وہ چیز جس کا نام 'عربی سائنس' (علوم عربیہ) رکھا گیا ہے، یعنی فن تعمیر، فن روایت، دینیات، فلسفہ و حکمت، طب، تاریخ، سیرت، لغت بلکہ عربی صرف و نحو بھی۔ اگر ان میں سے ایرانیوں کا حصہ خارج کر دیا جائے تو ان علوم کا بہترین حصہ غائب ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ملکی نظم و نسق کے بہت سے طریقے ایرانی نمونوں پر تھالے گئے تھے۔ الفخری (مرتبہ اہلورت صفحہ ۱۰۱) دیوانہاے حکومت یا سرکاری دفاتر کی بابۃ لکھتا ہے: *

”ہر مسلمان سپاہی تھا اور مسلمانوں

کی لڑائیاں مذہب کے لئے تھیں، اس

دنیا کے لئے نہ تھیں۔ ان میں ایسے

لوگوں کی کمی نہ تھی جو اپنی دولت

کا معتد بہ حصہ خیر خیرات میں

دیوانوں کا صورت کرتے تھے اور جو اپنے ایمان اور

قیام و انتظام اپنے نبی کی اعانت کا معاوضہ خدا

کے سوا کسی سے نہیں چاہتے تھے۔

* تہذیب (”اسلام“ صفحہ ۱۵۶ میں) لکھتا ہے ”جس قدر

قوموں مسلمان ہوئیں ان میں ایرانیوں کا مسلمان ہونا سب

سے اہم چھڑ تھا، انہوں نے اسلام کو استواری اور تقویت بخشی

اور ایرانی ہی وہ لوگ ہیں جن میں سے اسلام کے مشہور تہذیب

فرقے پیدا ہوئے۔“

پہنچا یا ابو بکر نے ان پر کوئی مقررہ ٹیکس
 نہیں لگایا تھا بلکہ جب لڑائی میں لڑتے اور غلبہ
 کا سال ہاتھ لگتا تو بس اتنا ہی لے لیتے
 جتنا کہ قانوناً جائز تھا اور مدینہ میں جب
 کسی ملک کی دولت سہت کرائی تو مسجد
 نبوی میں اس کا تھیر لگا دیا جاتا اور پھر
 اس کو وہ مناسب طور پر تقسیم کر دیتے
 ابو بکر کی خلافت تک صورت حال یہ رہی لیکن
 ہندوہویں ہجری (= ۶۳۶ء) میں حضرت عمر
 کا زمانہ آیا اور انہوں نے دیکھا کہ کس طرح
 فتح پر فتح ہوتی چلی جاتی ہے اور ایرانیوں کے
 خزانے امداد بنے آتے ہیں اور کس طرح سونے
 چاندی جواہرات اور قیمتی پارچہجات کے انبار
 کھانچ کھنچ کر آ رہے ہیں تو انہوں نے یہ
 مناسب سمجھا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم
 کر دیں اور دولت ان کے درمیان بانٹ دیں
 مگر ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہہ کریں
 تو کیونکر، اتفاق سے مدینہ میں ایک ایرانی
 سر زبان تھا جس نے ان کی پریشانی دیکھ
 کر کہا اے امیرالمومنین! شاہان ایران کے ہاں
 ایک دفتر تھا جس کو وہ دیوان کہتے تھے
 جہاں ان کی آمد و خرچ کا سارا حساب درج کیا جاتا

ٹھا اور اس سے کڑی چیز باقی نہیں بچائی
 تھی، اور جو لوگ وظیفوں کے حقدار ہوتے تھے
 ان کے نام درجہ بدرجہ قلم بند کر لئے جاتے تھے
 تاکہ کوئی غلطی نہ ہو سکے، مہر نے یہ سنا تو وہ
 متوجہ ہوئے اور سرزبان سے کہا 'اس کا پورا حال
 بیان کر' پس سرزبان نے اسے بیان کیا اور مہر اسے
 سمجھتے ہوئے اور پھر انہوں نے دیوان قائم کر دئے —

مال کے معاملہ میں وہ صرف ایرانی طریقہ اختیار کیا
 تھا بلکہ حاج بن یوسف (قریب ۷۰۰ ع) کے زمانہ تک
 ایرانی زبان اور حساب کی ایرانی علامتیں کام میں آتی
 رہیں اور اس کے بعد جیسا کہ الہلا ذری نے (صفحہ
 ۳۰۰-۳۰۱) لکھا ہے سیستان کے گرفتار شدہ قیدیوں میں
 سے ایک قیدی کے بیٹے صالح کاتب نے سوان (کلدان)
 کے معاملہ مال کے ایرانی صدر کاتب و محاسب زادان اس
 فرخ سے فخریہ بیان کیا کہ اگر میں چاہوں تو سارا حساب
 خالص عربی میں رکھ سکتا ہوں، یہ الفاظ الحاج تک
 پہنچائے گئے تو اس نے صالح کو اس کام کے لئے حکم دیا: اسپر
 زادان کے بیٹے مردان شاہ نے چیم کر کہا "خدا تیرے
 خاندان کو اسی طرح نہست و نابوک کر دیے جس طرح تو نے
 ایرانی زبان کی جو کائی ہے" صالح کو ایک لاکھ درہم
 بھی پیش کئے گئے تاکہ وہ انتقال حساب سے انکار کرے
 لیکن اس نے درہم لینے سے انکار کر دیا، درحقیقت اس

زمانہ میں عبدالملک نے بڑا زور لگایا تھا کہ خارجی یعلیٰ
ایرانی اور بائیزنٹینی اثرات کو جو نہایت قوت سے
اپنا اپنا عمل کرنے لگے تھے دبا دے اور انہیں کم
کر کے سرکاری دفاتر سے غیر عربوں کو خارج کر دے ،
اس کے لائق اور تند مزاج لغتنت العجاج نے بھی اس
کوشش میں اس کا ہاتھ بٹایا لیکن جزوی اور عارضی
کامیابی کے سوا اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا ۔ —

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس درمیان میں
پارسی مذہب سرکاری مذہب کی حیثیت سے ساقط تو
ہو چکا تھا لیکن وہ ایران میں بالکل معدوم نہ ہوا تھا
قارکان وطن کے جو گروہ عربوں کے حملہ سے بھاگ کر
پہلے جزائر خلیج فارس اور پھر ہندوستان پہنچے
اور یہاں پارسی نوآبادیاں قائم کیں جو بہت سی سورت
اور ان کے گرد و فراہ میں آج تک بستی ہیں ان کی تعداد
بہت قابل تھی ، قوم کا بڑا حصہ اس وقت تک زرتشت
کو حضرت محمد صائم اور اوستا کو قرآن پر ترجیح
دیتا تھا ؛ جیسا کہ گذشتہ سطور میں دکھایا جا چکا ہے
پہلوی ادب اس نئے عربی ادب کے پہلو بہ پہلو زندہ
تھا جسے نومسلم ایرانیوں نے پیدا کیا ، مجوسی مذہب
کے موبدان اعلیٰ اب تک اہم اشخاص سمجھے جاتے تھے ۔

سرکاری حکام سے خط و کتابت میں بھی ان کی یہ اہمیت ملحوظ رکھی جاتی تھی اور ان کے ہم مذہبوں میں بھی جتنی بہت بڑی حد تک حکومت خود اختیاری حاصل تھی، ان کا اثر وسیع پیمانے پر چھایا ہوا تھا۔ آتش کدوں کے انہدام کے لئے اگر قانون نافذ بھی کئے گئے تب بھی عملاً انہیں بہت کم ہاتھ لگایا گیا اور ایسی مثالیں تو موجود ہیں کہ اگر کسی نے نامعلوم جوں میں آکر ان آتش کدوں کو نقصان پہونچانا یا منہدم کرنا چاہا تو اسلامی حکام نے بعض وقت سخت سزاؤں سے کام لیا ہے +، عربی فتوحات کے تین صدی بعد بھی ایران کے تقریباً ہر ایک صوبہ میں آتش کدے آباد تھے اگرچہ آج ہوٹم شند لڑ† کی تحقیقات اور اعداد و شمار کے مطابق ایران میں ”آتش پرستوں“ کی کل تعداد صرف آٹھ ہزار پانسو ہے، خانی کوٹ (اقوام وسط ایشیا“ صفحہ ۱۹۳) کا بیان ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخر میں جس وقت موجودہ خاندان قاجار کے بانی آغا محمد خاں نے کرمان کا محاصرہ کیا ہے تو صرف اس شہر میں پارسیوں کے بارہ ہزار گھر آباد تھے۔ پس ان کی تعداد میں قیزی کے ساتھ کمی آنا از منہ جدید کا واقعہ سمجھنا چاہئے کو ان مشاہدہ کرنے والوں

* دیکھو اے فان کریمر کی کتاب جلد اول، صفحہ ۱۸۳

+ مقابلہ کرو ”دعوت اسلام“ صفحہ ۱۷۹

† بابہ ۱۸۸۲

کے اعداد کو جانہیں ہوگم شائد ارنے پیش کیا ہے قابل
وثوق ۱۰۰۰ لیا جائے تو پارسی ایران میں پھر زور
پکڑ رہے ہیں —

آرنلڈ نے "دعوت اسلام" صفحہ ۱۸۰ — ۱۸۱
میں لکھا ہے "اس قسم کی شہادتوں کے باوجود
یہ کہنا فی الحقیقت ناممکن ہے کہ اسلامی
فلاحوں نے پارسیوں کو ہجیر مسلمان کرکے ان
کی تعداد کہتا دی، عربوں کی حکومت کے
ابتدائی زمانہ میں جن ایرانیوں نے مختلف
وجوہ بالا سے اسلام قبول کیا ان کی تعداد غالباً
بہت زیادہ تھی لیکن ان کے مذہب کا عرصہ
تک باقی رہا اور بعد کی صدیوں میں ان کا
وقتاً فوقتاً تبدیل مذہب کرنا غالبا اس بات
کی دلیل ہو سکتا ہے کہ قبول اسلام اس اور
خوشی کے ساتھ عمل میں آیا: آٹھویں صدی
کے آخر میں ہلم کے ایک پارسی سردار "سامان"
نے خراسان کے گورنر اسد ابن عبداللہ کی مدد
پہنچنے کے بعد زرتشت ترک کر کے اسلام
اختیار کر لیا اور اپنے بیٹے کا نام اپنے حامی
و محافظ کے نام پر اسد رکھا، یہی نو مسلم
ہے جس کے نام پر سامان نے خاندان (۸۷۳ء
۹۹۹ء) کا نام وجود میں آیا، نویں صدی

کے آغاز کے کریم قریب ابن شہر یار قابو سیہ خاندان کا پہلا بادشاہ گذرا ہے جس نے اسلام قبول کیا اور ۸۷۳ ع میں ناصر الحق ابو محمد کے اثر سے ویلم کے آتش پرستوں کی ایک کثیر تعداد نے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی ' اس کے بعد کی صدی میں ۹۱۲ ع کے قریب علی م کے خاندان کے ایک شخص حسن بن علی نے ' جو بھیرے خنجر کے جنوبی ساحل میں تھا اور عدل و عقل سے آراستہ اور مختلف مذاہب کے اصول احکام سے واقف تھا ' طبرستان اور ویلم کے باشندوں کو جن میں سے کچھ تو بت پرست اور کچھ مجوسی تھے ' اسلام لے آنے کی دعوت دی بہت سوں نے اس کی دعوت قبول کی اور باقی اپنی غیر اسلامی حالت پر قائم رہے ' ۳۹۳ ہجری (۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ ع) میں ایک مشہور شاعر ویلم کا باشندہ ابو الحسن مہیار نے جو مذہباً آتش پرست تھا ' شریف الرضا کے ہاتھ پر جو اس سے بھی زیادہ مشہور شاعر اور فن شعر میں اس کا استاد تھا ' مسلمان ہوا ' * تبدیل مذہب

• ایک دوسرے ممتاز پارسی نومسلم مشہور ابن المتفح کی بقلم حاشہ صفحہ (۳۷۹)

فی یہ مثالیں اگرچہ تعداد میں زیادہ نہیں
 ہیں لیکن اسلامی فتوحات کے تین سارے تین
 سو برس بعد تک ان مثالوں کا پایا جانا اس
 امر کا بین ثبوت ہے کہ اہل ایران مذہبی
 روا داری سے مستفیض تھے اور ان کی تبدیلی
 مذہب با امن اور کم از کم ایک حد تک
 بتدریج طریقہ سے عمل میں آئی —

قاہم کچھہ زمانہ تک ایران اور عرب کی دسالی اور
 سیاسی زندگی ایک دوسرے سے اس قدر وابستہ ہلکہ ایک
 ہی رہی ہے کہ آئندہ بابوں میں جہاں خلفائے اموی و
 عباسیہ کے تحت میں ارتقاء اسلام اور اسلام کے بڑے بڑے
 فرقے اور مسالکوں سے بحث کی گئی ہے ان دونوں قوموں کا
 ذکر ایک ساتھ کرنا لازمی ہو گا اور بعض ایسے ملک پر
 قلم اوقھانی پڑے گی جن کا تعلق ایرانیتوں کی نسبت
 ہرہوں سے زیادہ ہے —

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۷۸)

طرح غالباً مہیار بھی کچھ اچھا مسلمان نہ تھا، خلیفہ مہدی
 اول الذکر کی نسبت کہا کرتا تھا ”زندقہ (یعنی بدعت خصوصاً
 معلوم تہلک کی) پر میں نے کوئی کتاب ایسی نہیں دیکھی
 جسکی نہ میں ابن المقفع نہ ہو،“ آخر الذکر کے مسلمان ہونے کی
 خبر القاسم ابن برہان نے سنی تو کہا ”مسلمان ہونے سے تم جہنم
 کے ایک کونے سے محض دوسرے کونے میں منتقل ہو گئے“
 (ابن خلکان، مترجمہ دے سلیم، جلد اول، صفحہ ۳۲۱، جلد سوم
 صفحہ ۵۱۷)

باب ششم

عہد بنو امیہ

(سنہ ۶۶۱ ع تا سنہ ۷۴۹ ع)

عہد خلافت سے | عہد خلافت کا آغاز جون سنہ ۷۴۹ ع
کیا مران ہے | ہوا ، جب کہ آنحضرت صلعم کی وفات
کے بعد حضرت ابو بکر (رض) خلیفہ ہوئے ، اور اس کا خاتمہ
سنہ ۱۲۵۸ ع میں اس وقت ہوا جب کہ ہلاکو خان نے
ایلی مغل فوجوں کے ساتھ بغداد پر قبضہ کر کے ، شہر
کو لوٹا اور آخری خلیفہ المستعصم با اللہ کو قتل کیا ۔
بقول سر اڈورڈ کریوی کے - (Sir edward creary) یہ
ضرر صحیح ہے کہ خلیفہ کا خطاب اس واقعہ کے
تین سو سال بعد بھی یعنی سنہ ۱۵۱۷ ع تک ہلو
ہولس کے اتوارے جانشینوں میں باقی رہا ، جو مہالک

مصر کے دار الخلافۃ میں قلاؤں شاہ و شوکت کے ساتھ رہتے تھے ، لیکن حقیقی قوت سلب ہو چکی تھی بالکل اسی طرح جس طرح کہ مغل انتظام کی ارلان برٹش انڈیا میں رفتی تھی ” اسی سال (سنہ ۱۵۱۶ م) عثمانی سلطان سلیم اول نے خاندان مہابیک کو ناخت و تاراج کر دیا اور ہرے نام خلیفہ وقت کو معذور کر کے خطاب خلافت مع لوازمات مقدسہ یعنی لوے مبارک ، تارار اور رداے مبارک اپنے لئے حاصل کر لیا اس وقت سے سلاطین عثمانی اپنے آپ کو نائب رسول اللہ امیر المؤمنین اور امام المسلمین کہتے ہیں ، لیکن خوار ان القاب و خطابات سے انہیں کچھ فائدہ پہونچتا ہو یا نہیں راتہ یہ ہے کہ خلافت چوتھ سو چوبیس سال تک باقی رہنے کے بعد سنہ ۱۲۵۸ ع ہ میں ختم ہو چکی تھی ۔ —

اس دور کی تفہیم ممتاز لیکن فہر معاری حصوں میں

ہوتی ہے :-

(۱) خلافت راشدہ یعنی حضرت

خلافت کے تین دور | ابو بکر (رض) عمر (رض) عثمان (رض)

اور علی (رض) کا زمانہ (سنہ ۶۳۲ تا سنہ ۶۶۱ ع)

جسے تاریخ اسلام میں حکومت الہی کا نام

دیا جاسکتا ہے۔

(۲) خلفائے امیہ یا یوں کہنا چاہئے کہ شاہان امیہ

کا زمانہ اس لئے کہ بعد کے مسلمان مورخین

انہیں خلیفہ کا روحانی مرتبہ دینے سے انکار

کرتے ہیں۔ بنو امیہ نے جو کل ۱۴۰ قمری

سہ ۶۶۱ ع سے ۷۴۹ ع تک حکومت کی۔

اس زمانے کو "عرب شاہشاہیت اور

کفار کے رد عمل" کا زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۳) بنو عباس کا زمانہ جس کی تعداد ۳۷ قمری

ان کے عہد کا آغاز ۷۴۹ ع سے ہوا۔ ابوالعباس

عبداللہ الملقب بہ المصطفیٰ کے نام کا خطبہ

کوفہ میں پڑھا گیا، اور اس عہد کا خاتمہ

سنہ ۱۲۵۸ ع میں ہوا جب ہلاکو اور اس

کے مغول نے المستعصم کو ہلاک کیا۔ اس زمانے

کو ایرانی عروج اور فلسفیانہ اور عالمگیر

اسلام کا دور کہا جاسکتا ہے۔

مغلوں کے حملے سے اسلام

کی ذہنی تیز-یاسی

تاریخ میں انقلاب

شوق اور تہسوت میں بغداد

تہرہوین صلی عیسوی میں مغلوں کا حملہ

• اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو سرولیم مور کی مصنفانہ

Caliphate, its decline & fall P. 594

نہ صرف خلافت کی تباہی کا باعث ہوا
 بلکہ اس سے مشرق میں سلطنت اسلامی کے اتحاد
 کا شیرازہ بھی بکھر گیا اور اسلام کا زریں صہ
 ختم ہو گیا۔ ایشیائی تاریخ میں آں حضرت
 مسلم کے زمانے کے بعد اگر کوئی اہم ترین واقعہ
 پوش آیا ہے تو وہ یہی حملہ ہے۔
 ویسے تو اس سانحہ جانکاہ کے بہت پہلے سے
 خلافت کی قوت اپنی اس پہلی عظمت کی
 ایک مٹی ہوئی سی یادگار رہ گئی تھی
 جسے ٹینیسن (Tennyson) نے ”نیک ہل
 ہارون“ اوشیہ کا زریں صہ سلطنت “ کہا ہے، لیکن
 اگرچہ خلفا کی سلطنت زیادہ تر ایسے خاندانوں
 اور حکمرانوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تقسیم
 ہو گئی تھی جن کی اطاعت اور انقیاد صرف
 زبانی تھی لیکن شہر بغداد آخر وقت تک
 اسلام کا دار الخلافہ اور علم و تہذیب کا
 مرکز تھا، اور وہی صرف سیاسی اور
 علمی زبان ہی نہ تھی بلکہ مہذب حلقوں
 اور شستہ سجالس میں بھی رائج تھی۔
 مغلوں دور سے پہلے کے مسلمان مصلحین کی
 جس فعالیت علمی اور فنیہی نظر کے ہم
 سب معترف اور مداح ہیں اس کی مثالوں

بعد کو تہذیب کے ساتھ کم ہوتی گئیں۔
یہی وجہ ہے کہ جرّ ایرانی ادب (یعنی وہ
ادب جو فارسی زبان میں تھا) خلافت کے
آخری زمانے میں اور اس کے زوال کے بعد
پیدا ہوا، وہ باوجود اپنے ظاہری معامی
کے کسی طرح سے بھی اہمیت اور دلچسپی
کے اعتبار سے پہلے کے ادب سے ذکر نہیں کھاتا
جو اگرچہ عربی میں تھا، لیکن زیادہ
نو فہر عربی اور خصوصاً ایرانی داستانوں
کا آئینہ تھا۔ مغلوں کا حملہ صرف سیاسی
اعتبار ہی سے نہیں بلکہ ذہنی حیثیت سے
بھی ابتلائے مظلوم تھا، اور اس سے پہلے
اور اس کے بعد کے خیالات اور تصانیف میں
جو زمیں آسمان کا فرق نظر آتا ہے وہ
صرف کیفیت ہی کا نہیں بلکہ کیفیت کا بھی ہے۔
خائیا کی مصلحت تاریخ لکھنا اس موجود
تصنیف کے موضوع سے باہر ہے خاص کر
اس وجہ سے کہ یہ کام جرمن زبان میں نہ انگریز
گستات رائٹل (Gustav Weil) (سنہ ۱۸۶۱ء
تا ۱۸۹۲ء) اور انگریزی میں - رولڈ مہور *

(۱۸۹۳) * Annals of the early caliphate [1883]; the caliphate, its rise, decline and fall (1891 and 1892); also the life of Mahomet, Mahomet and Islam etc.

(Sir William Muir) بہت قابلِ تعریف و مہارت
 پر انجام دے چکے ہیں۔ ہر دور کی ذمہ داری
 کا جو معملہ ہیں ہم کو یہ کہیں کہیں ، خصوصاً
 مذہب ، فلسفہ ، تہذیب ، سیاسیات اور
 سائنس کے میدانوں میں ان دوروں کے ایرانی
 مظاہرات سے جو بھٹ کی جائے گی ، اس کا
 مآخذِ سنجیدہ والا اعلیٰ درجے کی تصانیف
 ہوں گی ، اس مقدمہ کے لئے یورپین زبانوں
 میں جو بہترین کتا ہیں لکھی گئی ہیں اور
 حسبِ ذیل ہیں :—

- (1) A. Von Kremer's: Geschichte der herrschenden
 Ideen des Islams (1868)
 - (2) ایضاً : Culturgeschichtliche Streifzüge
 : auf dem Gebiete des Islams
 (1873)
 - (3) ایضاً : Culturgeschichte des Orients
 unter dem Chalifen (2 Vols.
 1875 - 1877)
 - (4) Dozys' : Het Islam (1863)
- جس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں وکٹر شاون
 (Victor Chauvin) نے Essai Sur l' Histoire de
 l' Islamisme (1879) کے عنوان سے کیا ہے —

- (5) Dozy's Histoire des Musulmans d'Espagne,
(تاریخ مسلمانانِ اندلس)
- (6) Goldziher's : Muhammedanische Studien (2 Vols.,
1889 - 1890) — (اسلامیات)
- (7) Von Volten's Recherches Sur la domination arabe,
le Chii tisme et les Croyances
Messianiques Sous le Khilafat des
Omayyades (1894)
- (8) " Opkomst der Abbasiden ;
- (9) T. W. Arnold's : Preaching of Islam, (1896)

” قبلہیغ اسلام ”

ان کے علاوہ اور دوسری بھی ایسی کتب مثلاً کاسینی
آدی پرسی وال (Caussin de Perseval) شہولڈرس
(Schmolders) دوگات (Dugat) وغیرہ کی تصانیف سے
بہت متعدد بہترین مقالات سے ملا خارجہوں کے متعلق
برونو (Brunnow) کا مضمون یا طاہریوں کے متعلق
گولڈزیہر (Goldziher) کا مقالہ یا آدی گورے جے (de Goeje)
کے مضمون سے جو (Carmathians) پر ہے اسٹائڈر (Steiner)
کا مقالہ معتزلہ پر اسٹوٹس (Spitta) کا مقالہ الاشعری پر
بہت کچھ مدد مل سکتی ہے —

ایران کی جن دو تاریخوں سے انگریز سب سے زیادہ
روشنائی ہیں وہ سرجان ملکم اور کلی مکتس مازکھم کی

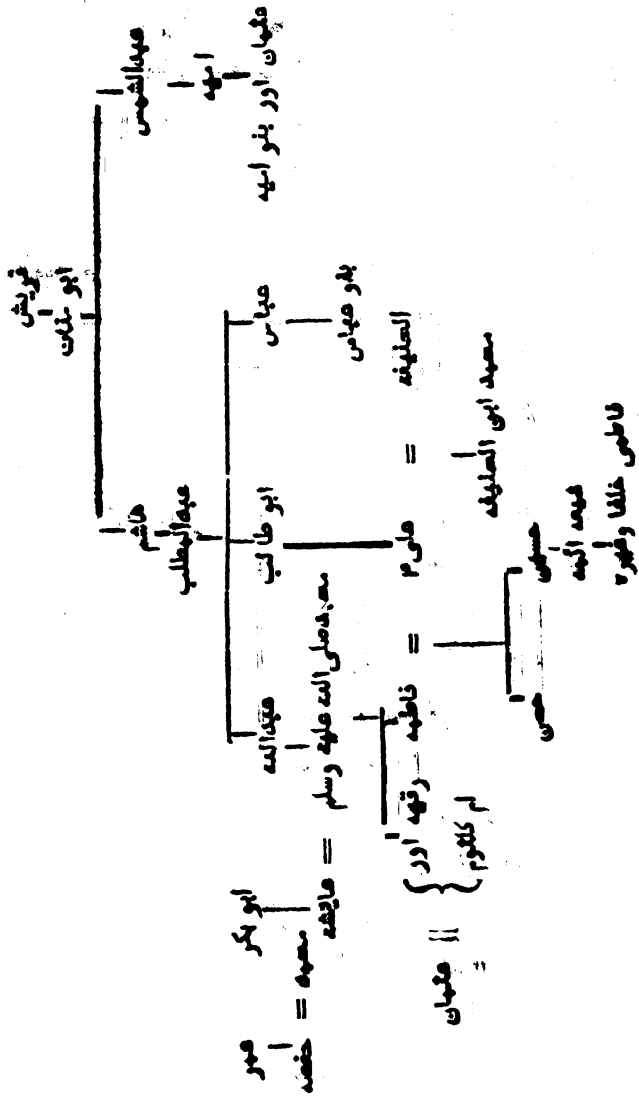
تاریخیں ہیں۔ ان دونوں نے اس دور تکوں سے جو باتیں
 صدی عیسوی میں عربوں کی فتوحات ایران اور انہیں
 صفی میں پہلے خود مختار یا ہم خود مطناو ایرانی
 خاندانوں کے قہام کا درمیانی زمانہ ہے ' بہت سرسوی اور
 معجل طور پر بحث کی ہے۔ وہ اسے بھی اس زمانے
 کی طرح جو اقامتشیوں کے زوال اور ساسانی
 خاندانوں کے عروج یعنی ۳۳۰ ق - م اور ۲۲۶ عیسوی
 کے درمیان گزرا تھا ایرانی قومی زندگی کے ماضی تعطل
 کا زمانہ خیال کرتے ہیں ' حالانکہ یہ واقعہ نہیں ہے
 اور یہ دور (سالہ ۷ تا سالہ ۹ م) نہ صرف ایک قہایت
 دلچسپ دور ہے ' بلکہ ذہنی حیثیت سے اس سب دوروں سے
 زیادہ مہم آفریں ہے۔ جن میں ایرانی تاریخ تقسیم کی
 جا سکتی ہے۔

اگرچہ دراصل خلافت بنو امیہ حضرت علی کی ولایت
 اور معاویہ کی مماند نشانی (سالہ ۶۶۱ ع) کے وقت سے شروع
 ہوتی ہے لیکن جو رجحانات اور خیالات اس خلافت کے
 قہام کا باعث ہوئے ان کا پتہ خلیفہ سوم حضرت عثمان
 (سالہ ۳۳ تا سالہ ۳۵ ع) کے زمانے تک چلتا ہے۔ ہم
 اس سے پہلے بحث کر چکے ہیں کہ ان حضرات کی رسالت
 کا سب سے بڑا اور اہم ترین کورنامہ یہ تھا کہ عربوں
 میں نہ صرف ایک مشترکہ قومی احساس پیدا ہو گیا
 بلکہ کفار عرب کے متعصبانہ تنگ نظری کی جگہ تمام

مسلمانوں میں ایک عام مذہبی حس بھی پیدا ہوئی۔ لہٰذا اس بلند اور اعلیٰ نصب العین پر قائم رہنا شروع ہی سے مشکل تھا، اس لئے کہ عربوں کے قدیم قومی خصائص جو ان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے، اس قسم کے اصولوں سے میل نہیں کھاتے تھے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلعم کا اپنے مولد مکہ اور اپنے قبیلہ قریش کی طرف جو زیادہ رجحان تھا اس نے کئی موقعوں پر انصارِ مدینہ کے دلوں میں جی کی بر وقت مدد آنحضرت کے بہت کچھ مدید ثابت ہوئی تو، خلش اور بے اطمینانی پیدا کر دی تھی۔ پھر یہی بحیثیت معجمہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی مسزوات کا یہ نصب العین سنہ ۶۴۴ م میں حضرت عمر کی وفات تک بغوی قائم رہا۔ اس کا نصب العین ہونا قرآن کی اکثر آیات نیز احادیث سے ظاہر ہے :-

”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ یا ”انہم المرسلون اخوة فاصلحو ابین اخویکم“ یا یہ حدیث ”اے انسان خدا نے تجھ میں سے زمانہ جاہلیت کی بے ادبی اور فسق پر قدیم فخر دور کر دیا ہے، عرب کو برتری پر بجز اس کے کہ وہ زیادہ متقی ہو اور کوئی فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ تم سب بنی آدم ہو اور آدم خرد اہل ارض میں سے ہیں۔“ اگرچہ اس وقت ایسے غیر عرب یا بربری جو ایمان لائے ہوں معدودے چند ہی تھے اور

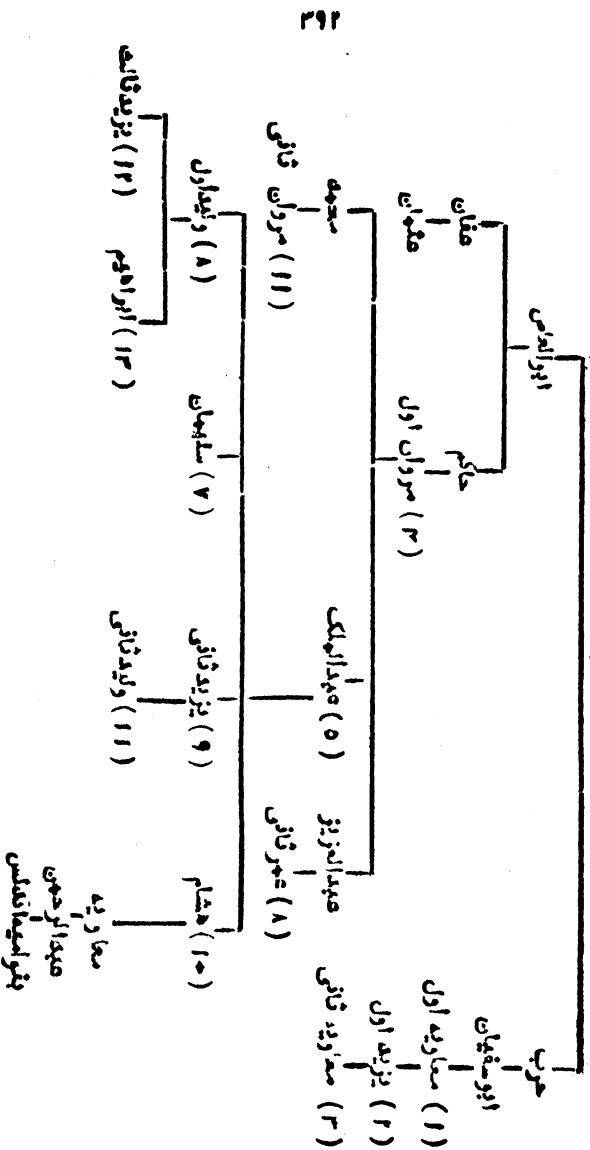
خطی کریم کو زیادہ سے زیادہ اسید افزا لمحات میں بھی
 اس کی توقع بمشکل ہو سکتی تھی کہ دین اسلام کی
 اشاعت جزیرہ نماے عرب کی حدود سے آگے بڑھ سکے
 گی، لیکن مذکورہ بالا آیات میں ہمیں موسیٰ کی
 باہمی مساوات اور ولادت یا نسب پر نہیں بلکہ ایمان پر
 فخر کرنے کا تصور نہایت صمیم طور پر بیان کیا ہوا نظر آتا ہے۔
 لیکن حضوت دشمنان کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی قدیم
 قبیلہ واری اختلافات پھر ابھر آئے۔ مکہ اور مدینہ،
 مہاجرین اور انصار اور نبی کریم کے قبیلہ قریش میں
 بنو ہاشم اور بنو امیہ کی باہمی رقابتیں نیز قبیلہ
 قریش اور دیگر قبائل کی آپس کی رنجشیں جو قریش
 کے عروج کو کچھ زیادہ پسند نہ کرتے تھے۔
 فرض کہ نفاق اور شقاق کے یہ سب اندیشے جو پہلے
 ہی سے موجود تھے، نئے خلیفہ کی قوت فیصلہ کی کمی،
 کمزوری، ضد اور علانیہ بنو امیہ کی جلدی داری حتیٰ کہ
 ایسے لوگوں کی بے حمایتی جن کا اسلام سے تعلق مستقیم
 تھا ان سب وجوہات کی بنا پر اور زیادہ نمایاں
 ہو گئے۔ آئندہ جو بحث کی جائے گی اسے واضح تر
 بنانے کے لئے ہم نے سٹیپن لی لین پول (Stanley Lane-Pool)
 کی مفید کتاب مسلمان شاہی خاندان (Mohammadan Dynasties)
 سے دو شجرے نقل کر دیے ہیں۔ پہلے شجرے سے قبیلہ قریش
 کی شاخیں اور خلفاء کے خاندانوں کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ —



ملک پورہ بالا شجرے سے ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ خلفائے
 راشدین میں سے پہلے تو ابو بکر (رض) اور عمر (رض) نہیں کریم
 کے خسرت تھے اور آخری دو عثمان (رض) اور علی (رض) دونوں
 نے ہی خاندان تھے، لیکن قرابت قریبہ ان میں سے صرف حضرت
 علی ہی کے ساتھ تھی اس لئے کہ وہ نہ صرف نبی کریم
 کے برادر ہم زاد تھے، بلکہ شروع ہی سے اسلام کے حاسی
 اور خدائی بھی تھے۔ ہمیں اس شجرے سے ایک اور
 بات بھی معلوم ہوتی ہے (جس کی اہمیت آئندہ باب
 میں ظاہر ہوگی) کہ لفظ بنو ہاشم میں شیعہ ائمہ (جو
 حضرت علی اور رسول کریم کی صاحب زادی فاطمہ کی
 اولاد ہیں) اور خلفائے عباسیہ دونوں شامل ہیں لیکن
 بنو امیہ اس کے دائرے سے خارج ہیں۔

دوسرے شجرے سے خلفائے امیہ کا رشتہ ایک دوسرے
 کے ساتھ نیز حضرت عثمان کے ساتھ معلوم ہوتا ہے :-

امیه



اسلام نے انصاف کا جو سخت اور بے لاک معیار مقرر کیا تھا، حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آغاز ہی سے اس کی خلاف ورزی کر کے اپنے احباب اور رشتہ داروں کے ساتھ خاص مراعات ہوتی شروع کر دیں۔ سابق خلیفہ حضرت عہر کے قاتل ایرانی غلام ابو لودا کو از روئے اصول سزائے موت ملنی چاہئے تھی، لیکن عہر کے بیٹے عبید اللہ نے عہر قاتل ہی کو مارنے پر اکتفاء نہ کی بلکہ ایک اور ایرانی سردار هرمزان کو بھی جو اسیر جنگ تھا اور مشرت بہ اسلام ہو چکا تھا، شرکت جرم کے شبہ میں قتل کر دیا۔ لیکن اس کے شریک جرم ہونے کا کوئی ثبوت نہ تھا اور علی (رض) نے جو اسلامی قوانین کی پابندی اور حمایت سختی کے ساتھ کرتے تھے کہا کہ چونکہ عبید اللہ نے ایک مومن کو بے وجہ قتل کیا ہے اس لئے انہیں بھی سزائے موت ملنی چاہئے۔ لیکن عثمان نے اسے گوارا نہ کیا، بلکہ قصاص کے عوض ایک رقمی خونبھا تجویز کیا اور اپنی جیب سے ادا کیا اور جب زیاد بن ابیہ نے جو انصار میں سے تھے ان کی اس بے جا نرم ہلی پر اشعار میں انہیں برا بھلا کہا تو انہوں نے اس جسارت کو پاداش میں شاعر کی زبان سے بٹھ کر دی اور اسے

• مہر کی تاریخ خلافت (Caliphate) صفحہ ۲۰۵-۱۲۔ مصنف

+ یہ اشعار ناظرین کو (De goeje) کے طبری کے آئین میں

سلسلہ نمبر ۱ جلد ۵، صفحہ ۲۷۹۹ پر ملیں گے۔ ۱۲۰ مصنف

خارج الباب کر دیا۔

فرض کہ جس وقت سے حضرت عثمانؓ مسئلہ خلافت پر بیٹھے ، ان کا ذاتی اغراض سے متاثر ہونا ظاہر ہونے لگا ، اور سرور ایام کے ساتھ اس میں اور زیادتی ہوتی گئی ۔ عام طور پر عربوں کے دل قبیلہ قریش کی طوط سے صاف نہ تھے ، اور ان کے عروج پر ان کا رشکو حسد بڑھتا جاتا تھا ۔ اور اب حضرت عثمانؓ کی اسیدہ کی علانیہ حمایت کی وجہ سے (جلدوں نے قاحہ اگلاں) آنحضرتؐ کی مخالفت کی تھی اور بدرجہ معہوری اور باطل ناخواستہ اسلام اس وقت قبول کیا تھا جب وہ اس کی مخالفت نہ کرسکتے تھے (ہاشمی ذابح کو ان کے ساتھ بالکل ہمدردی باقی نہ رہی اور قبیلہ قریش کا آپس کا شہراڑہ اتحاد درہم برہم ہو گیا ۔ آنحضرتؐ کے بعض جانی دشمن مثلاً ابوسرح جو عثمانؓ کے رخاص بھائی تھے اور جلدیہیں اکثر عثمانؓ سفارش نہ کرتے تو آنحضرتؐ قسم مکہ کے موقع پر حجاز سے سوت دیتے ، اعلیٰ عہدوں پر ممتاز کئے گئے اور بیش تر اور تلخواہوں سے ان کی دولت میں اضافہ کیا گیا ۔ ایسے لوگوں کو جن کی فرائض مذہبی ادا کرنے میں کوتاہی عام طور پر مشہور تھی ، نئی نوپ و ولایتیں سرحد کی گئیں ، مثلاً ولید بن عقبہ جس کے باپ کو آنحضرتؐ نے غزوہ بدر کے بعد سوا ڈالا تھا ، اور قاری بقایا تھا ، یا سعید بن العاص

جس کا ہاتھ اس جنگ بھر میں کفار کی طرف سے لڑکر
 ہلاک ہوا تھا۔ ولیہ جس کے پردہ کوٹہ کی ولایت کی
 گئی تھی، مسجد میں شراب پئے ہوئے آیا، غلط نماز
 پڑھا، اور پھر جماعت سے کہا کہ ”جی بھر کھایا کچھ
 اور اورے“۔ اس میں شک نہیں کہ اسے خدمت سے برطرف
 کر دیا گیا، لیکن وہ شریعت عثمان (رض) کی مرضی کے
 خلاف محض علی (رض) کے اصرار سے لگائی گئی۔ خلیفہ
 (عثمان) کا چھوٹا چچا زاہ بھائی ابن عامر بصرہ کا
 عامل بنایا گیا جب یہ خبر پڑی عامل ابو موسیٰ
 (جس کی جگہ ابن عامر آیا تھا) نے سنی تو کہا کہ
 اب تم کو ایسا محصول جمع کرنے والا مل رہا ہے جس
 سے غالباً تمہارا جی بھر جائے گا، جس کا چچا زاہ بھائی
 چچا اور چچیاں بے شمار ہیں اور جو اپنی جونکوں سے تمہارا
 ناک میں دم کر دے گا۔ کوٹہ کا تھا عامل سعید بن العاص
 بھی اتنا ہی بد تھا جتنا اس کا پیش رو۔ یہاں
 تک کہ رعایا میں شکایت کے طور پر یہ مثل مشہور
 ہوئی ایک قریشی دوسرے قریشی کے ہمہ عامل ہوتا
 ہے اور جانشین بھی اتنا ہی بد تر ہوتا ہے جتنا کہ
 پیش رو۔ یہ تو بالکل وہی مثل تھی کہ چولہے سے
 نکلا تو بہار میں گرا۔“

عثمان (رض) کا اس روز افزوں بے چینی کے لوگوں نے
 قتل۔ ۶۵۶ء بھی تھے جس کی وجہ سے نبی کریم کے

اور صحابہ بھی جو اپنے زہد و تقویٰ کے لئے مجتہد تھے
 جس بدن بد دل ہوتے گئے ۔ ان مسعود جو نصیر قرانی
 کے متعلق حکم کا درجہ رکھتے تھے ، حضرت عثمان کی
 قرآن کی نظر ثانی اور خصوصاً غیر مستند نسخہ قرانی
 کے تلف کردئے جانے کی وجہ سے ان سے ناراض ہو گئے ۔
 لہذا کو ، جو مسلمانوں کی مسادات کے حاسی تھے ،
 اور اس عیش پسندی کے جو روز بروز بڑھتی جاتی تھی سخت
 مخالف تھے جلا وطن کر دیا گیا ، اور اسی حالت میں
 ان کا انتقال ہوا ۔ نئی نئی بدعتوں نے جس کے
 جواز کی بجائے اس کے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ خلیفہ
 وقت کی مرض بھی تھی ۔ بددلی اور فحاشی کے اس
 طوفان کو اور شدید کر دیا ، حتیٰ کہ کہ ۱۷ جون سنہ
 ۶۵۹ ھ میں ۔ عمر خلیفہ کو اس حالت میں کہ وہ مدینہ
 میں اپنے زمانہ مکان میں بیٹھے تھے دشمنوں کے ایک
 گروہ نے بے دردی کے سابقہ قتل کر دیا ۔ ان کی بیوی
 فائزہ (رض) نے آخر وقت تک حق وفاداری ادا کیا ، اور
 اپنے ہاتھ پر قاتلوں کے ایک وار کو جو عثمان (رض) پر
 کیا گیا تھا روک لیا ، جس سے ان کی کئی انگلیاں کٹ
 گئیں ۔ بعد کو اسیر معاویہ نے یہ کٹی ہرئی انگلیاں

• اس واقع کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مروج الذهب
 مرتبہ بار بھرتی سے نارتہ جلد چہارم صفحہ ۲۹۸ - صفحہ
 ۱۲-۲۷۳ - مصنف -

اور ان کے ساتھ معمر خلیفہ کی خون آلودہ قمیص دمشق کی جامع مسجد میں مسلمانوں کو دکھائیں ، مطلب یہ تھا کہ قاتلوں کے خلات شامہوں کی آتش غیظ و غضب بہرک آتھے • —

علی (رض) کا عثمان (رض) کی وفات سے اسلام کا رہا سہا اقتضاب خلات نہایشی شیرازہ اقتضات و یکا نکہت بھی پراگندہ ہو گیا ، اور ایسی جنگیں شروع ہو گئیں جن میں اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کی شمشیریں مسلمانوں ہی کے خلات پیام سے نکل پڑیں ۔ بالآخر علی (رض) خلیفہ منتخب ہوئے ، جو منصب اکثر لوگوں کی رائے میں ، ان کے حقوق کو دیکھتے ہوئے انہیں بہت پہلے ملنا چاہئے تھا ۔ طلحہ اور زبیر کو اپنی کوششوں میں مایوسی ہوئی جس پر انہوں نے حضرت عائشہ (دختر ابوبکر (رض) اور بیوۃ رسول کریم) کے اشارے سے بغاوت کردی ، اور اس کی پاداش میں دسمبر سنہ ۶۵۶ع میں جنگ جہل میں کام آئے ، اس لڑائی میں دس ہزار مسلمان کھیت رہے ۔ علی (رض) نے بہت کوشش کی کہ اس کشت و خون کی فوج نہ آئے پائے ، لیکن عین اس وقت جب کہ انہیں کامیابی کی کچھ امید ہو چلی تھی ، عثمان (رض) کے قاتلوں نے جوان کی فوج میں تھے توکر کہ کہیں صلح ہونے کی صورت میں ان سے مواخذہ

نہ کیا جائے ، فوراً ہی لڑائی چھیڑ دی —

معاویہ کا علی کو | شام میں جہاں عثمان (رض) کے رشتہ دار
خلیفہ ماننے سے انکار | معاویہ والی تھے ، اس سے اور زیادہ

بے چینی پڑیل چکی تھی ، اس لئے کہ وہاں ہندو اسید کا
اثر بہت زیادہ تھا — علی کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ وہ
اس ذی اثر اور فطرتی والی سے تعارض نہ کریں ، لہکن
انہوں نے نہ مانا اور انہیں ان کی خدمت سے واپس
بلانے پر مصر رہے — معاویہ نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا ،

اور جواب میں علی کو صریحاً عثمان کے قتل کی سازش
کا شریک ٹھہرایا — اس سے پہلے یہی الزام ولید بن عقبہ نے
(جس کو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں حضرت علی کے
ہاتھوں سزا مل چکی تھی) بعض اشعار • میں جو اس نے
ہاشمیوں کو مخاطب کر کے لکھے تھے علی پر لگایا تھا —

ان میں سے آخری شعر یہ ہے —

”تم نے ان (عثمان) کے ساتھ دغا کی

تاکہ ان کی جگہ لے لو جس طرح سے کہ

کسوں کے ساتھ اس کے امیروں نے دغا کی تھی“

غرض کہ معاویہ نے عثمان کے انتقام کا بیڑا اٹھایا ،
اور نہ صرف علی کے احکام کی تعمیل ، یا ان کو خلیفہ
تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ خود خلافت کا دعویٰ
کیا ، اس دعویٰ کی تائید امیر ابن العاص نے کی جنہیں

اس کے صلے میں والی مصر بنائے جانے کا وعدہ کر لیا گیا تھا۔ جب گفت و شنید سے معاملے کے تصفیہ کی امید نہ رہی تو علی نے جو معاہدہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا چکے تھے معاہدہ اور ان کے شاہیوں کے خلاف جنگ شروع کر دی، اور پچاس ہزار کی فوج لے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ دونوں فوجیں بمقام صفین

جنگ صفین | جو شام میں حلب اور حمص کے درمیان میں واقع ہے ایک دوسرے کے مقابل صف

آرا ہوئیں اور کئی روز کے شبخوں اور صلح کی بے نتیجہ گفت و شنید کے بعد اواخر جولائی سنہ ۶۵۷ م میں فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ لڑائی کے تیسرے روز علی کی فوج بہت کچھ یقینی ہو گئی تھی، کہ اتنے میں امیر ابن العاص نے جو عربی چالوں کے بڑے ماہر تھے معاہدہ کو یہ مشورہ دیا کہ اپنے سپاہیوں کو حکم دو کہ نیزوں پر اوراق قرآنی بلند کریں اور یہ نعرہ لگائیں، ”قانون الہی! قانون الہی!! وہی ہم میں فیصلہ کرے گا“ اگرچہ علی نے اپنے ساتھیوں کو اس چال سے متنبہ کیا اور ان سے تاکید کی تھی کہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دو اور بڑھے چلو، لیکن ان کی کسی نے نہ سنی۔ ان پر جوہی اور کٹو مسلمانوں نے جو ان کی فوج کی جان تھی ایسے لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے سے انکار کر دیا جو قرآن کو درمیان میں لائیں۔ عارضی طور پر صلح کا اعلان کر دیا

گیا، اور دونوں فریقوں نے ثالثی پر رضامندی ظاہر کی۔ اس موقع پر بھی علی کو اپنی مرضی کے خلاف کمزور ارادہ اور متلون الہزام ابو موسیٰ الا شعریٰ کو جسے اسی کمزوری کی وجہ سے وہ کوفہ کی ولایت سے ہٹا چکے تھے، اپنا نمائندہ بنانا پڑا۔ ادھر معاویہ کی طرف سے زیرک اور پر تدبیر امیر ابن العاص نمائندگی کر رہے تھے اور انہوں نے چال سے • حضرت علی کو ہٹا کر معاویہ کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ فروری سنہ ۶۵۸ ع میں بمقام معاویہ کی خلافت کا | دومة الجندل حوصحراے شام میں اعلان فروری سنہ ۶۵۸ | عرض الملک ۳۰ کے عین جواب میں اور دمشق اور بصرہ سے مساوی فاصلہ پر واقع ہے، پیش آیا۔ حضرت علی اور ان کے شر کا کو اس واقعہ | عالی کی حالت سے جو کچھ مایوسی اور نفرت ہوئی اس کا بیان تحصیل حاصل ہے۔ معاویہ اور ان کے حلیفوں کے لئے روزانہ عراق کی مسجدوں میں دعائے قنوت کی جانے لگی۔ واضح رہے کہ یہ صوبہ کم و بیش علی کا رفا دار تھا۔ دوسری طرف سے اس کے جواب میں معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے ان لوگوں کے خلاف اس قسم کی دعائیں دمشق کی مساجد میں کرائیں، اور علی اور ان کے رفیقوں کے خلاف یہ دعائے قنوت عہر ثانی کے زمانے تک

• ملاحظہ ہو میور کی "caliphate" صفحہ ۲۸۰-۲۸۲

نہز الفخري (ایوارڈت ایشن) صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۳-۱۲۰ مصنف

ہوتی رہی اور ان کے حکم سے منسوخ ہوئی۔ سارے خانہ ان
اسہ میں عمر ثانی ہی ایسے خلیفہ تھے جن کے دل میں
خون تھا تھا۔ علی (رض) نے بھی صرف تہہ بازی ہی پر
انتفا نہ کی بلکہ اپنے دشمن سے ایک اور جنگ کی تیاری
کرنے لگے، لہٰذا اتنے میں قرب و جوار کے دوسرے اہم
واقعات نے ان کی توجہ کو اہر سے ہٹا دیا۔

علی (رض) کی فوجوں | علی (رض) کی فوجوں میں ذاتی احباب،
کی تو کلب | ملازمین، بساط سیاست کے مہاتروں اور

بھروسہ اور کوفہ کے دشمنوں پرستہ اور متلوں البزاج باشندوں
کے علاوہ جو جماعتیں ایسی تھیں جو ایک دوسرے سے
بالکل متضاد تھیں اور اسلام کے دو قدیم ترین فرقوں
شیعیوں اور خارجیوں کی نمائندہ تھیں۔ ان سب سے
اول الذکر یعنی شیعہ علی (رض) اور ان کے خانہ ان
شیعیان علی (رض) کے جان نثار اور وفادار تھے اور اس نظریہ

کے سید تھے جس کی تشریح ہم اس جگہ کے صفحہ ۲۱۷
پر کر آئے ہیں، اور جسے مختصراً ان لفظوں میں بیان
کیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم کی اولاد اور قریبی رشتہ داروں
کو اس بات کا الہی حق حاصل ہے کہ وہ دینی اور
دنیاوی دونوں حیثیتوں سے اسلام کے پیشوا مقرر ہوں۔
صفحات آئندہ میں ہم ان لوگوں کا نیز ان عجیب و
غریب عقائد و مسائل کا جو ان میں کے غالی افراد نے

پیش کئے ہیں فکر کریں گے۔ اس موقع پر صرف اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ حضرت علی کے تعلق سے بلکہ ان کی الوہیت کے متعلق خود ان کی زندگی میں اور ان کی سخت مخالفت کے باوجود جو عقائد پیدا ہو گئے تھے ان کا ایک پر جوش حاسی عبداللہ ابن سبا • نام ایک یہودی تھا جو بعد کو مسلمان ہو گیا تھا اور جس نے عثمان (رض) کی خلافت کے زمانے میں سنہ ۶۵۳ ع میں بمقام مصر اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی تھی۔

خوارج + (جہنمی میور) (Theocratic Separatists) دینی
خوارج | اختلاف پسند کہتا ہے) کا عقیدہ انتہائی جمہوریت پسندی کا تھا، یعنی ان کی رائے میں ہر آزاد عرب منصب خلافت کے لئے ملتضب کیا جاسکتا تھا، اور جو خلیفہ جمہور مسلمانوں کی تائید حاصل نہ کر سکے

• ملاحظہ ہو میور کی (Caliphate) منصفہ ۲۲۵ - منصفہ ۲۲۶ نیز شہرستانی کی کتاب السلل و النعل (کری تن اقدیشن Curetan Edition) منصفہ ۱۳۱ - ۱۳۳ - ۱۲ - مصنف -

+ برونو کی رائے ہے کہ خوارج کا نام ان لوگوں نے خود اختیار کیا تھا، ان کے دشمنوں کا دیا ہوا نہیں ہے، نیز یہ کہ اس کے معنی بغاوت یا خراج کے نہیں ہیں، بلکہ ”مہاجرین“ کی طرح کا ایک لقب ہے جو ان لوگوں نے اس وجہ سے اختیار کر لیا تھا کہ یہ خدا کی راہ میں گھر سے نکل پڑے تھے۔ وہ اپنی رائے کی تائید میں قرآن ۳ - ۱۰۱ کو بھی کرتے ہیں - ۱۲ - مصنف -

اے معزول کہا جاسکتا تھا۔ ان کی فوجیں ریگستان کے
 بکے عربوں (خصوصاً بعض اہم قبائل جیسے تمیم) اور
 جنگ قادسیہ اور دوسری عربی کن لڑائیوں کے سوراؤں
 پر مشتمل تھیں۔ ان کے ساتھ ہی بکے عربی مسلمان
 بھی شریک تھے جنہیں شہرستانی نے "اہل الصہام والصلوات"
 کہا ہے جو افراد کی حوصلہ آزمائشوں کو ہیں اسلام کے
 اتحاد کے لئے مضر سمجھتے تھے اور ہینی اغراض کا
 فرقہ واری اغراض کے تابع ہو جانا پسند نہ کرتے تھے۔
 یہ لوگ قرآن ۲-۲۰۳ کے حوالے سے اپنے آپ کو
 'شرات' کہتے تھے، یعنی بہشت کی خاطر جاں فروشی
 کرنے والے۔ ان شرارت کی اٹل ہمت، ان کا درعت غلو
 اور خفا کے سوا کسی اور کی اطاعت نہ کرنے کا عزم
 بالعزم، یہ سب باتیں ہمیں نہ صرف آخر اتھارویں اور شروع
 انیسویں صدی کے وہابیوں کی یاد دلاتی ہیں بلکہ
 اسکات لینڈ کے (Covenanters) اور انگلستان کے (Puritans)

* بعد کو غالی خوارج نے اس میں دو اور شرطوں کا اضافہ
 کیا۔ ایک تو انہوں نے "آزاد عرب" کی جگہ "نہک مسلمان"
 رکھا اور دوسرے لفظ "معزول" کے آگے یہ عبارت بڑھائی "بھرت
 ضرورت قتل کہا جاسکتا ہے"۔ خوارج کے متعلق "خاص طور پر
 ملاحظہ ہو برونو کا فاضلانہ مضمون (Die charid schiten) (لنٹن
 سنہ ۱۸۸۴ء) نیز Von Kremer کی تصنیف (Herr Schemden
 Idem etc) صفحہ ۳۵۹ - ۳۶۰ : Dozy کی
 Hstoire de l' Islamisive) صفحہ ۲۱۱ تا صفحہ ۲۱۹-۲۰ مصنف

کی یاہ بھی تازہ کرتی ہیں۔ اور اکثر خارجی نظامیں •
اس انداز اور ایسے الفاظ میں لکھی گئی ہوں کہ
(Balfour of Burleigh) بھی اگر ایذا طلب ظاہر کرنا چاہتا
تو ہو بھی انہیں الفاظ میں کرتا —

اس جمہوریت پسند جماعت کو معاویہ اور اُسید کی
لامذہبیت سے جتنی نفرت تھی اس سے کچھ بھی کم
نفرت اس اکابر دوستی سے تھی جس کی نہایت علی (رض)
اور قبیلہ قریش کی ہاشمی شاخ تھی اور اگرچہ جنگ
صفین میں یہ لوگ علی کی طرف سے لڑے تھے، لیکن
جیسا کہ اوپر ہمیں کوا جا چکا ہے اس کی شرکت تمام تر
فائدہ ہی کا باعث نہ ہوئی کھوفنہ جس ثالثی پر خود
انہوں نے زور دیا تھا، اس کے بعد جب اس کی جماعت میں
درہمی پیدا ہوئی، تو یہ علی (رض) کے پاس آئے اور

• ان نظموں کا بہترین ذخیرہ السبود کی کامل میں موجود
ہے جو نویں صدی عیسوی میں تصنیف ہوئی اور جس کا
ایک ادیشن Wright نے سنہ ۱۸۶۴ء - ۱۸۸۲ء میں شائع کیا
ملاحظہ ہو باب نمبر ۴۹، ۵۱ و ۵۴۔ نولدکی کی کتاب Delectus
vet. Carm. Arab. (برلی سنہ ۱۸۹۰ء) میں بھی ان کا کچھ
انتخاب موجود ہے (صفحہ ۸۸ تا ۹۴) نیز ملاحظہ ہو
von Kremer کی culturgeschichte جلد دوم صفحہ ۳۶۰ -
۳۶۲ - ۱۲ - مصنف —

کہنے لگے : ”ثالثی صرت خدا ہی کو زیبا ہے۔ تجھے کیا
 ہوا تھا کہ تو نے انسانوں کو ثالث قرار دیا۔ علی (رض) نے
 جواب دیا میں نے کبھی ثالثی پر رضا مند ہی ظاہر نہیں
 کی تھی، تم ہی نے اس کی آرزو کی تھی۔ میں نے
 تم سے کہہ دیا تھا کہ یہ شامیوں کی چال ہے اور تم کو
 حکم دیا تھا کہ اپنے دشمنوں سے لڑتے رہو لیکن تم
 ثالثی کے سوا اور کسی بات پر تیار نہیں ہوئے اور
 میرا حکم رہ کر دیا۔ پس جب ثالثی سے سفر نہیں رہا،
 تو میں نے یہ شرط کر دی تھی کہ ثالث صرت کتاب اللہ
 کے مطابق فیصلہ کریں، لیکن ان میں اختلاف پیدا ہوا
 اور انہوں نے احکام الہی کے خلاف ہوائے نفس کے مطابق
 فیصلہ کیا اس لئے ہم اب بھی اپنی پرانی راہ پر قائم
 ہیں کہ دشمنوں سے جنگ کی جائے۔ اس پر خوارج
 نے جواب دیا یا اس میں شک نہیں کہ پہلے ہم نے
 ثالثی منظور کی تھی، لیکن اب ہم پچھتارہے ہیں اور ہمیں
 اعتدات ہے کہ ہم غلطی پر تھے۔ اب بھی اگر تو اپنے
 کفر کا اقرار کرے اور خدا سے اپنے اس گناہ کی توبہ
 انساؤں کی ثالثی قبول کی توبہ کرے تو ہم تیرے
 ساتھ مل کے تیرے اور اپنے دشمنوں سے جنگ کریں گے
 ورنہ ہم تجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔“

* میں اس موقع پر انصاری (الملائیقۃ القہری) صفحہ ۱۱۳

الح کے الفاظ نقل کر رہا میں ۱۲ مصنف۔

جنگ نہروان

قالی (رض) کو ان لوگوں کی بے عقی کی روئے پر فہمہ آیا ، لیکن اس کی تنبیہ اور ترغیب کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا ، اور قبل اس کے کہ ان کی واپس جانے والی فوج کو نہ تک پہنچے اس میں سے ۱۲۰۰۰ آدمی ، جیسا کہ انہوں نے دھمکایا تھا ، علیحدہ ہو گئے اور حرورہ میں جا کر بڑاؤ کیا۔ انہوں نے اپنا نعرہ جنگ ” لا حکم الا للہ “ مقرر کیا اور مدائن کی طرف بڑھے تاکہ اس پر قبضہ کر کے وہاں ایک ” مجلس نمائندگان “ قائم کریں جو ” گرد و پیش کے بے ایمان شہروں کے لئے نمونہ بنے “ لہٰذا جب کورنر کی دور اندیشی کی وجہ سے انہیں اپنے اس ارادے میں کامی ہوئی تو نہروان کی طرف جو ایرانی سرحد کے نزدیک تھا ، بڑھ گئے ۔ انہوں نے ۲۲ مارچ سنہ ۶۵۸ ع کو قبیلہ راسب + کے عبداللہ بن وہب کو اپنا خلیفہ منتخب کیا اور جن مسلمانوں نے ان کے ہم راے ہونے ، ان کے خلیفہ کو تسلیم کرنے اور ہتھیار (رض) اور قالی (رض) دونوں کو برا کہنے سے انکار کیا ، ان کو انہوں نے کافر قرار دے کر قتل کرنا شروع کیا۔ ان کے افعال خشونت اور خدا ترسی کا ایک عجیب معجون مرکب تھے ۔ ان میں سے ایک نے ایک گھوڑے جو فروخت سے ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی اٹھا کر اپنے منہ میں رکھی لیکن جب

اس کے ساتھ ہیوں نے ملامت کی ”تو نے یہ کھجور بغیر
 حق کے لی ہے تو نے اس کی قیمت ادا نہیں کی ہے“ تو
 اس نے اسے منہ سے نکال کر پھینک دیا، اسی طرح سے
 کہتے ہیں کہ ایک خارجی نے ایک خنزیر پر جو ادا ہر سے
 جارہا تھا اپنی تلوار چلائی اور اس کی کو چھین کاٹ
 ڈالیں اس پر اس کے ساتھیوں نے کہا یہ ”فساد فی الارض“
 میں داخل ہے تو اس نے اس کے مالک کو قلاہ کر کے
 اس کو تباہ ادا کر دیا * لیکن دوسری طرف بے گناہ
 مسافر قتل کئے جاتے تھے، حاملہ عورتوں کے بچے تلوار
 سے پھاڑ ڈالے جاتے تھے، اور ان مظالم پر ان غالیوں کی
 طرف سے کسی ندامت کا اظہار نہ ہوا تھا۔ برخلاف
 اس کے جب علی (رض) نے اس سے کہا کہ قاتلوں کو حوالے کر دو
 اور بقیہ سب لوگ چپ چاپ چلے جاؤ تو یہ ایک آواز
 ہو کر پکار اٹھے ”ہم سب نے کفار کے قتل میں حصہ لیا ہے“
 ظاہر ہے کہ جب علی (رض) کی فوجوں نے اہل و عیال اور
 گھر بار کو ایسے خطرے کا سامنا ہوا تو وہ لوگ بغیر
 اس طائفہ باغیہ کا استیصال کئے ہوئے کس طرح شام کی
 طرف پیش قدمی کر سکتے تھے۔ حضرت علی (رض) نے رحم علی
 سے کام لے کر ان خوارج کو جو جانا چاہیں، بغیر تعارض
 خوارج کی لشکر گاہ سے چلا جانے دیا۔ ان میں سے نصف
 تعداد نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا۔ بقیہ دو ہزار نے حقارت

کے ساتھ اس رعایت کو ٹھکرا دیا، اپنی جگہ پر قہم جمائے رہے اور ایک ایک کر کے مارے گئے۔ دوسری طرف علی (رض) کے ساتھ ہزار مجاہدین ہیں سے صرت سات کام آئے۔ یہ سنہ ۶۵۸ء کے مئی یا جون کا واقعہ ہے، اور اس کی وجہ سے پس ماندہ خوارج کی عداوت علی (رض) کے ساتھ اور زیادہ سخت ہو گئی، اور اب وہ ان سے معاویہ (رض) سے بھی زیادہ متنفذ ہو گئے۔ علاوہ بریں علی (رض) کی فوجوں نے انکار کر دیا کہ جب تک ہم دم نہ لے لیں اور مزیدہ چپا بھرتی نہ کرائیں، معاویہ (رض) نے خلافت پیش قدمی نہ کریں گے۔ انہوں نے کہا ”ہماری ہمشیریں کند ہو گئی ہیں، ہمارے ترکش خالی ہو چکے ہیں اور ہم جنگ سے اکتا گئے ہیں، بچہ بچوں کی ہمیں سہلت دو تاکہ ہم اپنے التظامات درست کر لیں اور اس کے بعد ہم پیش قدمی کریں گے“۔ لیکن جیسے ہی کہ ان لوگوں کو موقع ملا، وہ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے یہاں تک کہ لشکر کا خالی ہو گئی۔

مزید مصائب | اپنے مخالف کی یہ روز افزوں مشکلات دیکھ کر معاویہ (رض) کو بدن چری ہوتے گئے۔ انہوں نے مصر پر قبضہ کر لیا اور بصرہ سمی بھی بغاوت کرا دی۔ دوسری طرف خوارج نے جنوبی ایران کے باشندوں کو درغلایا کہ ”کہ ایک لامذہب خلیفہ کو جزیہ دینا گویا اس کی قاتلید کرنا

ہے اور یہ فاجائز کام ہے * اور سارے جنوبی ایران میں
 خوارج علی (رض) کے خلاف بغاوت کے لئے کھڑے ہو گئے ،
 فرض کہ ان حالات نے ، نیز ان کے علاوہ اور کئی مسلسل
 درد فاک اور خلاف امید واقعات نے علی (رض) کو اس حد
 تک بد دل کر دیا کہ وہ سنہ ۶۶۰ ھ میں معاویہ (رض) کے ساتھ
 صلح کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے تھے ، جس کی رو سے ان
 (۶۰ ہاریہ) کا قبضہ مصر اور شام پر بغیر شرکت غیورے تسلیم
 کر لیا گیا تھا ۔ اس کے دوسرے سال (جنوری سنہ ۶۶۱ ھ)
 علی کا قتل ۲۵ | علی (رض) کو ابن ملجم اور دو اور خارجیوں
 جنوری سنہ ۶۶۱ ھ | نے کوفہ کی مسجد میں قتل کر دیا ۔
 فرض کہ اس طرح نبی کریم کے برادر عم زہد اور امام
 خلفائے اربعہ میں سے آخری خلیفہ اور شیعہ ائمہ میں سے
 ۴۲ | امام علی (رض) کا خاتمہ بعد شصت سالہ ہو گیا ۔
 ان کے جانشین حسن (رض) اور حسین (رض) جو ان تین فرزندان میں سے
 حسن (رض) کی | جو حضرت فاطمہ کے بطن مبارک سے ہوئے سب
 جانشینی اور خلع سے ہوتے تھے ، لیکن ۱۰۷ | اگست سنہ ۶۶۱ ھ
 میں ، بلا عذر و مقابلہ خلافت سے دست بردار ہو گئے ،
 اور اس طرح معاویہ (رض) عظیم الشان سلطنت اسلامی
 کے مالک کل ہو گئے ، اور خاندانِ امیہ مستحکم ہو گیا

* مہر Caliphate ص ۲۹۲ - ۱۲ - مصنف

۱۲ | درجہ اولیٰ حدیث ہے اور دوسرے کا انتقال بغداد میں ہو گیا
 تھا ۔ ۱۲ - مصنف ۔

اور دنیا اس کا لوہا مانلیے لگی —

توزی (Dozy) نے لکھا ہے کہ بنو امیہ کی فتح
 ہر اصل اس گروہ کی فتح تھی جو ہل میں اسلام کا
 دشمن تھا۔ "نہی کریم کے جانی دشمنوں کی اولاد"
 جن کے ہلوں میں اب تک ویسی ہی مخالفت تھی
 اب جانہنی اور نہایت رسول کے معنی ہوئے اور جن
 لوگوں نے اس کی بہ عتوں کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالی
 اس کی زبان ہنسی بزور شمشیر کی گئی۔ خود معاویہ (رض)
 کے زمانے میں بھی رعایا کو شکوہ و شکایات کی بہت سی
 وجوہات پیدا ہو چلی تھیں۔ وہ دمشق میں اپنے پر شکوہ
 دربار میں بیٹھ کر اور اپنی اہلی و عیال کی رعایا کی
 ہا ہ فریاد سے دور دھکر خلفائے راشدین کی بجائے
 باز نطنی شہشاہوں اور ایرانی بادشاہوں کی شان و شوکت
 کی نقالی کر رہے تھے۔ ان ہی کی تقلید میں انہوں نے
 اپنے بہتے یزیہ کو اپنا جانے نہیں بنایا اور بجز بلاہ مقصد مکہ
 و مدینہ کی رعایا سے ان کی خلافت منوالی —

یزیہ اول سنہ ۶۸۰ء	جب معاویہ (رض) کی وفات (اپریل سنہ
سنہ ۶۸۳ء ح	۶۸۰ء ح) کے بعد یزیہ ان کا جانشین

ہوا، تو صورت حالات اور بہ تر ہو گئی۔ دنیاے اسلام
 اور خصوصاً ایران میں اس کے نام سے بیادہ اور کوئی
 نام سب و شتم، لعنت و ملامت کا مورد نہیں بنایا
 جاتا۔ ایک ایرانی کو "کذاب"، "مغفل" اور "قزاق" کہو تو

سہی تھی کہ وہ لڑکیوں پر داشت کرے ، ٹھیک اگر تم
 اُسے یزید ، شمر ، یا ابن زیاد کہو تو وہ فوراً آپے
 سے باہر ہو جائے گا۔ ایک ایرانی شاعر کو غصی نے یزید پر
 لعنت بھیجی کے سلسلے میں برا بھلا کہا تھا ، تو اس نے
 جواب دیا اگر خدا یزید کو معاف کر سکتا ہے ، تو یقیناً
 وہ اس پر لعنت بھیجے والوں کی خطا سے بھی درگزر
 کر سکتا ہے ۔ ” حافظ “ پر محض اس وجہ سے کہ اس
 کے دیوان کی پہلی فزل یزید کے حسب ذیل شعر کے
 دوسرے مصرعے سے شروع ہوئی ہے ” بہت کچھ لعن طعن
 کی گئی ہے ۔ یزید کا شعر یہ ہے :-

انا المسموم ما عندی بتریاق ولا راقی

اھر کاساً وفا ولہا ، الا یا ایہا الساقی

’ اہلی شہرازی ‘ ’ لسان الثہب ‘ کی معذرت میں کہتا ہے :-

” ایک رات میں نے استاد حافظ کو خواب

میں دیکھا ۔ میں نے پوچھا ” اے یکتائے روزگار

و یگانہ علوم ‘ تو نے با وصف اپنی خوبیوں اور

شہرتوں کے ‘ یزید کے اس مصرعہ کو کیوں لیا ‘

حافظ نے جواب دیا ‘ تو اس معاملہ کو نہیں

سمجھتا ہے ۔ کافر کا مال مسلم کے لئے مباح ہے “

لیکن اس معذرت سے بھی کام نہیں چلا ، چنانچہ

’ کتابی تنہا پوری “ نے اس کا جواب دیا ہے ” محبہ استاد

حافظ پر بہت تعجب ہے ، حال اس کے سمجھنے سے قاصر

ہے ، اس نے یزید کے مصرع میں کیا خوبی دیکھی کہ اپنے دیوان میں پہلے اس کو رکھا ۔ اس میں شک نہیں کہ موسیٰ کے لئے کافر کا سال حلال ہے ، اور اس میں کسی کو اختلاف رائے کا محل نہیں ہے ، لہٰذا شہر کے لئے کس قدر شرم کی بات ہے کہ کتے کے منہ سے قوالہ چاہیے ہے ۔“

یزید کی سہوت

یہ امر مستحاج بیان نہیں ہے کہ یورپی مورخین میں سے بعضوں نے یزید کی حمایت کی ہے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں مسلمہ فیصلوں کی تردید میں اتنا لطف آتا ہے کہ یہ اس سے باز نہیں رہ سکتے ۔ اس میں شک نہیں کہ یزید کی شخصیت ہرگز نفرت انگیز نہیں ہے ۔ وہ ایک بدوی * ماں کا بیٹا تھا ۔ صبرا کی آزاد فضا میں اس نے پرورش پائی تھی ۔ ماضی اور شوقین شکاری تھا ، بلبل پایہ شاعر ، بہادر عاشق ، شراب کی موسیقی اور سیر و شکار کا شوقین تھا ۔ مذہب سے اسے کچھ زیادہ سروکار نہ تھا ۔ امکان تھا کہ ہم اس کی وجاہت اس کے دلگیر ابھار † اس کی شاہانہ صفات اور اس کے مسرت آمیز نظریہ حیات سے متاثر ہو کر اس کے متعلق

* مہر خاں ص ۳۱۶

† انصاری ص ۱۷-۱۲۰ - مصنف

انصاری نے اس کے بعض بہت دلگیر اشعار نقل کئے ہیں (اہل ارتقا ایشی ص ۱۳۷ - ص ۱۳۸) مصنف

فیصلہ بدل دیتے ، لیکن واقعہ کربلا کی یاد اس کے ہاں
 پر ایک ایسا سیاہ دھبہ ہے جو دھوے نہ دھویا جا سکے گا ۔
 انصاری لکھتا ہے ” صحیح تو بیانات کے بموجب اس
 کی حکومت تین سال اور چھ ماہ تک رہی ۔ پہلے سال
 میں اس نے حمیین (بن) فروزند علی “ (علیہما السلام والصلوات)
 کو قتل کیا ۔ دوسرے سال مدینہ کو تاراج کیا اور تین
 دن تک غارت گری کی ، اور تیسرے سال کعبہ پر
 چڑھائی کی “

سانحہ کربلا ۱۰ اکتوبر	ان تین سیاہ کاریوں میں سے پہلی
سنہ ۶۸۰ م	(واقعہ کربلا) ایسی تھی جس کی

وجہ سے ساری اسلامی دنیا میں نفرت کی ایک لہر سی
 دوڑ گئی ۔ جس شخص میں ذرا بھی احساس ہے وہ اس
 درد ناک واقعے کو بغیر متاثر ہوئے نہیں پڑ سکتا ۔
 یہ نہ صرف ایک جرم تھا ، بلکہ ایک بہت بڑی اور
 ناہن غلطی تھی ، جس کی وجہ سے یزید اور اس کے
 قابل نفرت چیلوں ابن زیاہ ، شمر وغیرہم نے اپنی
 حرکتوں کی وجہ سے تمام دنیاے اسلام میں مسلمانوں رسول
 اور حامیان دین مبین کے دلوں سے خاندان معاویہ کی طرف
 سے دھڑکی کے جذبات یک لخت فنا کر دیے ۔ ہم نے ” شہرہ “
 کا لفظ اس وجہ سے استعمال کیا ، کہ رعایا کے دلوں میں
 ہلو امید کی طرف سے دوسرے جذبات مثلاً محبت یا وفاداری
 کا تو پہلے سے بھی کہیں نام نہ تھا ۔ جیسا کہ ہم پہلے

کہہ آئے ہیں ، اس وقت تک شیعہ ہاں علی (رض) کا جوش اور جذبہ وفا شعاری بہت پھیکا تھا ۔ لہٰذا اس سانچہ کے بعد سے بالکل کایا پلت گئی ۔ اور کربلا کی خون آلودہ زمین کی یاد سے ، جہاں فہرہ کریم کا فواسا اس حالت میں شہید ہوا کہ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے ، اور زمین پر گرد و پیش اٹھا و اٹھا کے بے جاں لاشے پھیلے پڑے تھے ، آج بھی سرہ سزاج سے سرہ سزاج اور لا اہالی سے لا اہالی شخص کے دل میں اٹھائی کھڑے اور شہید فہرہ و اندوہ کے جذبات ہر انگشت ہو جاتے ہیں اور اس میں ایک ایسا روحانی دلوہ پھوٹا ہو جاتا ہے جس کے سامنے تکلف ، خطرات اور موت کا خیال بھی ہیچ ہو جاتا ہے ۔ ہر سال عاغورہ معرم کو ایوان ، ہلہوستان ، ترکی ، مصر غرض کہ جہاں کہیں بھی شیعہ آباہی ہے اس سانچہ فاجعہ کی تھیل دکھائی جاتی ہے ، اور کون شخص ایسا ہے ، خواہ وہ کس فہرہ مذہب ہی کا کیوں نہ ہو ، جو یہ کہہ سکے کہ جب میں نے اس ” تعزیوں “ کو دیکھا تو میرے دل میں اس ماتم کساروں کے جذبات کا مطلق احساس نہ تھا ۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی نہیں ! ۔ اس وقت کہ میں یہ سطرین لکھ رہا ہوں ، یہ پورا منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے ۔ نوحہ وزاری کی آوازیں ، فرط رقتہ سے سسکیاں بھرے والے مجمع ، سفید لباس جو ایلے ہاتھ سے لگائے ہوئے زخموں کے خون سے سرخ

ہو گیا ہے ، غم و ہمدردی کے جذبات سے لہریز ہو کر مہموم
 خلائق کی بے خودی اور وارفتگی - یہ سب باتیں مہموم
 چشم تخیل کے روپرو اس وقت موجود ہیں ۔ الغرضی لکھتا ہے •
 ” یہ ایک سائنسہ فاجعہ ہے کہ میں تفصیل سے اس کا
 ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کر سکتا - میں اس کو نہ صرف
 بہت ” درد ناک “ بلکہ دہشت انگیز بھی خیال کرتا
 ہوں ۔ حق یہ ہے کہ یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس سے
 زیادہ شرم ناک حادثہ اسلام میں اور نہیں ہو سکتا - قسم ہے
 اپنی جان کی کہ (علی) اسیر المومنین کا قتل ابتدائے عظیم تھا ،
 ٹیکھی اس سائنسہ میں قتل ، اسیروں کی پابجولانی اور شرم ناک
 سلوک کی ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ آدمیوں کے رونگٹے
 دہشت سے کھڑے ہو جاتے ہیں - میں نے اس کی تفصیل
 دینے سے اس وجہ سے بھی احتراز کیا ہے کہ یہ واقعہ بہت
 معروف بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ معروف ترین سانحات ہے -
 لعنت ہو خدا کی ہر اس شخص پر جس کا اس میں کچھ
 بھی دخل تھا یا جس نے اس کا حکم دیا ، یا جس کو اس کے
 کسی جز سے بھی کسی طرح کی خوشی ہوئی - خدا ایسے
 لوگوں کی کسی توبہ یا کسی کفارہ کو قبول نہ کرے -
 خدا ان کا حشر ان لوگوں کے ساتھ کرے جن کے افعال
 سے دنیا میں نقصانات عظیم ہوتے ہیں ’ اور جن کی مساعی
 اس حیات دنیاوی میں بھی ناکام رہتی رہی حالانکہ

وہ اس خراب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہم خود ہی ہیں۔
 سو ولیم میور لکھتے ہیں ”سانحہ کربلا نے نہ صرف خلافت کی
 قسمت کا، بلکہ جو اسلامی حکومتیں خلافت کے ستارے کے
 بہت عرصہ بعد بھی قائم ہوئیں ان کی قسمتوں کا بھی فیصلہ کر دیا۔
 جس شخص نے بھی سال بہ سال معرہ کے زمانے میں
 ہر ملک کے مسلمانوں کو غم کے انتہائی جذبات میں
 گرفتار، ساری ساری رات جگتے، سہلہ کوہی کرتے، اور
 حسرت بھری آواز میں ”حسبی حسبی، حسن حسین“
 کا ماتم کرتے ہوئے دیکھا ہے، وہ آسانی سے سمجھ
 سکتا ہے کہ کربلا کی بنا ڈالکر بنو امیہ نے اپنے دشمنوں
 کے ہاتھوں میں کیسی ہمشہر دھوہم دیسی تھی۔“

زبیر اور مختار | عبداللہ ابن زبیر کی بغاوت جو ۹ سال
 کی بغاوتیں تک (سنہ ۶۸۳ ع - سنہ ۶۹۲ م) کی غور مختار
 خلیفہ کی بیعت سے بلا قدسہ پر قابض رہے، فیز مختار
 کی زبردست بغاوت (سنہ ۶۸۳ م - سنہ ۶۸۷ ع) ان دونوں
 کی کامیابی کی وجہ تھی کہ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل
 بیت اطہار کے خون کا انتقام لینے کا جذبہ عوام میں
 پیدا ہو گیا تھا، اور نہ صرف پوری شیعہ جماعت، بلکہ
 اکثر خوارج بھی اس جذبے سے متاثر ہو چکے تھے۔ سنہ
 ۶۸۲ ع میں یزید نے مدینہ میں جو لوٹ مار کی،
 اس میں ۸۰ صحابی، اور کم از کم سات سو قاری،

جو حافظ بھی تھے ، شہید ہوئے ۔ ان لوگوں کا خون ، فیضِ حرمِ مکہ کی بے حرمتی پکار پکار کر ان مظالم کی داک چاہ رہی تھی ۔ بالآخر سنہ ۶۸۶ ع میں مختار نے کربلا کا پورا پورا انتقام لے لیا ، اور ابی زیاد ، شمر ، صہر ابن سہیبہ اور کئی سو دوسرے ادنیٰ درجہ کے افراد جنہوں نے اس سانحہ میں کچھ بھی حصہ لیا تھا ، سخت ترین ایذائیں دیکر قتل کئے کئے ۔ لیکن اس واقعہ کے ایک سال کے اندر ہی اندر خود مختار اور اس کے سات یا آٹھ ہزار ساتھی ابن زہیر کے بھائی مصعب کے ہاتھوں سارے کئے ۔ دنیائے اسلام میں جو نفاق و شقاق عام طور پر پیدا ہو گیا تھا ، اس کی ایک عجیب و غریب مثال یہ ہے کہ جون سنہ ۶۸۸ ع میں اموی خلیفہ عبدالملک ، محمد ابن علی رض (المعروف بہ ابن الحنفیہ ، ابن زہیر ، اور نجدہ خارجی - ان چاروں نے الگ الگ اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حجِ مکہ کی صدارت کی تھی !

مختار نے جس تحریک کی بنیاد ڈالی تھی ، وہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ، لازماً شیعہ تحریک تھی ۔ سارے ملک میں حسین رضہ اور ان کے اہل بیت کے خون کا انتقام لینے کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں ، اور ابن الحنفیہ * کے حقوق کی بحالی کا مطالبہ کیا جا رہا تھا ۔

* ملاحظہ ہو العتقوی (آدیشن ہوٹسا - جلد دوم صفحہ

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ تحریر ایک بعد کی
مختار کی بنا و ت | شہرہ تحریرات سے مختلف تھی، یعنی
کی خصوصیات اس میں منہج خلافت کے لئے اس

کی قید نہ تھی کہ خلیفہ حضرت فاطمہ کے بطن سے (جو حسین اور
ارحمن کی والدہ تھیں لیکن ابن العزیزہ کی نہ تھیں)
براہ راست اولاد رسول میں سے ہو، یا ایران کے شاہی
ساسانی خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ دھوا استحقاق
ہمیں سب سے پہلے حسین کے فرزند علی الملقب بہ سجاد
سے نظر آتا ہے جنہیں عام طور پر زین العابدین بھی کہا
جاتا ہے اور جن کی والدہ سے تعلق کہا جاتا ہے کہ وہ یزد گرد آخری
تاجدار ایران کو دختر توئیں * اثناء عسری اور سہ ماہی
نے جن میں بعد میں چلکر شیعہ جماعت مملقم ہو گئی
تھی، اور جو دو نوں یکساں طور پر حق ولایت پر زور

* ملاحظہ ہو جلد ۵ کا صفحہ ۲۰۷ نیز المعقوبی کی لاجواب

تاریخ (ادیشن ہوتسما صفحہ ۲۹۳ و صفحہ ۳۹۳ بقول اس
مورخ کے جس کی وفات نہیں صدی عیسوی میں ہوئی :- ان
(حضرت سجاد) کی والدہ حرار دختر یزد گرد شاہ ایران
تھیں۔ یہ اس طرح ہوا کہ عمر ابن الخطاب (رض) نے یزد گرد کی
بیٹیوں کو قید کیا تھا جن میں سے ایک حسین (رض)
بن علی (کرم) کے عقد میں دی گئیں جنہوں نے ان کا نام
”غزل“ رکھا۔ اور جب علی ابن حسین (رض) (جو انہیں
ایرانی شاہزادی کے بطن سے تھے) کا ذکر آتا تھا تو شریف سے شریف
خاندان کے لوگ پکار اُٹھے “ سب انسانوں کے لئے باعث فخر ہو
اگر ان کی ماںیں (ایسی) کنیزیں ہوں —

ہیتے تھے، انہی حضرت سجاد (رض) [امام زین العابدین] ہی کو مستحق خلافت سمجھا۔ جیسا کہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے، مختار کے ساتھیوں میں غیر عربی سوائی (واحد سوائی جمع سوائی) کی ایک بہت بڑی تعداد تھی، جن میں سے اکثر غالباً ایرانی النسل تھے۔ اس کی آٹھ ہزار فوج میں سے جس نے ابی زبیر کے بھائی مصعب کے ہاتھوں شکست کھائی تقریباً صرف دسواں حصہ (یعنی ۷۰۰) ہرب تھا جن اسباب کی وجہ سے یہ غیر ملکی مسلمان مختار کی فوجوں میں شریک ہوئے، ان کی تحقیق فلی فلرٹی (Von Vloten) اپنی لاجواب تصنیف Reser ches Sir la domination Arabe etc (عربی فتوحات کی تحقیق) میں کمال احتیاط کے ساتھ کی ہے اور ذیل کے فقرات میں ہم نے زیادہ تر اسی کتاب سے خوشہ چینی کی ہے۔

* میور "خلافت - صفحہ ۳۳۶" یہ مورخ لکھتا ہے "یہ

معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ اُس دور میں عربوں کی زندگیوں کو خاص طور پر قیمتی سمجھا جاتا تھا، مثلاً ایک تجویز یہ کی گئی تھی کہ عرب اسیران جنگ کو رہا کر دیا جائے اور غیر ملکی "سوائی" کو مار ڈالا جائے، لیکن کسی قدر ود و قدح کے بعد سب سے پہلے کئے گئے، دیناوری نے صفحہ (۲۹۶) بھی کہا ہے کہ مختار کے پھروں میں بہت سے ایرانی تھے۔ ۱۲/ مصنف

عبدالہلک کی حکومت | بنو امیہ کی حکومت عبدالہلک کے
 سنہ ۶۸۵ء - سنہ ۷۰۷ء | سنہ سلطنت (۶۸۵ م - سنہ ۷۰۵ ع)

میں اپنے انتہائی نقطہ عروج پر پہنچی اور یہی زمانہ عربوں کی دنیاوی قوت و شوکت کے انتہائی اوج کا بھی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، اسی زمانے میں پہلی مرتبہ عربی سبک استعمال ہوئے، سرکاری دفاتر فارسی زبان کی بجائے عربی میں منتقل کئے گئے۔ عرب کے قدیم شریف خاندانوں کا اقتدار بڑھا۔ غیر ملکی ”موالی“ معمر اور مقہور بنے، اور دین دار مسلمانوں خصوصاً انصار مدینہ کے جذبات اور احساسات کو بے دردی کے ساتھ ہمارا کیا گیا۔ عبدالہلک کا قابل لیکن خون آشام نائب حجاج ابن یوسف (جس کا نام بھی یزید ابن زیاد اور شہر کے فاسوں کی طرح مرثود اقام ہے) جس پر عبدالہلک کی نظر عنایت معض اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے مکہ پر گولہ باری کرنے اور ابن زبیر کی بغاوت کو فرو کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی • ۲۲ سال (سنہ ۶۹۱ ع - سنہ ۷۱۳ ع) تک اپنی قسی القلبی اور خونخواری کی وجہ سے دنیاے اسلام کے حق میں لعنت عظیم بنا رہا۔ مقتولین جنگ کے علاوہ صوف ایسے لوگوں کی تعداد جو اس کے حکم سے بے دردی سے قتل کئے گئے ایک لاکھ

بہس ہزار بتائی جاتی ہے۔ خون اس نے کوفہ میں وعایا کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے، وہ اس کی خون آشام طبیعت کی سچی تصویریں ہیں۔“ - والدہ میں دیکھ رہا ہوں کہ نظریں مجھ پر جدی ہوئی ہیں، گڑبڑیں آگے کی ہرٹ جھکی ہوئی ہیں اور سر کاٹے جانے کے لئے تیار ہیں، اور میں یہ سب کچھ کرنے کا اہل ہوں۔“

اسی طرح سے عبدالملک کی سیرت کی جھلک دیکھنا ہو تو اس کے وہ الفاظ سنو جو اس نے اپنے منصب خلافت پر فائز کئے جانے کی خبر سن کر کہے تھے + کہتے ہیں کہ جب قاصد یہ خبر لیکر آیا تو وہ تلاوت قرآن کر رہا تھا۔ اس خبر کو سُننے ہی اس نے کتاب بند کر دی اور کہا ”هذا الفراق بئلی و بیئکم“ - سیاسی مصالح کے اقتضا سے اسے مقدس مقامات یا تقدس مآب انسانوں کے ہر باہ کرنے میں مطلق باک نہ ہوتا تھا، اور اس کے شامی اس کے ہر حکم کو بجالاتے تھے، بقول الیعقوبی کے † ”احترام مذہبی اور وفاداری کے جذبات میں قصادم ہوا“ اور وفاداری غالب آئی۔“

* ملاحظہ ہو مسعودی کی مروج الذهب (ادیش

بی ق) ص ۳۰۰ - صفحہ ۲۹۴ - صفحہ ۳۰۰ -

† (الفردی ادیش املوارت) صفحہ ۱۴۶ -

صفحہ ۱۷۴ - ۱۲ - مصنف -

‡ جلد دو صفحہ ۳۰۰ -

بنو امیہ کی حکومت کے | تو زعم لکھتا ہے *
متعلق تو زعم کو زعم غرض کہ اسلام کی مخالف

جماعت کو اس وقت تک چین نہ پڑا جب
 تک کہ انہوں نے دونوں مقدس شہروں کو
 زیور و زبر نہ کر لیا۔ مکہ کی مسجد کو
 اصطبل بنایا گیا، کعبہ میں آگ لگائی گئی
 اور جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے تھے
 ان کی اولاد کی ہر طرح سے ذلت کی کئی
 عربی قبائل نے جنہوں نے ایک قلیل جماعت
 سے شکست کھا کر اسلام قبول کیا تھا، اب
 اس موقع پر اس سے خوب کسر نکالی۔ غرض
 کہ بنو امیہ کا پورا عہد حکومت سوائے کفر
 و الحاد کے رو عمل اور غلبہ کے اور کچھ
 نہیں کہا جاسکتا۔ خود خلفائے بنو امیہ بھی
 (بجز ایک استثناء کے) یا مذہب کی طرف
 سے بے پروا تھے، یا کافر تھے، ان میں
 سے ایک، ولید ثانی (سنہ ۷۴۳ ع - سنہ
 ۷۴۴ ع) تو نماز جماعت میں اپنی جگہ
 اپنی داشتہ عورتوں سے امامت کرانا تھا،
 اور قرآن کو اپنی تیر افگنی کی مشق کے

لئے ہدایت بنا ڈالتا تھا + “

بنو اہلبیت کو پالیسی نے	عام طور پر ، بنو امیہ
چار جماعتوں کو ان کی	کسی پالیسی کی وجہ سے
طرف سے بدل کر دیا	ان کی رعایا کی حسب ذیل

چار جماعتیں ان سے بالکل بد دل ہو گئیں

(۱) دیندار مسلمان	۱- دیندار مسلمان ، جو

اپنے حکمرانوں کے اعمال
سب سے ، بے دینی کی زندگی ، اسلام کی اہانت
اور دنیا پرستی کو نفرت اور دہشت سے
دیکھتے تھے ۔ ان میں تھام اصحاب و انصار
اور ان کی اولاد شامل تھی ۔ ابن زبیر
کی بغاوت کو زیادہ تر اسی عنصر کی وجہ
سے تقویت پہونچی —

۲- شیعہ	۲- شیعہاں علی ، جنہوں نے خاندان

امیہ کے ہاتھوں کا قابل تلافی
مصائب برداشت کئے تھے ، خصوصاً کربلا کا
سافحہ فاجعہ جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے
ہیں ۔ یہ جہالت ، مغتار کی بغاوت کا
رکن اعظم تھی —

+ ملاحظہ ہو السخری ص ۵۹ جہاں ولید کے وہ دو اشعار نقل کئے

کئے ہیں جو اس نے اس نسخۂ قرآن کو مخاطب کر کے کہے تھے ۲- مصلف

۳ - خوارج | ۳ - خوارج ' جنہوں نے ہر قسم کے شوریہ
پشتوں اور لٹیروں کی مدد سے سنہ ۷۰۰ء تک

اموی حکومت کو سخت پریشانی کیا *

۴ - معکوم اقوام | ۴ - موالی ' یا غیر عرب مسلمانوں
جنہیں عربوں کے ساتھ مساوات کا

درجہ دینا تو کبھی ان کے حکمرانوں نے اپنے
مظالم اور استعصال ناجائز کا شکار بنائے رکھا اور
ہمیشہ نفرت کی نگاہوں سے دیکھا —

فان فلوٹن (van vloeten) کی | اموی سلطنت کے
قابل تعریف تحقیق کو اپنا
زوال کے اسباب

نہوئے قرار دیکر ہم بھی اپنی
بحث کی ابتدا اسی آخر الذکر طبقہ سے کریں گے -
یہ فاضل مصنف بنو امیہ کے زوال اور عباسیوں
کے عروج کے حسب ذیل تین اسباب قرار
دیتا ہے :-

(۱) معکوم نسل کے اپنے ظالم حکمرانوں کی
طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات —

(۲) شیعہ تحریک یعنی اہل بیت اطہار
کی حمایت —

(*) برونو کی رائے ہے کہ سہیب بن یزید اشہبانی کی
وفات کے ساتھ زیادہ پریشان کن بغاوتیں ختم ہو گئیں تھیں —

(۳) ایک نجات دہندہ ، مسیح موعود کے ظہور

کی اُمید —

شمالی اور جنوبی عرب کے قبائل کی آپس کی رقابت کو جس کے شعلے ان دور و ہزار شہروں تک بھی پہنچ گئے تھے جہاں یہ قبائل جا کر آباد ہوئے تھے ، اور جس کی یاد کو نصر ابن سوار نے اپنے اشعار میں ، جن کا ذکر آئندہ کیا جائے گا غیر فانی بنا دیا ہے) بعض لوگوں نے زوال بنو امیہ کا سبب قرار دیا ہے ، لیکن فان فلوٹن (Van Vloten) کا خیال ہے کہ اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے لہذا اس کی حیثیت اس نے ثانوی رکھی ہے —

مہکوم نسلوں | مہکوم اور مغتوح نسلوں کی حالت - جس کی حالت زار | میں نہ صرف نو مسلم بلکہ یہودی ، عیسائی اور مجوسی بھی شریک تھے ۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ، بنو امیہ کے زمانے سے پہلے اگر بہت زیادہ اچھی نہیں تھی ، تو کم از کم قابل برداشت ضرور تھی ۔ لیکن بنو امیہ کے عہد میں جو شدید نسلی تعصبات میں گرفتار تھے اور بزور و قوت اپنی شہنشاہیت قائم کرنا چاہتے تھے ، قدیم زمانے کی تباہی جنگوں اور جہاد کی بجائے صرف اوت مار کرنے اور مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے حملے اور

لڑائیوں ہونے لگیں۔ لیکن حکمرانوں کی روز افزوں ہیش پسندی اور اسرار کے لئے جب یہ ذریعہ بھی کافی نہ ہوا، تو محکوم اقوام پر روز بروز ٹیکس کا بوجھ زیادہ پڑنے لگا، اور اب اسلام قبول کرنا بھی کم از کم مالی دھمکی سے ان کے لئے کچھ زیادہ منفعت بخش نہ رہا۔ والیوں اور ان کے پیغمبروں میں غبن اور قنابل اور تصرف کی عادتیں روز بروز بڑھنے لگیں اور وہ اس کی کوشش کرنے لگے کہ اپنے زمانہ تقرر میں جس طرح بھی ہو سکے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹیں۔ غبن کی یہ وارداتیں اس قدر کثرت اور شدت سے ہونے لگیں کہ ہر جانشین والی اپنے پیش رو سے بذریعہ استخراج ہضم کیا ہوا مال اگلوانے لگا، اور استخراج کی اس کارروائی کا حق اور اختیار دہشت کی مرکزی حکومت سے بعض زر نقد خریدا جانے لگا۔ ان ظالم والیوں سے اس طرح سے جو رقمیں اگلاوائی گئیں ان کی مقدار بعض وقت بہت زیادہ ہوتی تھی، مثلاً کہتے ہیں کہ یوسف ابن عمر نے اپنے پیش رو خالد القصری (والی عراق) اور اس کے چیلوں سے کم سے کم ۷ کروڑ درہم [تقریباً ۲۸ لاکھ پونڈ = ۳ کروڑ ۷۸ لاکھ روپہ] وصول کئے۔ اس قسم کے تمام استحصاں ناجائز کا بوجھ آخر چلکر غریب زراعت ہمیشہ لوگوں کی گردن پر پڑتا تھا، جن کو داد رسی کا بھی کوئی موقع نہ دیا جاتا تھا، اور ٹیکس وصول کرنے کے سلسلے میں جو جو ذلتیں برداشت کرنی

ہوتی تھیں وہ مزید برآں تھیں * قدیم ایرانی عہائیدین اور مالکان اراضی (دھقان) تو اسلام قبول کر کے اور اپنی قسمت فاتحین کے ساتھ وابستہ کر کے اپنے قدیم اقتدار اور ثروت کو کسی قدر بحال رکھ سکتے تھے، اس لئے کہ فاتحین کے لئے ان کی خدمات بے انتہا ضروری تھیں اور مقاسم حالات اور اثرات سے ان کی واقفیت ان کے لئے فائز رہی تھی لیکن ادنیٰ قریطوں کو بچلے کا موقع بھی نہ تھا، اور بقول فان فلوتین کے ”عربوں کی حرص و آز اور ان کا نسلی غرور یہ دو اٹل مواضع تھے جس سے ان (ادنیٰ طبقات) کی حالت کی بہتری دشوار ہو گئی تھی۔“

موالیوں کو تو عرب اپنے سے پست بلکہ غلاموں سے کچھ بھی بہتر سمجھتے تھے۔ مزورخ طبری معتار کی بغاوت کے ذکر کے سلسلے میں (جس کے حامی جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں زیادہ تر غیر عرب مسلمان یعنی ”موالی“ تھے) لکھتا ہے ”کوفی عربوں کے لئے اگر کوئی بات انتہائی فائز اور اشتعال دینے والی تھی تو یہ کہ معتار موالی کو بھی سال غلبت کا حصہ دیتا تھا۔ وہ خفا ہو کر اس سے کہتے تھے تم نے ہم سے ہمارے موالی کو چھین لیا ہے، جو خدا کی طرف سے اس تمام صوبے کے ساتھ ہمارے حصے میں آئے تھے۔ ہم نے تو انہیں اس لئے آزاد کرایا تھا کہ خدا اس سے خوش

ہو کر ہمیں نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا لیکن تم کو اس کا مطلق احساس ہی نہیں ہونا اور تم انہیں ہمارے مال غنیمت کا حصہ دار بناتے ہو۔ *

ظلام اور خدا فاقوس حجاج ابن یوسف کے زمانے میں نو مسلموں پر بھی کافروں کی طرح جزیہ عائد کیا گیا تھا۔ حالانکہ انہیں اس سے مستثنیٰ ہونا چاہئے تھا۔ ان کی بددلی اور بے چہنی اتنی بڑھی کہ وہ بڑی تعداد میں عہد الرحمہ ابن اشعث کی بغاوت میں شریک ہو گئے، لیکن سخت کشت و خون کے بعد اس بغاوت کو فرو کر دیا گیا اور موالی کو ان کے مواضع کی طرف بھاگ دیا اور ہر شخص کے ہاتھ پر اس کے موضع کا نام گرم لوہے سے داغا گیا + فان کریہر کیتا ہم کہ حجاج کی اس کاروائی سے موالی اور نو مسلمانوں کی رہی یہی امید کہ وہ فاطمہ نسل کی مساوات کا دھوکہ کر سکیں گے، 'ٹوٹ گئی' ان کی بددلی اور ناراضی بڑھتی گئی، اور آخر میں سلطنت امیہ کے زوال کا ایک نہایت اہم سبب بنی۔

بقول تروزی + "تمام خلفائے امیہ میں صرف عمر ثانی (سنہ ۷۱۷ - ۷۲۰ ع)

ہمراہ ابن عبد العزیز

* فان قلوبن صحنہ ۱۶ - ۱۲ - مصنف -

+ ایضاً صحنہ ۲۶ - صحنہ ۲۷ - ۱۲ - مصنف

† ' isiamisme[channi 'sLraus Latin] PP 180 - lsr +

ہی اصل معذوں میں مومن اور عبادت گزار بادشاہ
ہوا ہے ۔

”مالی فائدے کی غرض کبھی اس پر غالب
فہ آئی ، اور اس نے ہمیشہ دین کی
اشاعت کو اپنا محبوب ترین مشغلہ بنا یا ۔
چونکہ اس کے اصول سابقہ حکمرانوں کے اصول
سے اس قدر مختلف تھے ، اس لیے اس کے
ماتحت عہدہ داروں کے لئے خود کو ان کے
مطابق بنانا کسی قدر دشوار ثابت ہوا ۔
ایک عہدہ دار نے خلیفہ کو لکھا ” اگر مصر
میں چاندی یہی حالت رہی جو اب ہے تو
اس میں شک نہیں کہ ایک ایک عیسائی
مسلمان ہو جائے گا ، لیکن سلطنت کی ساری
آمدنی غائب ہو جائے گی “ پھر نے اس کے
جواب میں لکھا ” میں اسے بہترین نعمت
الہی سمجھوں گا کہ سارے عیسائی مسلمان ہو جائیں
خداوند کریم نے حضرت رسالت مآب کو اشاعت
دین کے لئے مبعوث فرمایا تھا ، فہ کہ جزیہ
وصول کرنے کے لئے “ اسی طرح سے والی خراسان
نے شکایت کی تھی کہ اس ولایت کے اکثر ایرانی
صرت جزیہ سے بچنے کے لئے مسلمان ہو گئے ہیں
حالانکہ وہ اب تک معتدوں نہیں ہوئے ہیں ۔

اس کے جواب میں بھی عہر نے لکھا
 خداوند کریم نے مسجد کو اس لئے بھیجا
 تھا کہ وہ لوگوں کو دین میں کی تلقین
 کریں، نہ اس لئے کہ انہیں سختوں بنائیں *
 غرض کہ احکام شریعت کی تعبیر میں وہ
 شدت کو بالکل دخل نہ دیتا تھا۔ وہ جانتا
 تھا کہ اکثر نو مسلم اپنی نیتوں میں سچے
 نہیں ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھتا
 ہوا تھا کہ اکثر ان کی اولاد اور ان کے پوتوں
 پر پوتوں کی پرورش بعینہٴ اہل اسلام کی کئی
 تو وہی آگے چل کر عربوں کے برابر، بلکہ
 شاید ان سے بہتر مومن بن جائیں گے۔

عہر ثانی کی سیرت اور | خاندان اسیہ کے دوسرے بچے دین
 اس کے عہد حکومت کے اثرات | طہام اور خود پرست حکمرانوں کے
 مقابلے میں عہر ابن عبدالعزیز کی سیرت خاص طور پر
 درخشاں اور شریفانہ نظر آتی ہے۔ اس میں شک نہیں
 کہ اس کی حکومت کی بنیاد مفاہ دینوی کی بجائے
 حصول فلاح آخری پر تھی اور اس کا اثر مالیہ پر بڑا
 پڑا، اس کے طریقے جو اس کے مشہور ہم نام عہر ابن
 الخطاب کے طریقوں کا ہو بہو چربہ تھے، بہت پرانی وضع

کے بلکہ اکثر صورتوں میں تو بالکل رجعتی تھی اور اس وجہ سے زیادہ کامیاب نہ ہوسکتے تھے ، اور اس کے بدلے اور قیام امن و آسان سے محکوم اقوام کے دلوں میں امید کی جو چنگاری پیدا ہوگئی تھی وہ اس کے جانشینوں کی حرکات سے بالکل بجھ گئی ، اور اس چیز نے عرب شاہنشاہیت اور اقتدار کے خلاف رعایا کے جذبات کو اور زیادہ مشتعل کر دیا فرض کہ دنیاوی نقطہ نگاہ سے دیکھو تو کہہ سکتے ہو کہ ہمر ثانی نے اپنے ہاتھوں اپنے خاندان اور نسل کے اقتدار پر کاری ضرب لگائی ، لیکن مذہبی حیثیت سے نظر ڈالو تو تم کو ساڈا پڑے گا کہ اس کی ایک ایک کارروائی بالکل ویسی تھی جیسی یکے موسیٰ اور مسلم کی ہونی چاہئے ۔ مساجد میں علی (۴) پر تبرہ بازی کی جو رسم اب تک چلی آرہی تھی اسے روک کر اس نے تمام خدا ترس اور مہندار مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کی ، اور شاید کسی قدر شیعہ جماعت کی بڑھئی کو بھی کم کیا ۔ کلہز شاعر * نے اس کے اس حکم کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں جن کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے —

تو مسند نشین ہوا ، اور تو نے نہ علی (رض) پر
تبرہ بازی کی ، نہ بے گناہوں پر دہشت طاری
کی ، نہ بدکرداروں کے مشوروں پر کان دھرے ۔
تو نے جو کہا ، اپنے محل سے اس کی تصدیق ہوئی ۔

کی اور ہر مسلمان کا ہل اٹھان

سے لبریز ہو گیا۔

پہلی صدی ہجری کا اختتام | اور ابن عبد العزیز کی وفات پر
اور عباسی تبلیغ کی ابتدا | پہلی صدی ہجری کا خاتمہ ہوا۔

مہکوم اقوام کو اپنی روز افزوں مداخلی کو وجہ سے عام
طور پر یہ یقین ہو چلا تھا کہ صدی کے ختم ہوتے ہی کوئی
انقلاب عظیم ضرور رونما ہوگا۔ دینوری لکھتا ہے،

اس سال (سنہ ۱۰۰ھ مطابق سنہ ۷۱۹-۷۲۰ء)

شیعوں نے امام محمد بن علی بن عبد اللہ،

بن عباس بن عبد المطلب، بن ہاشمؑ کی

خدمت میں جو سر زمین شام میں بمقام طہیجہ

سکونت پزیر تھے، اپنے وفد روانہ کئے۔ سب

سے پہلے جو ہیجہ ان کی خدمت میں حاضر

ہوئے وہ میسرۃ العبدی، ابو عکرمہ سراج،

محمد بن خلیس اور حیان عطار تھے۔ یہ سب

ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ،

پر بیعت کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ انہوں نے

کہا ”اپنے ہاتھ دیجئے تاکہ ہم ان پر بیعت

کریں اور آپ کے لئے یہ بادشاہی حاصل کرنے

کی کوشش کریں شاید آپ ہی کے طفیل

میں خداوند کریم انصاف کو زندہ اور ظلم و بے رحمی کا خاتمہ کر دے - اس کام کا وقت اور موقع بھی یہی ہے جس کی اطلاع ہمیں آپ لوگوں میں سے سب سے بڑے عالموں سے مل چکی ہے - ” معہد بین علی نے جواب دیا ” بے شک جس چیز کی ہمیں امید اور آرزو ہے اس کا موقع اور وقت یہی ہے اس لئے کہ ایک صفحہ ختم ہو چکی ہے - تحقیق کہ جب کسی قوم پر پورے سو سال گذر لیتے ہیں ، تو خداوند کریم ان لوگوں کا حق پر ہونا ظاہر کر دیتا ہے جو حق کے لئے لڑتے ہیں اور جرم و خطا کے معاونین کے عجب و غرور کو خاک میں ملا دیتا ہے کیونکہ خداے عز و جل فرماتا ہے - ” یا اس کی طرح جو ایک قریہ کے پاس سے گذرا ، اس وقت جب کہ وہ ویران تھا ، اور اس کی چھتیں سرنگوں تھیں اور کہا اس نے ” خدا اس کو فنا کے بعد دوبارہ کیونکر زندہ کرے گا ، اور خدا نے اسے ایک سال تک سوا ہوا رکھا اور پھر اسے جلایا ، پس اے شخص جا ، اور لوگوں کو احتیاط کے ساتھ اور

راز میں طلب کرو اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تیرا مقصد
پورا کرے اور تیرے مدعا کے ثمرات ظاہر
کرے، علی اور سوائے خدا کے کسی دوسرے
میں قدرت نہیں ہے“

یہ تھا عباسیوں کی ”دعوت“ کا آغاز، جس نے
خاموشی کے ساتھ، لیکن یقینی طور پر رعایا کے ان
بے شمار بد دل افراد سے کام لیا جو پہلے ہی سے بکثرت
موجود تھے، امیہ کی قوت کی بنیادیں تھیلی کر دیں
اور ۳۰ سال کے اندر اندر ان کے خاندان کی گرتی ہوئی
عبارت کو بالکل ہی زمین کے برابر کر دیا۔ اس قبلیخ
و دعوت کے داعی سب کے سب قابل اور مستعد اشخاص تھے،
جو اگر ایک طرف یہ احتیاط کرتے تھے کہ قبل از وقت
بغاوت نہ پھوٹ پڑے تو دوسری طرف اپنے مقصد کے لئے
اپنی جانیں تک دینے کے لئے تیار تھے۔ ان لوگوں نے خصوصاً
اس بے چینی اور بد دلی کے مواد سے بہت فائدہ اٹھایا
جو خراسان کے ایوانی صوبے میں اندر ہی اندر پک رہا
تھا، جہاں بقول دینوری کے (صفحہ ۲۳۵) :-

دینوری کی عبارت	انہوں نے لوگوں کو دعوت دی
کی نقل	کہ محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت

کریں، اور امیہ کی بد اعمالیوں اور مظالم سنا
سنا کر انہیں ان کی حکومت سے بیزار کر دیا۔
خراسان کے انٹر حصہ آبادی نے انکی صدا پر

لبیک کہا ، لیکن ان کی بعض کارروائیوں کا شہرہ ہو گیا اور وہ سعید * (بن عبدالعزیز بن الحکم بن ابولعاص) والی خراسان کے کانوں تک پہنچیں۔ پس اس نے انہیں طلب کیا اور کہا ” تم لوگ کون ہو “ انہوں نے جواب دیا ” تاجر “۔ پھر اس نے کہا ” کہ تم لوگوں کے متعلق یہ کیا اطلاعاتیں آج کل میرے کانوں تک آرہی ہیں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ عباسی خاندان کے داعی ہو۔ “ انہوں نے جواب دیا ، ” یا امیر ہمیں اپنے مفاد کا خوف خیال ہے ، اور ہم اپنے کاروبار میں خوف اس قدر مصروت ہیں کہ ہم ان باتوں میں فہم نہیں پڑ سکتے۔ “ پس اس نے انہیں چلا جانے دیا ، اور وہ اس کے سامنے سے رخصت ہو گئے ، اور مرو سے روانہ ہو کر خراسان کے صوبے اور اس کے دیہاتوں میں تاجروں کے بھیس میں دورہ کرنے لگے ، اور لوگوں کو امام محمد بن علی کی طرف سے دعوت بیعت دینے لگے۔ انہوں نے دو سال تک یہی کیا پھر وہ شام میں امام محمد بن علی کے پاس

* یہ اپنے زمانے میں کی وجہ سے خزینہ کہلاتا تھا میور ، تاریخ

واپس کئے اور انہیں مطلع کیا کہ ہم نے خراسان
میں ایک ایسا بچہ پویا ہے جو ہمیں امید ہے کہ مناسب
وقت پر پھل پھول دیے گا ، اور انہیں معلوم
ہوا کہ ان کو خدا نے ایک فرزند بھی دیا ہے

جس کا نام ابوالعباس * ہے جس
ابوالعباس کی ولادت | کو انہوں نے ان لوگوں کے سامنے
منگوا یا اور اس سے کہا ” یہ تمہارا آقا ہے “
اور انہوں نے اس کے ہاتھ پانو کو
بوسہ دیا —

عباسی دعویٰ کی تائید | مظلوم اور معقر ایرانیوں کی تائید کا
ایرانیوں کی طرف سے | داعیوں کو خاص طور پر یقین تھا ،

کیونکہ وہ ایک عقلمند اور لائق قوم تھی اور قدیم
شانداد روایتوں کی حامل تھی اور اب ایک ایسی قوم
کے ہاتھوں جو بجز ذاتی شجاعت اور حب آزادی کے
اور ہر حیثیت سے ان سے ادنیٰ درجے کی تھی ، ان کی
حقارت اور ذلت ہوتی تھی ۔ مختار اور اس کا سپہ
سالار ابن الاشتر ایرانیوں کے جوہر کا پہلے ہی ثبوت
دے چکے تھے ، اس لئے کہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں
ان کی فوجیں زیادہ تر ایرانی سپاہیوں ہی پر

* یہ بعد کو السفاح (خونریز) کے لقب سے مشہور ہوا اور

خاندان عباسیہ کا پہلا خلیفہ تھا - ۱۲ مصنف —

مشتہل تھیں * —

جب ' فرات ' اور ' عمیر ' نے جو اس شاسی فوج کے افسر تھے جو خلیفہ عبدالملک نے مختار کے	مختار اور ابن الاشتر نے ایرانیوں کی جو ہر شناسی کی

خلاف بنی ہاشمی تھی ، ابن الاشتر سے اس کے کیمپ میں ملاقات کی ، تو انہوں نے شکایت کی کہ جس وقت سے ہم لوگ تمہاری فرہوگاہ میں داخل ہوئے ہیں اس وقت سے اب تک کہ ہم تمہارے سامنے آئے ہیں ہم نے ایک لفظ عربی کا نہیں سنا ، اور پھر اس سے پوچھا کہ ایک ایسی فوج کے ساتھ تم ہام کے منتخب عساکر کا مقابلہ کرنے کا خواب کیونکر دیکھ سکتے ہو “

ابن الاشتر نے جواب دیا “ واللہ ، اگر میرے حلیفوں میں صرف چیونٹیاں بھی ہوں ، تو میں ان کے ساتھ بھی شامیوں سے لڑنے کے لئے تیار ہوں ، چہ جائیکہ موجودہ صورت میں ، اس لئے کہ جن لوگوں کو تم میرے ہمراہ دیکھتے ہو ان سے زیادہ باریک بین قوم اور کوئی دوسری نہیں ہے اور یہ ایرانی اسرا واعیان کی اولادیں ہیں “ مختار نے بھی ایرانی الاصل لوگوں کو ترغیاں دیں ، اور انہیں اور ان کی اولادوں کو تعائف دئے ، انہیں ممتاز

* ملاحظہ ہو دیلمری صفحہ ۳۰۰ تا صفحہ ۳۰۲ ، نیز صفحہ

عہدوں پر سرفراز کیا ، اور عربوں سے پہلو تھی کی ، اور انہیں دور رہی دور رکھا اور مایوس کیا ۔ اس پر وہ بہت برہم ہوئے اور ان کے اکابر جمع ہو کر اس کے پاس آئے اور اسے برا بھلا کہا ۔ لیکن اس نے جواب دیا ” خدا تم لوگوں سے الگ ہو جائے ۔ میں نے تمہاری عزت کی اور تم نے ناک دہوں چڑھائی میں نے تمہیں حکومت و اختیار دئے اور تم نے ملک کے معاملہ کو غارت کر دیا ہر خلاف اس کے ، یہ ایرانی تم سے زیادہ میرے مطیع ہیں اور میرے احکام کو تمہاری بہ نسبت زیادہ وفاداری اور مستعدی سے بجا لاتے ہیں —

لیکن ابھی ایک جماعت ایسی اور تھی جس کی مدد کی عباسی دعوت کے لئے ضرورت تھی ۔ یعنی شیعہ ۔ اگرچہ حقوق اہل بیت اطہار کے متعلق ان کے عقائد تقریباً مشترک تھے لیکن اس بارے میں اختلاف تھا کہ اہل بیت میں سے خلافت کا زیادہ مستحق کون تھا ۔ عام طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امام حسین کی وفات کے بعد ان میں دو جماعتیں پیدا ہو گئیں جن میں سے ایک نے ان کے براہِ رضاعی محمد ابن الحنفیہ کی تائید کی ، اور دوسری نے ان کے فرزند علی الموسوم بہ امام زین العابدین کی —

ہاشمیہ | ابن الحنفیہ کی وفات کے بعد اول الذکر جماعت نے ان کے فرزند ابو ہاشم کے ہاتھ پر بیعت کی ، اور اسی وجہ سے ہاشمیہ کہلائے ، بقول فاضل دیونگر

کے * یہ ابو ہاشم ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے
ممتنظم طور پر دعوت کا کام کیا اور شیعہوں میں حضرات
ائمہ کی طرف سے احترام کے جو جذبات پہلے سے موجود تھے
انہیں قوی تر بنایا ، اور ان باطنی عقائد کو زیادہ
مضبوط بنایا ، جن کا دل امام ہی کے پاس ہوا کرتا تھا ۔
ان ابو ہاشم کا انتقال سنہ ۹۸ ھ (سنہ ۷۱۶ ع - سنہ ۷۱۷ ع)
میں ہوا ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اموی خلیفہ سلیمان
نے انہیں زہر دیا + اور انہوں نے محمد ابن علی ،
خاندان بنو عباس کے سردار کو اپنی امامت تفویض کی
اس کے بعد سے ہاشمیہ اور ان کی دعوت عباسیوں کے
لئے ہونے لگی ۔

شیعوں کی دوسری جماعت یعنی امامیہ عباسی
دعوت کی اتنی زیادہ معین نہ تھی ، اس لئے
کہ ان کا عقیدہ تھا کہ امام کو اولاد علی و فاطمہ میں
سے ہونا چاہئے چنانچہ ان کے امام حضرت زین العابدین خلف
حضرت حسین تھے ، جن کا انتقال سنہ ۹۹ ھ یا سنہ ۱۰۰ ھ
(سنہ ۷۱۸ ع) میں ہوا + اس جماعت کو اعانت حاصل کرنے
کے لئے عباسیوں کی دعوت ہاشم کے نام سے کی گئی ، جو
عباسیوں اور علویوں دونوں کے مشترکہ طور پر سرورث اعلیٰ

* Recherches Sur la Domination Arabe (تحقیق در

باب تسلط عرب) صفحہ ۴۴ - صفحہ ۴۵ ۱۲ مصنف

+ (مرتبہ ہرٹسہ) جلد دوم صفحہ ۳۵۶ - ۱۲ مصنف

+ الہعقبی صفحہ ۳۶۳ ۱۲ مصنف

تھے ، اور جب کامیابی ہو گئی اس وقت علویوں کی آنکھیں کھلیں ، اور انہیں یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ ان کی جانشانیوں سے صرف عباسیوں ہی نے فائدہ اٹھایا اور ہاوی اس سے محروم رہے —

فرض کہ خارشوی کے ساتھ ، لیکن تیزی سے ، دعوت کا کام ہو تا رہا ۔ کبھی کبھی سلطنت دامیون کو گرفتار کر کے قتل کر دیتی تھی ، جیسا کہ ابو ہکرمہ اور حیان کے ساتھ ہوا لیکن فوراً ہی ان کی جگہ پانچ داعی خراسان روانہ کئے گئے اور انہیں کمال حزم و احتیاط سے کام کرنے کی ہدایت کر گئی اور منع کر دیا گیا کہ جب تک رازداری کا حلف نہ اٹھوائیں اس وقت تک کسی پر ایذا بعید ظاہر نہ کریں * ہشام کے عہد حکومت میں جب کہ خالد عراق کا والی تھا خوارج اور شیعہوں نے کئی عجیب و غریب اور سخت شورشیں کیں جن کے سرغنہ اکثر صورتوں میں زندہ جلا دئے گئے + برخلاف اس کے خراسان میں خلیفہ نے ان لوگوں کے ساتھ مصلحت نرمی برتی کرچہ اس کا والی برابر اسے ہو شیار کرتا رہتا تھا خراسان میں عباسی دعوت کی منتظم اور نگران ۱۲ قیدیوں کی ایک مجلس تھی جس کے نیچے ۷۰ مائعت سرداروں کی ایک مجلس

الہیعوی ص ۲۶۳ ۱۲ - مصنف

+ ریتوری ص ۳۳۶ - ص ۱۲ - مصنف

میسور - ص ۳۹۱ - ص ۳۹۲ ۱۲ - مصنف

شور و بھی تھی (*) کہ وہی کہہ رہا تھا کہ کوئی داعی منتظہین کی نگرانی کے باوجود آپ سے باہر ہو کر غلات کے شہید ترین عقائد کی بر ملا تبلیغ کرنے لگتا تھا ، جیسا کہ الخدای نے کیا ، جو سنہ ۷۳۶ ھ میں قتل کیا گیا ۔ اس شخص کے ، فیروز رانندیوں اور خرمیوں کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے ہم ناظرین کو فان فلوتن کی محققانہ تصنیف (صفحہ ۴۷ - صفحہ ۵۱) اور اپنی اس کتاب کے باب (۹) کے پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں —

محمد بن علی کی وفات	تقریباً سنہ ۷۳۳ ھ میں محمد بن علی عباسی کا انتقال ہو گیا انہوں نے اپنا جانشین اپنے بیٹے ابراہیم کو اور ان کے بعد دوسرے بیٹوں ابوالعباس اور ابو جعفر کو نامزد کیا ۔ ان میں سے ابراہیم کو آخری اموی خلیفہ مروان ثانی نے تقریباً سنہ ۷۴۷ ھ - سنہ ۷۴۸ ھ میں قتل کر دیا اور بقیہ دو بہت دنوں تک زندہ رہے اور عباسی دعوت اور خلافت عباسیہ کے سلسلے میں زمانہ دراز تک جو جائگشتائیاں کی گئی تھیں اس کے اثرات سے بھرپور اندوز ہوئے ۔
ابومسلم	تقریباً اسی زمانے میں وہ عجیب و غریب شخص عرصہ عہدہ پر آیا جسے دنیا ابو مسلم کے نام سے جانتی ہے اور جس نے سب سے زیادہ اسامیہ کے قلع قمع

* + دہلوی - صفحہ ۳۸ - ۱۲ - مصنف

† فان فلوتن - ۳۷ - ۱۲ - مصنف

اور عباسیہ کی فتح میں حصہ لیا تھا اور آخر انہیں لوگوں کے حصہ کا شکار ہوا جو اس کے بہت زیر بار احسان تھے —

اس زمانے کے ہر واقعہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اب فیصلہ کی آخری گھڑی قریب آن پونچھی ہے۔ مروان ثانی جسے میدان جنگ میں برابر جمعے ہوئے رہنے کی وجہ سے 'العمار' کی کُنیت دی گئی تھی، سنہ ۷۴۵ء میں قسطنطین پر بیٹھا، اور لوگوں کو یہ پیشین گوئی یاد آگئی کہ "العمار میں ان کی نجات ہو گی اور عین ابن عین ابن عین (عبداللہ بن علی بن عبداللہ یعنی ابو العباس جو بعد کو السفاح کے نام سے مشہور ہوا) میم ابن میم ابن میم (مروان ابن محمد ابن مروان آخری اموی خلیفہ) کو مبارقہ الے کا (۱) اس قسم کی منحوس پیشین گوئیاں عام طور پر مشہور تھیں اور لوگ انہیں شوق سے سنتے اور قبول کرتے تھے، اور یہودیوں اور عیسائیوں کی پراسرار کتابوں، ملاہم وغیرہ کو وہ محکوم اقوام بہت شوق سے پڑھتی تھیں جو مدت دراز سے ظلم سہتی رہی تھیں اور جنہیں اس کا یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کی نجات کا دن قریب آگیا ہے اور مسیح موعود کا ظہور قریب آگیا ہے جس کی وجہ سے فساد کے دور دورہ کے بعد انصاف و عدل کا دور دورہ شروع

ہوگا۔ اس آنے والے طوفان کے آثار اور علامتوں سے اگر کوئی بے خبر اور غافل تھا تو خلیفہ مروان اور اس کے اہل دربار۔ حالانکہ مروان کو اس کے مشرق کے سرداروں اور عاملوں کی طرف سے متعدد اطلاعیں پہنچ چکی تھیں، خصوصاً نصر بن سیار نے بنو امیہ کو متنبہ کیا

خواسان کا گورنر نصر ابن سیار اس کو متنبہ کر چکا تھا کہ ۲ لاکھ آدمی ابو مسلم کی وفاداری کا حاف اٹھا چکے ہیں، اپنے اس خط کے خاتمہ پر نصر ابن سیار نے عربی اشعار لکھے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے (+) —

خاکستر میں مجھے آگ کی چمک نظر آئی ہے
اس کے بھڑک اٹھنے میں بس ذرا ہی سی
کسر ہے —

اور اگر اکابر قوم نے اسے نہ بچھایا تو لاہیں
اور کھوپڑیاں اس آگ کا ایلہن بنیں گی —
تحقیق آگ ہو لکڑیوں سے نکلتی ہے اور تحقیق
کہ الفاظ لڑائی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں —
اور میں تعجب سے پکار اُٹھتا ہوں ” کاہ
مجھے اس کا علم ہو جاتا کہ بنو امیہ جاگ رہے
ہیں یا سو رہے ہیں —“

(+) ملاحظہ ہو الفخري صفحہ ۱۷۰، دیلموري صفحہ ۳۵۶

المعقري جلد دوم صفحہ ۴۰۸، نولد کی Delectus carminum

Arabi corum صفحہ ۸۷ — صفحہ ۸۸ — ۱۲ مصلف —

اس نے عرب فوج کو بھی جو قبیلوں کی لڑائیوں کی وجہ
پراگندہ ہو گئی تھی اور آئیوے خطرے کی طارت سے
بالکل غافل تھی حسب ذیل اشعار لکھے تھے (*) —

سرو کے ربیعہ اور اس کے بھائیوں (+) کے
رہنے والوں سے کہہ دو کہ غضب ناک ہو کر اٹھ کھڑے
ہوں قبل اس کے کہ غضب بے سوہ ہو جائے —

اور جنگ شروع کر دیں ، اس لئے کہ تحقیق رعایا
نے ایک ایسی جنگ شروع کی ہے جس کے واسطے
پر جنگل جل اٹھے ہیں —

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم آپس میں لڑتے
جھگڑتے ہو گویا کہ تم میں کوئی سمجھوتہ دار
شخص باقی ہی نہیں رہا —

اور ایک ایسے دشمن کی طارت سے غافل ہو
جو ابھی سے تم پر چھایا ہوا ہے ، یعنی ایک
مختلف العناصر انہوہ جس میں نہ کوئی مذہب
ہے اور نہ شرافت —

وہ ہمارے عرب نہیں ہیں جن کو ہم
جانتے ہوں ، نہ مذہب موالی ہیں اگر ان کا
شجرہ بیان کیا جائے —

وہ ایسی قوم ہے جس کا عقیدہ ایسا ہے کہ

(*) نولد کی - صفحہ ۸۸ - مصنف —

(+) یعنی خراسان کے دوسرے شہر —

جس کے متعلق میں نے آنحضرت صلعم سے ایک
لفظ بھی نہیں سنا تھا ، اور جس کا صحف
سہاری میں کوئی ذکر نہیں آیا ہے —
اور اگر کوئی مجھ سے ان کے مذہب کی اصل
پوچھے تو تحقیق کہ ان کا مذہب صرف یہی
ہے کہ عربوں کو مار ڈالا جائے

ایک یہ اور اس قسم کی دوسری تدبیہیں بے اثر
ثابت ہوئیں * خراسان میں بے امنی اور بغاوت کے شعلے
عباسیوں نے سیاح علم | ہو طرک بھڑک رہے تھے اور جب
ہلند کیا ۹۰ - جون | اور مسلم نے یہ اطمینان کر لیا کہ
سنہ ۷۴۷ ع | اب مواہ بالکل تیار ہے تو اس نے سرو

کے پاس قصیدہ سفند بخ میں ۹ جون سنہ ۷۴۷ ع کو معنی عباسیہ
کا سیاح عام باند کیا + اس علم پر قرآن کی حسب ذیل معنی خیز
آیات منقش تھیں ”ہتھیار اٹھانے والوں کو اجازت دی جاتی ہے اس

* مثلاً حارث بن عبداللہ الجمعی اور اسوی شہزادے عباس
بن الولید کے وہ پاسیہ اشعار ملاحظہ ہوں جو فان فلوتن (صفحہ ۶۲
صفحہ ۶۳) اور دینوری (صفحہ ۳۵۸ - صفحہ ۳۵۹) نے نقل
کئے ہیں ۱۲ مصنف —

† عباسیوں کے سیاح علم اور سیاح لباس کی (جس کی وجہ سے
سے وہ المسودہ کہلائے) وجہ معلوم کرنا ہو تو ملاحظہ ہو فان فلوتن
صفحہ ۶۳ - صفحہ ۶۵ اور اس کے حوالہ جات ۱۲ مصنف —

لئے کہ اس کے ساتھ فائنصافی کی کٹی ہے ” اُنہی لہذین یقاتلون
 یا تمہم ظلمو اور ابن الدہ شلی انصر ہم لفقہین ۱۷ پارہ - سورہ حج
 پانچواں رکوع لیکن کچھ دنوں تک بغاوت کے شعلے خراسان کے
 انتہائی شمالی مغربی حصوں ، مثلاً نسا ، میورد ، ہرات ،
 سرورون اور آس پاس کے علاقوں سے اُگے نہ پھیلے ۔ نصر بن سیار
 نے خلیفہ سے جواستہاد کی تھی ، اس کے جواب میں
 خلیفہ مروان نے لکھا : —

تہقیق کہ وہ شخص جو موقع پر موجود
 ہے وہ دیکھ سکتا ہے جو ایک ایسا شخص
 جو موجود نہیں ہے نہیں دیکھ سکتا ۔ پس
 تو اس بھاری کا علاج کر جو تم لوگوں کے
 درمیان پھیل گئی ہے —

نصر بن سیار کو اس وقت صرف ایک ہی عملی کاروائی
 مناسب نظر آئی ، اور وہ یہ تھی کہ اس نے ابراہیم
 عباس کو پکڑ کر قید کر دیا اور اسے زہر دلوادیا ، جس
 پر اس کے دونوں بیٹے ابوالعباس اور ابو جعفر اپنے خاندان
 والوں کو لہکر العہیمہ نے (جو شام میں ان کا مسکن تھا و
 بھاگ کھڑے ہوئے اور کوفہ پہنچے جہاں ابو سلیمہ اور دوسرے
 اکابر شیعہ نے انہیں پناہ دی اور ان کی خبر گیری کی —
 الفخوری لکھتا ہے :-

اقتباس از الفخری | اس کے بعد ابو مسلم میں اور
نصر بن سیار اور خراسان کے دیگر

اسرا میں لڑائیاں ہوئیں جن میں مسودہ کو
یعنی ابو مسلم کی فوجوں کو فتح ہوئی۔ ان لوگوں
کو مسودہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ انہوں نے
بنو عباس کے لئے جو لباس تجویز کیا تھا وہ
سیاہ رنگ کا تھا۔ اب ذرا خداوند تعالیٰ
جلشانہ کی قدرت کو دیکھو کہ جب وہ کچھہ
کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب مہیا کر دیتا
ہے، اور جب اسکی مشیت ہوتی ہے تو کوئی
چیز اس کو روک نہیں سکتی۔ پس جب کہ اس
کا حکم ہو گیا کہ اب حکومت بنو عباس میں
منتقل ہو تو اس نے ان کے لئے اس کے جہاز ذرائع
فراہم کر دیئے۔ کیونکہ امام ابراہیم بن محمد
بن عبداللہ بن العباس شام یا حجاز میں اپنے
مصلے پر بیٹھے ہوئے اپنے اذکار اور اشغال میں
لگے ہوئے تھے اور ان کے پاس کوئی زبردست
دنیوی وسیلہ نہ تھا، اور خراسان کے لوگ
ان کی طرف سے لڑے، اور ان کی خاطر
اپنی جانیں اور مال خطرے میں ڈالا، حالانکہ
ان میں سے بہت سے انہیں جانتے تک نہ تھے
اور ان کے نام ان کی شخصیت میں پہچان نہ

کرسکتے تھے ۔ نہ انھوں نے اس پر کوئی دواست
 صرف کی نہ ان میں سے کسی کو گھوڑے
 یا اسلحہ ملے ، بلکہ صحیح یہ ہے کہ خود
 ان لوگوں نے اسام موصوت کو دواست دی اور
 ان کے لئے ہر سال بھیجا لاتے تھے ۔ اور چونکہ
 خداوند تعالیٰ کا حکم ہو چکا تھا کہ مروان نہ لہل
 ہو اور اسیدہ کی سلطنت پر اگندہ ہو حالانکہ
 مروان ، مسلم خلیفہ تھا اور اس کے پاس فوجیں
 دواست اسلحہ اور دنیاوی ساز و سامان بہت
 کچھ موجود تھا لیکن ہر طرف سے لوگ اس
 سے منحرف ہوئے گئے اور اس کی قوت کمزور
 پڑتی گئی اور اس کے قیام میں تزلزل آگیا
 اور وہ برابر تباہ ہوتا گیا یہاں تک کہ اس کو
 شکست ہوئی اور وہ مار تالا گیا —

مسودہ کا جوش و خروش اور ابو مسلم " ایک سنجیدہ
 اور خشک مزاج آدمی جس کی نظر میں دنیا کی ساری
 لذتیں ہیچ تھیں " — کے ساتھ اس کی وفاداری
 بے پایاں تھی اور اس کی اطاعت شعاری یہاں
 تک بڑھی ہوئی تھی کہ اگر دشمنی ان کے قدسوں کے فیچے
 پڑا ہو ، تو بھی وہ بغیر اپنے سرداروں کے حکم کے نہ اس
 کے لئے زرفدیہ قبول کرتے تھے اور نہ اسکو قتل کرتے
 تھے ، برخلاف اس کے ، عربوں میں جوش و خروش ، حب

وطن اور وفاداری کی بہت کمی تھی۔ ہر شخص کو اپنے ذاتی فائدے کی یا کم سے کم اپنے قبیلے کے فائدے کی فکرت تھی۔ ہذا امیہ کے ساتھ خلوص و عقیدت کا یہ قول یعقوبی کے کسی کے دل میں نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور سراؤ کے عین تو سرا سر مشین عائد رکھتے تھے قائم ابو مسلم نے بہت حزم و احتیاط اور غور و فکر کے ساتھ کام کیا، سات سہنے تک وہ اپنی فوجوں کو لگے ہوئے سرو کے مضامین میں پڑا رہا اور کسی باقاعدہ جارحانہ کارروائی کی کوشش تک اس نے نہ کی، لیکن جب اسے ہمیں عربوں کی قائد اور حمایت کا یقین ہو گیا تو اس نے بالآخر خراسان کے دارالخلافت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اب البتہ شورش اور بغاوت ہر طرف سے پھوٹ پڑی۔

ہرات، ہوشنم، سرورون، طالقان، سرو،
فیساپور، سرخس، بلخ، غفانیان، طہارستان یعنی
حظال کا ملک، کش* اور لائف (نخشب)*
غرض کہ ہر طرف سے لوگ کثیر تعداد میں آ آ کر
ابو مسلم کی جمعیت میں شریک ہونے لگے
یہ سب کے سب جہاں پھیلے تھے اور ان کے ہاتھوں
میں قندھار تھے جو آدھ جہاں رنگ کے تھے اور

جنہیں یہ لوگ کا فرکوب کہتے تھے † وہ لوگ
 گھوڑوں پر، گدھوں پر، یا پا پیادہ برابر آتے
 رہے، وہ لوگ اپنے گدھوں کو آگے بڑھاتے تھے
 تو کہتے تھے ”ہر مروان“ کہیں کہ مروان
 ثانی کا کام الحمار پڑ گیا تھا۔ ان کی تعداد
 ایک لاکھ کے قریب تھی —

اس وقت سے ابو مسلم اور ہوسرے عباسی سرداروں کی
 رفتار ترقی برابر جاری رہی تا آن کہ ابو العباس عبداللہ
 السفاح (نیز الملقب بہ المہدی) خاندان عباسیہ کا پہلا
 خلیفہ ہوا، اور اس نے ۳۰ - اکتوبر سنہ ۷۴۹ م کو خطبہ
 پڑھ کر، جس کا اسے موقعوں پر دستور ہے، اپنے خلیفہ
 ہونے کا اعلان کیا۔ نصر ابن سیار ”اکیلا وفادار آدمی جسے اس
 غداری اور خود غرضی کے زمانے میں دیکھ کر خوشی ہوتی
 ہے“ بھاگ کھڑا ہوا اور نومبر سنہ ۷۴۸ م میں بمقام ساوا قتل
 کر دیا گیا۔ قحطیہ نے اگست سنہ ۷۴۹ م میں کوفہ پر
 قبضہ کر لیا، اس مہینے میں مروان کے بیٹے عبداللہ
 کو زاب صغیر کے کنارے ابو عون کے ہاتھوں شکست فاش
 نصیب ہوئی۔ خود مروان کو ۲۵ جنوری سنہ ۷۵۰ م میں
 دریا گئے زاب کے کنارے ایسی ہی شکست ہوئی کہ وہ پھر نہ

† یہ اس قابل غور ہے کہ دینوری نے کا فرکوب کی جگہ کافر
 کوبات لکھا ہے * اگرچہ صحیح لفظ کافر بکسرہ ت ہے نہ لہکن
 صحیح ایرانی تلفظ کا فر بفتح ف ہے چنانچہ قدیم سے قدیم زمانے
 کے فارسی اشعار میں بھی سر، بر وغیرہ کا قافہ کا فر آتا ہے

سمبھل سکا اور اس کے تین ماہ بعد امیہ کے دارالخلافت دمشق پر بھی دشمنوں کا قبضہ ہو گیا ، اور بنو امیہ کا آخری خلفہ مروان جو بھاگ کر مصر چلا گیا تھا آخر کو اس سال ۵ - اگست کو گرفتار اور قتل کر دیا گیا اور اس کا سر ابو العباس کے پاس بھیج دیا گیا ۔ دوسرے سال یعنی سنہ ۷۵۱ ع میں فلسطین بصرہ اور خود بلاد مقدسہ یعنی مکہ اور مدینہ میں خاندان امیہ کے افراد کا قتل عام کیا گیا جس میں اکثر سخت قساوت اور نفرت انگیز دغا بازی کا بھی اظہار کیا گیا ۔ ایک شخص مسمیٰ عبدالرحمن نے جو ہشام کا پوتا تھا کئی مرتبہ دشمنوں کے ہاتھوں سے بال بال بچ جانے کے بعد آخر اندلس کا راستہ اختیار کیا وہاں کے عربوں نے اس کا اچھی طرح استقبال کیا اور وہ وہیں رہ پڑا ، اور آخر کار قرطبہ کے اموی خاندان کی بنیاد تالی جو تقریباً تین صدی تک یعنی سنہ ۷۵۶ ع سے سنہ ۱۰۳۱ ع تک برسر اقتدار رہا ۔ عباسیوں پر یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے دمشق میں خلفائے امویہ کے مقابر کی بے حرمتی کی اور ان کی لاشیں کھود ڈالیں * لیکن جس صورت میں کہ ابھی حال ہی میں ایک انگریزی جنرل نے اس رسم کی تجدید کی ہے (۲) اور

* ملاحظہ ہو مہر تاریخ خلافت صفحہ ۴۳۵ - صفحہ ۴۳۶

۱۲ - مصنف

۲۔ پروفیسر براؤن کا اشارہ اللہ کچنر کی طرف ہے جس نے مہدی سودانی کی قبر کھود کر ان کی لاش کی بے حرمتی کی تھی : ۱۲ مترجم

اس کے ابائی وطن میں سے ایک کٹھن جماعت نے اگر علانیہ،
اس حرکت کی تعریف نہیں کی تو بھی کم از کم اسے
قابلِ درِ کُورِ ضرور سمجھا ہے، ہمارے لئے عباسیوں پر
زبان تشذیع و راز کو نا کچھ زیادہ زیب نہیں دیتا

اثر حاسیان انقلاب کی | بہر حال یہ واقعہ ہے کہ جب عباسیوں
اسیدیں غلط ثابت ہوئیں | نے خون کی دنیاں بھا کر بالآخر خلافت

پر قبضہ کر لیا اور مشرقی سلطنت اسلامی کے ملک کل بنی
بیٹھے اس وقت بھی انہوں نے صلیب کو عدل و انصاف سے
نہیں بھرا، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے —

”کاش مروان کی اولاد پھر ہمارے پاس آجائے

اور خدا کرے آل عباس کا عدل جہنم میں جائے •

اکثر افراد کو، جنہوں نے جامع و مانع سے انقلاب کی
حمایت کی تھی جب یہ انقلاب کامیاب ہو گیا، تو بہت
سایوسی ہوئی۔ خصوصاً شیعہوں کو تو سخت دھوکا ہوا،
وہ اس غلط فہمی میں رہے کہ ”ما شیعہ“ سے جس کے نام سے
دعوت دی گئی تھی، ”مراہ اہل بیت علیہم السلام“ اور جب
کچھ کرنے دھرنے کا موقع باقی نہ رہا اس وقت ان کو محسوس
ہوا کہ اسید بھی اہل بیت رسول کے اتنے جانی دشمن نہ تھے
جتنے کہ اب ہلکی عباس کے ہاشمیہ قابض ہو رہے تھے۔ عباسیہ
نے ان لوگوں کے ساتھ بھی رہایت نہ کی جنہیں انہوں نے خون

اپنا آلہ کار بنا دیا تھا ، سنہ ۷۴۹ ع - سنہ ۷۵۰ ع میں ابوسلمہ
 ابوسلمہ اور ابومسلم | دغا سے مارا گیا ، اور خود ابومسلم
 کو قتل کیا گیا | کا ، جس کے استقلال ، جوش ، اعلیٰ

قابلیت ، اور جان توڑ کوششوں نے عباسیوں کو کامیاب
 کیا تھا ، چار پانچ سال بعد (سنہ ۷۵۵ ع) میں یہی حشر ہوا *
 اس میں شک نہیں کہ ابومسلم بے نظیر قابلیت کا شخص
 تھا ، لیکن اس کے باوجود ہمیں اس کے انجام بد پر افسوس
 نہیں ہوتا اس لئے کہ خود اس کے قول کے مطابق جن
 لوگوں کو اس نے جنگ کے علاوہ قتل کیا ، ان کی تعداد
 ایک لاکھ تھی ، اور دوسروں نے اس کا اندازہ ۶ لاکھ کہا ہے †
 لیکن اس نے اپنے پیرووں میں ، جس میں غیر مسلم بھی
 شریک تھے ، اطاعت شعاری اور خدا کاری کا ایک غیر معمولی
 جذبہ پیدا کر دیا تھا ، بقول مورخ کے † ” اس کے زمانے میں دھقانوں

* اثناء عشریوں کا خیال ہے کہ ان کے جتنے ائمہ عباسیہ کے دور
 میں گزرے ، وہ سب کے سب ان خلفاء کے ہاتھوں خفیہ طور پر
 زہر دیکر ہلاک کئے گئے صرف امام مہدی بیچ گئے جن کے متعلق
 اثناء عشریوں کا اعتقاد ہے کہ وہ آج تک شہر جبلقہ میں زندہ
 و سلامت ہیں اور آخری وقتوں کے ابتلاء میں دوبارہ ظاہر ہوں
 گے ۱۲ مصنف

† الہیعقبی ، جلد دوم صفحہ ۴۳۹ ۱۲ مصنف —

† مہرور صفحہ ۴۳۶ الخ ۱۲ - مصنف —

ابو مسلم کا | (یعنی ایران کے مالکان اراضی) نے مجوس
زبردست اثر مذہب ترک کر کے اسلام اختیار کر لیا تھا۔
 فان فلوتن خرسیوں ، غلات شیعہ اور دوسرے ، اہل دل ،
 فرقوں کے ذکر کے سلسلے میں لکھتا ہے § —

اثر تو صرف اس کو سچا اور واحد امام
 مانتے تھے ، نیز یہ بھی قرین قیاس ہے کہ
 مجوس اس کو اوست درہاسی یا اوست درمہ سافتنے
 تھے جو زرتشت کی اولاد میں سے ہے اور جس
 کے متعلق موسیوں کا اعتقاد ہے کہ وہ بھی
 امام مہدی کی طرح آخر میں ظاہر ہوگا ۔ ان
 فرقوں کے ابو مسلم کی موت کا یقین ہی نہ اٹا
 تھا ، وہ منتظر تھے کہ وہ آکر دنیا کو عدل و
 انصاف سے مالا مال کر دے گا ۔ دوسروں کا عقیدہ
 یہ تھا کہ اب امامت اس کی بیٹے  خاتمہ میں
 منتقل ہو گئی ہے ۔ ایک شخص مسمیٰ امتحاق
 ترک § ابو مسلم کی موت کے بعد بھاگ کر
ماوراءالنہر کی طرف جا نکلا وہ خود کو ابو مسلم

§ ابن ابی طاهر معلقولہ فان فلوتن صفحہ ۶۷ اور حاشیہ ۱۲۴ مصنف
 § (حواشی) جہساکہ فہرست میں تصریح کردی گئی ہے
 یہ شخص ترک اس وجہ سے کہلاتا تھا کہ وہ اپنا تہذیبی کام حدود
 ترکی میں کرتا تھا ۔ ۱۲ - مصنف —

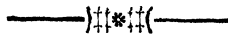
کا داعی کہتا تھا اور یہ کہتا پھرتا تھا کہ میرا
آقا شہرے میں روپوش ہے - پھر اس نے دعویٰ
کیا کہ میں نبی ہوں ، اور زرتشت کا فرستادہ
ہوں جو ہلوز زندہ ہے ۔

خرم دینیدہ | خرمیوں ، یا خرم دینیدہ کا تذکرہ جن کے خاص
عقائد وہی تھے جو مزدکیہ کے (ملاحظہ ہو

تصنیف ہذا کا صفحہ ۱۶۸ - صفحہ ۱۷۲) ہمیں ایک صدی
کے بعد تک بھی کچھ ملتا رہتا ہے ، اور ایران میں اس زمانے
میں جو چھوٹی یا بڑی بغاوتیں ہوئیں اور جن کے سرغنہ
فہوت کے بعض جھوٹے مدعی مثلاً سنہ ۷۵۲ م (سنہ ۷۵۲ م
سنہ ۷۵۵ م) استنادسیس (سنہ ۷۶۶ م - سنہ ۷۶۸ م)
یوسف البرم اور القنق (خراسان کا نقاب پوہ نبی)
(سنہ ۷۷۷ - سنہ ۷۸۰) علی مزدک (سنہ ۸۳۳ م) اور باہک
(سنہ ۸۱۶ - سنہ ۸۳۲ م) تھے وغیرہم تھے وہ سب کے سب
اکثر ابو مسلم ہی کی یاد اور اسی کے سلسلے میں ہوئیں تھیں۔
اسی انقلاب سے ، جس نے عباسیہ کو تخت سلطنت پر
بٹھایا ، اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا ضرور ہوا کہ
ایرانیوں کی حیثیت اور ان کا رتبہ بہت کچھ بڑھ گیا ، پہلے
وہ ایک حقیر اور محکوم قوم سمجھے جاتے تھے تو اب سلطنت
کے اعلیٰ ترین عہدے اور اعلیٰ ذمہ داری کی خدمتیں ان کے
سپردہ ہونے لگیں ۔ آل عباس کو جو فتح حاصل ہوئی وہ انہیں

کی قلاواریوں کے طفیل سے ہوئی، یہی وجہ ہے کہ البیرونی عباسیہ کو "خراسانی" مشرقی خاندان "کہتا ہے" * اور اس قول میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قاسمیہ اور نہایت کا انتقام دریائے زاب کے کنارے لیا گیا۔ بدواسیہ کا زوال گویا خالص عربی دور کا خاتمہ تھا † —

* تاریخ ملل قدیمہ مترجمہ سخاؤ صفحہ ۱۹۷ - ۱۲ - مصنف
 † ملاحظہ ہو وہ نظم جو فان کریمر نے اپنی Streifzuge میں نقل کی ہے 'اصل کے صفحہ ۶۹ - صفحہ ۷۰ اور ترجمہ (صفحہ ۳۱ - صفحہ ۳۲) اس نظم میں عربی شاعر نے بہت غم و غصہ کے ساتھ اس کی شکایت کی ہے کہ ایوانی اور نبطی موالی جو پہلے اُنھے عاجز اور دپے ہوئے تھے اب بہت مغرور اور گستاخ ہو گئے ہیں - ۱۲ - مصنف —



OUP--556--13-7-71--4,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. A 915 D. 9 Accession No. 12401

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

